



توابہم قواعد فقہ مع مآخذ تشریح اور فقہی کتابوں سے تفریعات نیز قواعد فقہ کا تاریخی پس منظر  
اردو زبان میں پہلی مرتبہ باذوق اہل علم کے لئے انمول تحفہ

# فول ایڈل لفیقہ

مولانا محمد نعیان صاحب

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ناؤن کراچی

ادارۃ المعارف گل بھی



سو، ہم قواعدِ فقہ مع آخذہ تشریح اور ہم کتابوں سے تفریعات، نیز قواعدِ فقہ کا تاریخی پس منظر  
اردو زبان میں پہلی مرتبہ باافق لایل علم کے لئے انمول تحفہ

# قواعدِ الفقہ

مولانا محمد نعمن حبیب



DATA ENTERED

ادارۃ المعارف کراچی

اندازہ نمبر

## ن ۶۹۳ ک جملہ حقوق ملکیت بحق اذارۃ المعرفہ ہرچیز محفوظ ہیں

بندہ محنت شعبان کی طرف سے کتاب خدا  
”قواعد الفقہ“

۱۲۰۷۰۴

ک

کے جملہ حقوق ملکیت ”اذارۃ المعرفہ ہرچیز“ کو حاصل ہیں۔ کوئی شخص یا ادارہ بلا اجازت غیر قانونی طباعت، اشاعت اور فروخت کا مجاز نہیں۔ بصورت دیگران کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔

محمد نعیم

۱۴۳۵/۷۵  
۱۴۳۵/۷۶

باہتمام : یحییٰ مسٹر اف شستی

طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ - جون ۲۰۱۳ء

مطبع : مشہ پرنگ پریس کراچی

ناشر : اذارۃ المعرفہ ہرچیز

ملنے کے پتے:

اذارۃ المعرفہ ہرچیز

احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کوئنگ انڈسٹریل ایریا، کراچی

فون: 021-35032020, 021-35123161

موبائل: 0300 - 2831960

ای میل: imaarif@live.com

﴿ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴۳۵﴾ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

﴿ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

﴿ بیت الکتب گلشنِ اقبال، کراچی ۱۴۳۵﴾ مکتبہ القرآن، نوری ٹاؤن، کراچی

## فہرست مضمایں

نمبر شار	مضمایں	صفحہ نمبر
۱	تقریظ: استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب.....	۹
۲	تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد انعام الحق قاسمی صاحب.....	۱۱
۳	انتساب.....	۱۳
۴	عرض مؤلف.....	۱۵
۵	قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر.....	۱۷
۶	قاعدے کا لغوی معنی.....	۱۷
۷	قاعدے کا اصطلاحی معنی.....	۱۷
۸	قواعد فقہیہ کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے.....	۱۹
۹	قواعد فقہیہ کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال سے.....	۲۲
۱۰	قواعد فقہیہ کا ثبوت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اقوال سے.....	۲۳
۱۱	علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کا واقعہ.....	۲۶
۱۲	شافعی میں قواعد کے مؤسس.....	۲۹
۱۳	اصول الکرخی کا تعارف.....	۲۹
۱۴	تاکیس النظر کا تعارف.....	۳۱
۱۵	ساتویں صدی کا کام.....	۳۳
۱۶	آٹھویں صدی کا کام.....	۳۳
۱۷	الاشیاء والظاهر کا تعارف.....	۳۴
۱۸	محلۃ الاحكام العدلیہ کی تدوین.....	۳۵

نمبر شمار	مضامين	صفحہ نمبر
۱۹	مضامين مجموعہ .....	۳۶
۲۰	مجلد کی شریص .....	۳۷
۲۱	قواعد فقہیہ کے مصادر .....	۳۹
۲۲	ماکی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں .....	۴۰
۲۳	شافعی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں .....	۴۰
۲۴	حنبلی علماء کی قواعد پر لکھی گئی کتابیں .....	۴۱
۲۵	قواعدہ نمبر ۱ <b>أَلْمُؤْرُ بِسَمَاقِاصِهَا</b> .....	۴۲
۲۶	قواعدہ نمبر ۲ <b>الْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِي لَا لِلْأَفَاظِ وَالْمَبَانِي</b> .....	۴۷
۲۷	قواعدہ نمبر ۳ <b>الَّيْقِينُ لَا يَرْزُولُ بِالشَّكِ</b> .....	۵۰
۲۸	قواعدہ نمبر ۴ <b>أَلَا صُلْ بَقَاءً مَا كَانَ عَلَى مَا كَانَ</b> .....	۵۱
۲۹	قواعدہ نمبر ۵ <b>الْقَدِيرُمْ يُتَرَكُ عَلَى قِدَمِهِ</b> .....	۵۹
۳۰	قواعدہ نمبر ۶ <b>أَلَضَرُّ لَا يَكُونُ قَدِيرًا</b> .....	۶۲
۳۱	قواعدہ نمبر ۷ <b>أَلَا صُلْ بَرَاءَةُ الذِّمَةِ</b> .....	۶۳
۳۲	قواعدہ نمبر ۸ <b>أَلَا صُلْ فِي الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ الْعَدُومِ</b> .....	۶۷
۳۳	قواعدہ نمبر ۹ <b>مَا ثَبَّتَ بِزَمَانٍ يُحْكَمُ بِيَقَائِهِ مَا لَمْ يُوجَدْ دَلِيلٌ عَلَى خِلَافِهِ</b> .....	۷۲
۳۴	قواعدہ نمبر ۱۰ <b>أَلَا صُلْ إِضَافَةُ الْحَادِثِ إِلَى أَفْرَبِ أَوْقَاتِهِ</b> .....	۷۵
۳۵	قواعدہ نمبر ۱۱ <b>أَلَا صُلْ فِي الْكَلَامِ الْحَقِيقَةِ</b> .....	۸۰
۳۶	قواعدہ نمبر ۱۲ <b>لَا عِبْرَةَ بِالْدَلَالَةِ فِي مُقَابَلَةِ التَّصْرِيْحِ</b> .....	۸۳
۳۷	قواعدہ نمبر ۱۳ <b>لَا مَسَاغٌ لِلْإِجْتِهَادِ فِي مُورِدِ النَّفْقَ</b> .....	۸۸
۳۸	قواعدہ نمبر ۱۴ <b>مَا ثَبَّتَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ فَغَيْرُهُ عَلَيْهِ لَا يُقَاسُ</b> .....	۹۲
۳۹	قواعدہ نمبر ۱۵ <b>أَلَا جِتَهَادُ لَا يَنْقُضُ بِمِثْلِهِ</b> .....	۹۶

صفحة نمبر	مضامين	نمبر شمار
١٠٠	قاعدة نمبر ١٦ المشقة تجلب التيسير	
١٠٥	قاعدة نمبر ١ الامر إذا صار إنسان	
١٠٧	قاعدة نمبر ٨ لا ضرر ولا ضرار	
١١١	قاعدة نمبر ٩ <del>الضرر يزال</del>	
١١٣	قاعدة نمبر ٢٠ الضرورات تبيح المحظوظات	
١١٨	قاعدة نمبر ٢١ الضرورات تقدر بقدرتها	
١٢٢	قاعدة نمبر ٢٢ مَا جاز لعذر بطل بزواله	
١٢٤	قاعدة نمبر ٢٣ إذا زال الماء عاد الممتوء	
١٣٠	قاعدة نمبر ٢٤ <del>الضرر لا يزال بمثله</del>	
١٣٦	قاعدة نمبر ٢٥ يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام	
١٣٦	قاعدة نمبر ٢٦ <del>الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف</del>	
١٣٩	قاعدة نمبر ٢٧ إذا تعارض مفسدة تان روئي أعظمهما ضرراً يأثر تكاب	
	آخره ما	
١٣١	قاعدة نمبر ٢٨ يختار أهون الشررين	
١٣٣	قاعدة نمبر ٢٩ درء المفاسد أولى من جلب المنافع	
١٣٦	قاعدة نمبر ٣٠ الضرر يدفع بقدر الإمكان	
١٣٩	قاعدة نمبر ٣١ الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة	
١٥٢	قاعدة نمبر ٣٢ لا يُبطل حق الغير	
١٥٣	قاعدة نمبر ٣٣ مَا حرم أخذته حرم إعطاؤه	
١٥٥	قاعدة نمبر ٣٤ مَا حرم فعله حرم طلبه	
١٥٥	قاعدة نمبر ٣٥ العادة محكمة	
١٦٥	قاعدة نمبر ٣٦ إستعمال الناس حجة يجب العمل بها	
١٦٨	قاعدة نمبر ٣ <del>الممتنع عادةً كالممتنع حقيقةً</del>	

صفحه نمبر	مضايقات	نمبر شمار
١٧٠	قاعدہ نمبر ٣٨ لا یُنکِر تغیر الاحکام بتغیر الازمان	
١٧٢	قاعدہ نمبر ٣٩ الحقيقة تترك بدلاً لـ العادة	
١٧٣	قاعدہ نمبر ٣٠ إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غابت	
١٧٦	قاعدہ نمبر ٣١ العبرة للغالب الشائع لا للنادر	
١٧٩	قاعدہ نمبر ٣٢ المعروف عرفاً كالمشروع شرعاً	
١٨٢	قاعدہ نمبر ٣٣ المعروف بين التجار كالمشروع بينهم	
١٨٥	قاعدہ نمبر ٣٤ التعيين بالعرف كالتعيين بالنص	
١٨٦	قاعدہ نمبر ٣٥ إذا تعارض المانع والمقتضى يقدّم المانع	
١٩٠	قاعدہ نمبر ٣٦ التابع تابع	
١٩٣	قاعدہ نمبر ٣٧ التابع لا يفرد بالحكم	
١٩٣	قاعدہ نمبر ٣٨ من ملك شيئاً ملك ما هو من ضروراته	
١٩٥	قاعدہ نمبر ٣٩ إذا سقط الأصل سقط الفرع	
١٩٨	قاعدہ نمبر ٤٠ الساقط لا يعود كما أن المعدوم لا يعود	
٢٠٣	قاعدہ نمبر ٤١ إذا بطل الشيء بطل مافي ضمه	
٢٠٥	قاعدہ نمبر ٤٢ إذا بطل الأصل يصار إلى البديل	
٢٠٧	قاعدہ نمبر ٤٣ يغتفر في التوابع ما لا يغتفر في غيرها	
٢٠٩	قاعدہ نمبر ٤٤ يغتفر في البقاء ما لا يغتفر في الابتداء	
٢١٢	قاعدہ نمبر ٤٥ البقاء أسهل من الابتداء	
٢١٣	قاعدہ نمبر ٤٦ لا يتم التبرع إلا بقبض	
٢١٦	قاعدہ نمبر ٤٧ التصرف على الرعية متوط بالمصلحة	
٢٢٢	قاعدہ نمبر ٤٨ الولاية الخاصة أقوى من الولاية العامة	
٢٢٣	قاعدہ نمبر ٤٩ إعمال الكلام أولى من إهماله	
٢٢٧	قاعدہ نمبر ٥٠ إذا تعذر تتحقق الحقيقة يصار إلى المجاز	

نمبر شمار	مضامين	صفحه نمبر
قاعدہ نمبر ٦١	إِذَا تَعَذَّرَ أَعْمَالُ الْكَلَامِ يُهْمَلُ.....	٢٣٠
قاعدہ نمبر ٦٢	ذِكْرُ بَعْضِ مَا لَا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ كُلِّهِ.....	٢٣٢
قاعدہ نمبر ٦٣	الْمُطْلَقُ يَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ إِذَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ التَّقْيِيدِ نَصًّا أَوْ دَلَالَةً.....	٢٣٣
قاعدہ نمبر ٦٤	الْوَصْفُ فِي الْحَاضِرِ لَغُوٰ وَ فِي الْغَائِبِ مُعْتَبِرٌ.....	٢٣٨
قاعدہ نمبر ٦٥	السُّؤَالُ مَعَادٌ فِي الْجَوابِ.....	٢٣٠
قاعدہ نمبر ٦٦	لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِنٍ قَوْلُ لِكِنَّ السُّكُوتَ فِي مَعْرِضِ الْحَاجَةِ بَيَانٌ.....	٢٣٣
قاعدہ نمبر ٦٧	دَلِيلُ الشَّيْءِ فِي الْأُمُورِ الْبَاطِنَةِ يَقُومُ مَقَامَهُ.....	٢٣٨
قاعدہ نمبر ٦٨	الْكِتَابُ كَالْخَطَابِ.....	٢٥١
قاعدہ نمبر ٦٩	الإِشَارَاتُ الْمَعْوُدَةُ لِلآخْرَسِ كَالْبَيَانِ بِاللِّسَانِ.....	٢٥٣
قاعدہ نمبر ٧٠	يُقْبِلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقاً.....	٢٥٦
قاعدہ نمبر ٧١	لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيِّنِ خَطْوَةً.....	٢٥٩
قاعدہ نمبر ٧٢	لَا حُجَّةَ مَعَ الْإِحْتِمَالِ النَّاثِشِ عَنْ دَلِيلٍ.....	٢٦٣
قاعدہ نمبر ٧٣	لَا عِبْرَةَ لِلتَّوْهِمِ.....	٢٦٧
قاعدہ نمبر ٧٤	الثَّابِتُ بِالْبُرْهَانِ كَالثَّابِتِ بِالْعَيْانِ.....	٢٧٢
قاعدہ نمبر ٧٥	الْبَيِّنَةُ لِلْمُدَعِّيِّ وَ الْبَيِّنُ عَلَى مَنْ انْكَرَ.....	٢٧٣
قاعدہ نمبر ٧٦	الْبَيِّنَةُ لِإِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ وَ الْبَيِّنُ لِإِبْقَاءِ الْأَصْلِ.....	٢٧٧
قاعدہ نمبر ٧٧	الْبَيِّنَةُ حُجَّةٌ مُتَعَدِّيَّةٌ وَ الْإِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ.....	٢٨٠
قاعدہ نمبر ٧٨	الْمَرْءُ مُؤَاخِذٌ بِإِقْرَارِهِ.....	٢٨٣
قاعدہ نمبر ٧٩	لَا حُجَّةَ مَعَ التَّنَاقُضِ لِكِنْ لَا يَخْتَلُ مَعَهُ حُكْمُ الْحَاكِمِ.....	٢٨٥
قاعدہ نمبر ٨٠	قَدْ يُثْبِتُ الْفَرْعُ مَعَ عَدَمِ ثُبُوتِ الْأَصْلِ.....	٢٨٧
قاعدہ نمبر ٨١	الْمُعْلَقُ بِالشُّرُطِ يَجِبُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ ثُبُوتِ الشُّرُطِ.....	٢٨٨

صفحة نمبر	مضامين	نمبر شمار
٢٩٢	قاعدة نمبر ٨٢ يَلْزَمُ مُرَايَاةُ الشَّرْطِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ	
٢٩٨	قاعدة نمبر ٨٣ الْمَوَاعِيدُ بِإِكْتِسَابِ صُورِ التَّعَالِيقِ تَكُونُ لَازِمَةً	
٢٩٩	قاعدة نمبر ٨٢ الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ	
٣٠٣	قاعدة نمبر ٨٥ الْأَجْرُ وَ الضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَا	
٣٠٦	قاعدة نمبر ٨٦ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ	
٣٠٨	قاعدة نمبر ٨٧ النِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّقْمَةِ وَ النِّقْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ	
٣١١	قاعدة نمبر ٨٨ يُضَافُ الْفِعْلُ إِلَى الْفَاعِلِ لَا الْأَمْرُ مَا لَمْ يَكُنْ مُجْبَرًا	
٣١٣	قاعدة نمبر ٨٩ إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَ الْمُتَسَبِّبُ يُضَافُ الْحُكْمُ إِلَى	
	الْمُبَاشِرِ	
٣١٧	قاعدة نمبر ٩٠ الْجَوَازُ الشَّرِيعِيُّ يَنَافِي الضَّمَانَ	
٣٢٠	قاعدة نمبر ٩١ الْمُبَاشِرُ ضَامِنٌ وَ إِنْ لَمْ يَتَعَمَّدْ	
٣٢٣	قاعدة نمبر ٩٢ الْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ إِلَّا بِالْتَّعَمِدِ	
٣٢٦	قاعدة نمبر ٩٣ جَنَائِيَّةُ الْعُجُومَاءِ جُبَارٌ	
٣٣١	قاعدة نمبر ٩٤ الْأَمْرُ بِالْتَّصْرِيفِ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بَاطِلٌ	
٣٣٢	قاعدة نمبر ٩٥ لَا يَجُوزُ لَأَحَدٍ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِلَا إِذْنِهِ	
٣٣٣	قاعدة نمبر ٩٦ لَا يَجُوزُ لَأَحَدٍ أَنْ يَأْخُذَ مَالَ أَحَدٍ بِلَا سَبَبٍ شَرِيعِيٍّ	
٣٣٦	قاعدة نمبر ٩٧ تَبَدِّلُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَائِمٌ مَقَامَ تَبَدِّلِ الذَّاتِ	
٣٣٩	قاعدة نمبر ٩٨ مَنْ اسْتَعْجَلَ الشَّيْءَ قَبْلَ أَوْانِهِ عُوقَبَ بِحِرْمَانِهِ	
٣٤٢	قاعدة نمبر ٩٩ مَنْ سَعَى فِي نَقْضِ مَاتَمَ مِنْ جِهَتِهِ فَسَعَيْهُ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ	
٣٤٥	قاعدة نمبر ١٠٠ الْحَرَجُ مَرْفُوعٌ	

## تقریط

استاذ العلاماء حضرت مولانا عبد الرزاق زاہد صاحب مدظلہم  
استاذ احمد ریث جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للواليه والصلاۃ علی نبیه وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد!  
زیرنظر کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے قواعد فقہ سے متعلق ہے، اس میں برخوردار مولانا محمد نجمان احمد حفظہ اللہ نے قواعد فقہ پر دستیاب مشہور اور متداول کتب و مأخذ سے استفادہ کیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ کی "الأشباه والناظائر" اور ترک دو خلافت میں مرتب کی گئی بے نظیر و بے مثال کتاب "مجلة الأحكام العدلية" کو موصوف نے اپنی کتاب کا بنیادی مأخذ بنایا ہے، ہمارے ہاں دینی مدارس میں اصول فقہ کی جو کتب شامل نصاب ہیں ان میں فقہ کے اصول کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور قواعد فقہ مستقل صنف ہے اس پر مذاہب اربعہ کے انہر و اعلام نے وقیع تالیفات پیش کی ہیں، چونکہ ہمارے مدارس کے نصاب میں قواعد فقہ سے متعلق کوئی کتاب داخل نصاب نہیں ہے اس لئے اکثر طلباء اس صفت سے واقف نہیں ہوتے، تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو قواعد فقہ کی کتب باقاعدہ طور پر تدریساً و سبقاً پڑھائی جاتی ہیں، برخوردار مولانا محمد نجمان سلمہ نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ قواعد فقہ پر اردو زبان میں پہلی مبسوط اور تحقیقی کاؤش پیش کی ہے اور ضروری اور اہم قواعد کو امہات کتب سے زائل کر ہر قاعدہ پر متعدد تفريعات پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، پہلے انہوں نے عربی قاعدہ، ترجمہ اور تشريح کی ہے اور پھر اس پر آسان اور لذیذ اردو میں

متعدد مثالیں دے کر بتایا ہے کہ یہ قاعدہ کہاں اور کس طرح منطبق ہوتا ہے، اس طرح انہوں نے ایک وسیع و عریض فقہی ذخائر سے سو (۱۰۰) اہم قواعد، مأخذ اور تفريعات کا انتخاب کیا ہے، قارئین کیلئے قواعد الفقه سے استفادہ کی راہیں سہل اور آسان بنادی ہیں۔

مولانا موصوف نے ابتداء میں قواعد الفقه پر ایک معلوماتی مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور اس میں انہوں نے بتایا ہے کہ قواعد الفقه پر مذاہب اربعہ کی کون کون سی کتب کن ادوار میں لکھی گئی ہیں، یہ مقدمہ تحقیقی اور معلومات افزائی ہے اور اس پر مؤلف لاٹ تبریک ہیں۔

مولانا محمد نعمان سلمہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے لاٹ اور علمی ذوق رکھنے والے فضلاء میں سے ہیں، ان کی زیر نظر و قیع کاوش اہل علم کیلئے بالعموم اور دارالافتاء سے متعلق حضرات مفتیان کرام کیلئے بالخصوص قیمتی سوغات ہے، فراغت کے بعد انہی کی مختصر وقت میں اس سے قبل تین علمی کتب منظر عام پر آچکی ہیں اور یہ ان کی چوتحی کاوش ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ہو۔

میں نے ان کی اس کاوش پر اچھتی ہوئی نگاہ ڈالی ہے اپنی تدریس اور انتظامی مصروفیات اور ذمہ داریوں کی بناء پر ان کی تالیف لطیف کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کر سکا، سرسراً مطالعہ کے دوران راقم نے اپنے تاثرات بلا کم و کاست نقل کر دیئے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی جملہ کاوشوں کو شرفِ قبولیت دے اور اسے ان کے والدین و اساتذہ کیلئے ذخیرہ آخرت بنادے۔

(آمین یارب العالمین)

(حضرت مولانا) عبدالرزاق زاہد غفرلہ

استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

و معتمد صدر الواقع و صدر تنظیمات مدارس اسلامیہ

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

## تقریظ

حضرت مولانا مفتی انعام الحق قاسمی صاحب مذہب  
نائب مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ناڈن کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

واضح رہے کہ فقہ ہتھیلی کی مانند ہے جیسے ایک انسان کو لینے، دینے اور پکڑنے کیلئے ہتھیلی کی ضرورت ہوتی ہے اس کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا اسی طرح انسان کو فقہ کی بھی ضرورت ہے اس کے بغیر حلال، حرام، واجب، سنت اور مستحب وغیرہ کو بے تکلف نہیں جان سکتا، یہی فقہ ہی قرآن و حدیث کا نتیجہ اور شرہ ہے، چنانچہ فقہ میں دلچسپی اور مہارت کے بغیر اسلام کو ایک مکمل نظامِ زندگی اور قانونِ حیات کی حیثیت سے سمجھنا ممکن ہے، فقہ کو غیر ضروری سمجھنے والا درحقیقت چھلکے میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے، قرآن و حدیث کے مغز تک اس کو رسائی نصیب نہیں ہوتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ يَرِدُ اللَّهَ بِهِ خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ -

یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی فقہ اور سمجھ عنایت فرماتا ہے، یعنی اسکو عالم فقہ بنادیتا ہے۔

ہزار عابدوں کے مقابلہ میں ایک فقیر شیطان پر سخت اور بھاری ہوتا ہے، کیونکہ عابد سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا، جبکہ فقیر لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیتا ہے، انہیں حرام و حلال کے مسائل

بنتا تا ہے، تفہم فی الدین سے مراد یہ ہے کہ وہ مسائل و احکام جو قرآن و سنت میں واضح طور پر موجود نہیں ہیں ان کو قواعد و حوادث اور واقعات کے ذریعہ حاصل کیا جائے، کیونکہ ایک ایک کر کے تمام جزئیات کو یاد رکھنا بہت ہی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں لکھا تھا جسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

الفہم الفہم فيما يختلف في صدراك مما لم يبلغك في الكتاب أو  
السنة اعرف الأمثال والأشباه ثم قس الأمور عند ذلك فاعمد إلى  
أحبها عند الله وأشبهها بالحق فيما ترى۔

(سنن الدارقطنی للإمام الكبير على بن عمر أبي الحسن الدارقطنی

البغدادی، کتاب عمر إلى أبي موسی الأشعري ۳۶۷/۵ رقم الحديث ۳۲۷۱)

الناشر : دار الفكر

یعنی جو چیز تم کو قرآن و سنت میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت میں شبہ ہوا س میں غور کرو اور خوب غور کرو اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو اور جو اللہ کو پسندیدہ تر اور حق کے ساتھ مشابہ تر ہوا پر عمل کرو۔

معلوم ہوا کہ اشباه و نظائر اور قواعد و اصول کا علم ایک عظیم ترین فن ہی ہے، ان قواعد و قوانین کے ذریعہ تھوڑے وقت میں سہل اور آسان طریقہ پر ان نئے نئے واقعات اور جزئیات و حوادث کے احکام کو کسی قسم کے شک و شبہ کے بغیر معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے جن کے بارے میں قرآن و سنت اور اجماع کی طرف سے کوئی حکم وارد نہیں ہے۔

سب سے پہلے اس علم کا دروازہ سلطان العلماء عبد العزیز بن عبد السلام رحمہ اللہ نے کھولا اور ”القواعد الصغری اور القواعد الكبرى“ نامی دو کتابیں تصنیف کیں۔

بعد ازاں شیخ صدر الدین محمد بن عمر المعروف بابن الوکیل رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۶ھ)

امام ابو طاہر دباس، قاضی حسین بدر الدین محمد زکشی، تاج الدین سکی، سراج الدین عمر بن علی

ابن الملقن شافعی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن حکیم مصری وغیرہ بہت سارے علمائے کرام رحمہ اللہ نے اس فن پر کام کیا۔

تاہم یہ تمام کتابیں عربی زبان میں تھیں اردو زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب دستیاب نہیں تھی، اب ماشاء اللہ عزیز محترم جناب مولانا محمد نعمان احمد صاحب فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ واستاذ جامعۃ انوار العلوم مہران ٹاؤن کوئی کراچی نے کافی محنت اور عرق ریزی کے بعد ان قواعد میں سے بہت سارے قواعد کو اردو زبان میں قواعد الفقه نامی کتاب میں منتقل کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب کو درمیان درمیان سے دیکھا ہے، ماشاء اللہ بڑی اچھی کتاب ہے اور بہترین کاؤش ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور طلبہ، عوام اور خواص کے لئے مفید بنائے اور مؤلف کے لئے صدقہ جاریہ اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنائے۔

آمین بحرمة سید المرسلین

کتبہ (حضرت مولانا مفتی) محمد انعام الحق (قاںی صاحب)

دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

۱۴۳۳ھ / ۲۱ / ۱۴۳۳ھ

۱۴۰۱ھ / ۱۳ / ۱۴۰۱ھ

## انساب

میں اپنی اس حقیر سی کاوش کو محدث العصر علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ اور اپنے  
مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرنے کی  
سعادت حاصل کر رہا ہوں جس کے دامن تربیت میں پل کر میں اس کاوش  
کے قابل ہوا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## عرضِ مؤلف

متاخرین فقہاء کرام کے مدون کردہ اصول فقہ کے دو حصے ہیں: ایک تو وہ حصہ ہے جس میں وہ الفاظ و معانی کے اعتبار سے عام، خاص، ظاہر، خفی، عبارۃ النص، اشارۃ النص وغیرہ مباحث ذکر کرتے ہیں، جو عموماً اصول الشاشی، نور الانوار، حسامی، توضیح تلویح اور عام اصول فقہ کی کتب میں مذکور اور مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اس کے علاوہ اصول فقہ کا ایک حصہ اور بھی ہے، جس کے مضامین و مباحث اس سے جدا گانہ ہیں مثلاً الام — ور بسم مقاصدہا، اليقین لا يزول بالشك، الأصل في الكلام الحقيقة، الأصل بقاء ما كان على كان، العادة محكمة، ان جیسے اہم اصول و قواعد کا ذکر ہے، افادیت اور ضرورت کے اعتبار سے اصول فقہ کا یہ شعبہ پہلے شعبہ کے مقابلے میں زیادہ مفید اور اہمیت کا حامل ہے، اس میں ایسے اصول بیان کیے جاتے ہیں جن کی ضرورت ہر زمانے میں مفتی کو بکثرت پیش آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شعبہ افتاء کے لیے علماء نے اصول فقہ کی اس قسم سے متعلق کتاب ”الأشباء والنظائر“ کو لازمی قرار دیا ہے۔

اردو زبان میں اصول فقہ پر بیسیوں کتابیں ہونے کے باوجود ان اصول و قواعد اور تفریعات کے ذکر پر کوئی کتاب اب تک منظر عام پر نہیں آئی، بندہ کی یہ خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیلی کتاب ہونی چاہیے جن میں تمام اہم قواعد و کلیات کا ذکر آجائے۔ اس کتاب میں سو (۱۰۰) قواعد فقہیہ کا ذکر ہے، اور یہ تمام قواعد ”مجلة الأحكام العدلية“ سے لیے گئے ہیں قواعد کی ترتیب بھی مجلہ ہی کے اعتبار سے ہے، کتاب کے شروع میں ”قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر“ کے عنوان سے قواعد فقہ کی مختصر ایک جامع تاریخ ذکر کی گئی

ہے، اور چاروں مکتبہ فکر کے علماء کرام کی قواعد پر لکھی گئی کتابوں کی نشان دہی اور فقہ حنفی میں قواعد پر لکھی گئی کتابوں کا ترتیب کے ساتھ مختصر اتعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

ہر قاعدے کا بالاتر زام دو کتابوں سے حوالہ دیا گیا ہے نیز ہر ممکنہ کوشش رہی کہ قواعد کے مأخذ کو اصل کتابوں سے مراجعت کر کے باحوالہ لکھا جائے۔ ہر قاعدے کے بعد عام فہم انداز میں اس کی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے تاکہ قاعدہ سمجھنا آسان ہو جائے، پھر تفریعات کے لکھنے میں اس بات کی کوشش رہی کہ ہر قاعدے کے لیے کم از کم پانچ تفریعات ضرور ذکر کی جائیں۔

بندہ نے اس کتاب میں زیادہ تر استفادہ "الأشباء والناظائر" (لابن حمیم) اور "شرح المجلة" (علامہ محمد خالد اتاسی) اور "درر الحکام شرح مجلة الأحكام" (علامہ علی حیدر) اور تفریعات کی تلاش میں "مبسوط للسر خسی، فتاوى قاضیخان، بدائع الصنائع، البحر الرائق، تبیین الحقائق، الفتاوی الہندیۃ، مجمع الانہر، فتاوى تاتارخانیۃ، رد المحتار علی الدالمحختار" وغیرہ معتبر کتب سے مددی ہے۔ باقی جوبات جس کتاب سے لی گئی ہے اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے، الحمد للہ ہر بات باحوالہ ہے، کتاب، باب، جلد، صفحہ، رقم الحدیث کے ساتھ مکمل حوالہ لکھا ہے تاکہ مراجعت کرنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری اس تصنیفی کاوش میں میرے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت کی ہو اللہ تعالیٰ ان کو بہتر بدلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ آمین بارگاہِ خداوندی میں دعاء ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مختصر تالیف کو قبول فرمائ کرنجات کا ذریعہ بنائے اور اصول فقہ پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے اس کو مفید اور نافع بنائے۔

محمد نعمان احمد

فضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کوئٹہ کراچی

۰۳۳۲۲۵۵۷۶۵۴ ۱۳۳۳ سر زیع الاول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## قواعد فقهیہ کا تاریخی پس منظر

قاعدہ ”قاعد“ کا مونث ہے، ”قاعدۃ التمثال“ وہ بلند چبوترہ جس پر پھر نصب کیا جائے، صلہ کے بدل جانے سے معنی میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

### قاعدے کا لغوی معنی

وَهِيَ لُغَةُ الْأَسَاسِ۔<sup>(۲)</sup> (یعنی بنیاد)

قرآن کریم میں بھی لفظ قاعدہ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَاهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ۔<sup>(۳)</sup>

ان سے پہلے بہت سے لوگ مکاریاں کر چکے ہیں، تو اللہ نے ان کے مکر کی بنیاد جڑ سے اکھاڑ پھینکی۔

### قاعدے کا اصطلاحی معنی

وَإِصْطِلَاحًا حُكْمٌ كُلِّيًّا يَنْتَطِقُ عَلَى جَمِيعِ جُزُئَيْهِ لِتَعَرَّفَ  
أَحْكَامُهَا مِنْهُ۔<sup>(۴)</sup>

قاعدہ اصطلاح میں ایسی اصل کلی کو کہا جاتا ہے جو اپنی ساری جزئیات پر منطبق ہو، تاکہ اس قاعدے کے ذریعہ اس کی جزئیات کا علم ہو سکے۔

(۱) مصبات اللغات: ج ۲ ۶۹۳ (۲) غمز عيون البصائر: الفن الأول في القواعد الكلية، ج ۱ ص ۵۱

(۳) التحل: ۲۶ (۴) غمز عيون البصائر: الفن الأول في القواعد الكلية، ج ۱ ص ۵۱

قواعد سے ایک قریبی لفظ ”ضابط“ ہے، ”ضابط“ اس فاعل کا صیغہ ہے، اس کی جمع ”ضبطة“ اور ”ضباط“ آتی ہے، لفت میں اس کا معنی ٹھوس حافظہ والا بتایا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کی تعریف تھوڑے فرق کے ساتھ قاعدة کی سی ہے، چنانچہ علامہ حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) اس فرق کو یوں بیان کرتے ہیں:

الضَّابِطُ مَا يَجْمَعُ فُرُوعًا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ بِخَلَافِ الْقَاعِدَةِ وَهِيَ مَا يَجْمِعُهَا مِنْ أَبْوَابٍ شَتَّى۔<sup>(۱)</sup>

ضابط ایک ہی باب کی فروعات کو جامع ہوتا ہے جبکہ قاعدة مختلف ابواب کی فروعات کو جامع ہوتا ہے۔

قاعدة سے دوسرا قریبی لفظ ”اصول“ ہے، اہل فن نے ان دونوں میں بھی فرق کیا ہے، اصول کا تعلق الفاظ کی دلالت، نصوص کے ذریعہ ثبوت اور احکام کے طریق استنباط سے ہوتا ہے، اور ”قواعد“ شریعت کے مزاج کو ظاہر کرتے ہیں اور شریعت ان کی رعایت کی متقاضی ہوتی ہے (قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، دیکھئے: الفروق : ۱/۸، ۹) اصول کی حیثیت کلیات کی ہوتی ہے اور قواعد ”اکثریہ“ ہوتے ہیں۔

ہر فن کی اپنی ایک تاریخ ہوتی ہے جس سے وہ فن جانا پہچانا جاتا ہے اور اس تاریخی پس منظر ہی سے اس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ فقہی قواعد جسے فقہ اسلامی میں خاص اہمیت حاصل ہے کی بھی اپنی تاریخ ہے، ذیل میں ہم قواعد فقہیہ کا تاریخی پس منظر اور اس کی تدوین و ترتیب پر بحث کریں گے کہ اس فن کا وجود کب ہوا؟ اس کی تدوین و ترتیب کیوں ہوئی؟ اور کن لوگوں نے اس میں حصہ لیا؟ بنیادی طور پر قواعد فقہیہ کی تدوین اور ارتقاء کی تاریخ کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) غمز عيون البصائر: مقدمة الكتاب، ج ۱ ص ۲۱

## پہلا دور

**قواعد فقہیہ کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے**

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسے شریعتِ اسلامی کے مصادر میں دوسرا ہم مقام حاصل ہے اس میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ گفتہ قواعد دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرتب نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی اسے کسی فن کی حیثیت حاصل تھی لیکن اسی زمانہ میں ان قواعد کی بنیاد رکھی گئی، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہمارے سامنے جو قواعد ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو بعینہ انہیں الفاظ کے ساتھ احادیث میں بھی مذکور ہیں اور اکثر وہ ہیں جن کی اصل احادیث میں موجود ہے، چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد رقاء (متوفی ۷۳۵ھ) لکھتے ہیں:

هذا ولا يُعرف لـكـل قـاعـدة صـائـغ مـعـيـن مـن الـفـقـهـاء إـلـا مـا كـان مـنـهـا

حدیث نبوی کقاعدۃ: لا ضرر ولا ضرار۔<sup>(۱)</sup>

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر قاعدہ کی فقہاء کے یہاں متعین اصل نہیں ملتی سوائے اس کے کہ وہ قاعدہ بعینہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو، جیسے ”لا ضرر ولا ضرار“ وغیرہ کا قاعدہ ہے۔ ”لا ضرر ولا ضرار“ کے علاوہ بھی متعدد گفتہ قاعدے اور ضابطے ہیں جو حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہیں، چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

ا..... العجماء جر حها جبار۔<sup>(۲)</sup>

اس حدیث میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ جانوروں کی جنایات قابل معافی ہیں۔

(۱) شرح القواعد الفقہیہ: مقدمة، ص ۲۶

(۲) سنن الترمذی: أبواب الزکاة، باب ماجاء أن العجماء جر حها جبار، ج ۲ ص ۲۵، رقم الحدیث: ۶۲۲

اگر جانور کسی آدمی کا کچھ نقصان کر دے تو اس سے جانور کے مالک پر ضمان واجب نہ ہوگا (مسئلہ کی تفصیل کے لیے فقہ کی کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث ایک قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے تحت بہت سی جزئیات آتی ہیں، البتہ چوں کہ اس کے تحت ایک ہی باب کی جزئیات آئیں گی اس لیے فنی اعتبار سے اس حدیث کو ”قاعدہ“ کی بجائے ”ضابطہ“ کہا جائے گا۔

### ۲..... الخَرَاجَ بِالضَّمَانِ۔<sup>(۱)</sup>

اس حدیث کی تفسیر میں امام ترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

**هُوَ الرَّجُلُ يَشْتَرِي الْعَبْدَ فَيُسْتَغْلِهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا فَيَرْدُدُ عَلَى الْبَايِعِ  
فَالْفَلْغَةُ لِلْمُشْتَرِيِّ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَوْ هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِيِّ۔<sup>(۲)</sup>**

وہ آدمی جو غلام خریدتا ہے اور اس سے کمائی کرتا ہے، پھر غلام میں عیب پاتا ہے اور غلام کو فروخت کرنے والے کو واپس کر دیتا ہے تو غلام (غلام کی کمائی) خریدار کی ہوگی اس لیے کہ غلام اگر ہلاک ہوتا تو وہ خریدار ہی کے مال سے ہلاک ہوتا۔

چونکہ ”الخَرَاجَ بِالضَّمَانِ“ سے متعلق فقہ کے اکثر ابواب میں جزئیات مل جاتی ہیں اس لیے اسے قاعدہ کہا جائے گا، فقهاء اس حدیث کو قواعد فقہیہ کی فہرست میں انہیں الفاظ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

### ۳..... لَا قَطْعَ فِي شَمَرٍ وَ لَا كَثَرٍ۔<sup>(۳)</sup>

یعنی پھل اور خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

یہ حدیث ضابطہ ہے اس سے متعلق جزئیات حد سرقہ میں ملیں گی۔

(۱) سنن الترمذی: أبواب البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ..... الخ، ج ۳ ص ۵۷۳، رقم الحديث: ۱۲۸۵

(۲) سنن الترمذی: أبواب البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ..... الخ، ج ۳ ص ۵۷۳، رقم الحديث: ۱۲۸۵

(۳) سنن الترمذی: أبواب الحدود، باب ما جاء لاقتصر في شمر ولا كثر، ج ۳ ص ۵۲، رقم الحديث: ۱۲۳۹

۳ ..... لَا يُجَلِّدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ۔<sup>(۱)</sup>

الله کی حدود کے علاوہ کسی حد میں دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارے جائیں گے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وَأَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي التَّعْزِيرِ هَذَا الْحَدِيثُ۔

اس حدیث کا مشہوم یہ ہے کہ تعزیر کے اندر امام کو صرف دس کوڑے تک مارنے کا حق ہے اس سے زیادہ نہیں، گویا یہ تعزیر کے باب میں ایک ضابطہ ہے۔

۵ ..... حَسْنَةٌ عَلَى الْمُدَعِيِّ وَ الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَعَى عَلَيْهِ۔<sup>(۲)</sup>

مدعی پر گواہان پیش کرنے کی ذمہ داری ہے اور مدعی علیہ پر قسم کھانے کی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے، کیونکہ محمد بن عبد اللہ عزیزی کو حافظہ کی وجہ سے ضعیف کہا جاتا ہے، البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک دوسری حدیث جو اسی مشہوم کی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے جسے انہوں نے "حسن صحیح" کہا ہے، حدیث یہ ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَعَى عَلَيْهِ۔<sup>(۳)</sup>

مطلوب یہ ہے کہ جو آدمی اپنے لیے کسی دوسرے پر اپنے کسی حق کا دعویٰ کر رہا ہو اسے ثبوت پیش کرنا ہوگا، بغیر ثبوت کے اس کا کوئی بھی حق ثابت نہیں ہوگا، اور دوسرا آدمی جو اپنے اوپر غیر کے کسی حق کے ثابت ہونے کا انکار کر رہا ہے ثبوت کے نہ ہونے کی صورت میں اسے قسم کھانی ہوگی، اگر اس نے قسم نہیں کھائی تو اسے مدعی کے دعویٰ کو تسلیم کرنا ہوگا، اسی

(۱) سنن الترمذی: أبواب الحدود، باب ماجاء في التعزير، ج ۲ ص ۶۳، رقم الحديث: ۱۳۶۲

(۲) سنن الترمذی: أبواب الأحكام، بباب ماجاء في أن البينة على المدعى، ج ۲ ص ۲۱۷، رقم الحديث: ۱۳۳۱

(۳) سنن الترمذی: أبواب الأحكام، بباب ماجاء في أن البينة على المدعى، ج ۲ ص ۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۳۱

کوفیہاء ”بَيِّنَةٌ عَلَى الْمُدَعِّيِّ وَالْمَمْدُونُ عَلَى الْمُدَعَّعِ عَلَيْهِ“ سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ ان کے یہاں قضاۓ کے باب میں ایک دستوری حیثیت رکھتا ہے۔

### قواعد فقہیہ کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال سے

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اپنی اجتہادی قوت، اصابت رائے اور فطرتی ذہانت کی وجہ سے ممتاز حیثیت کے حامل مانے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء ان کے اقوال کو جو نص صریح سے متعارض نہ ہوں خاصی اہمیت دیتے ہیں بلکہ ”محمد رواں قلعہ جی“ کے بقول جحت اور دلیل مانتے ہیں:

فاني أوردت اجتهادات عمر دون الاستدلال عليها من الحديث الشريف أو النظر لافي اعتبر كما يعتبر الفقهاء رأى عمر رضي الله عنه دليلاً عند مالا يعارض الحديث من أحاديث مصطفى عليه السلام والدليل لا يحتاج إلى دليل۔<sup>(۱)</sup>

میں نے اس کتاب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کو پیش کیا ہے نہ کہ حدیث اور قیاس سے اس پر استدلال کو، کیونکہ میں مانتا ہوں جیسا کہ فقہاء مانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اگر حدیث سے معارض نہ ہو تو اسے دلیل سمجھا جائے گا اور دلیل کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں جن کی حیثیت قاعدہ اور ضابطہ کی ہے، چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱.....مَنِ اسْتَعْمَلَ فَاجْرًا وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ فَاجِرٌ فَهُوَ مِثْلُهِ۔<sup>(۲)</sup>

جس نے کسی فاجر کو اس کا فرق و فجور جانے کے باوجود عامل بنایا تو وہ بھی فاجر ہے۔

اس کا تعلق امارت سے ہے اور ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) مقدمة موسوعة فقه عمر بن الخطاب: ص ۱۱

(۲) کنز العمال فی سنن الأقوال والأعمال: کتاب الخلابة مع الامارة، الباب الثاني، ج ۵ ص ۷۶، رقم الحديث: ۱۳۳۰۶

۲..... الْمُسْلِمُونَ عُدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔<sup>(۱)</sup>

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں معتبر ہے۔

اس کا مفہوم موافق یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف گواہی دے، یادوسرے مسلمان کے حق میں گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی، لیکن اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافر مسلمان کے خلاف گواہی دے تو اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی، یہ قانون شہادت میں ایک ضابطہ ہے۔

۳..... فَدُعُوا الرِّبَا وَالرِّيَبَةَ۔<sup>(۲)</sup>

سودا اور جس میں سود کا شبہ ہوا سے چھوڑ دو۔

۴..... الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَعِّيِّ وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔<sup>(۳)</sup>

گواہ پیش کرنا مدعی پر ہوگا اور قسم انکار کرنے والے پر۔

قواعد کی کتابوں میں اس قاعدہ کو یعنیہ انہیں الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور جیسا کہ ذکر ہوا کہ یہ فقرہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مأخذ ہے۔

### قواعد فقہیہ کا ثبوت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے اقوال سے

جیسا کہ گزر اک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقہیہ قواعد کا ثبوت ملتا ہے، تابعین کے اقوال پر نظر ڈالنے سے وہاں بھی کچھ قواعد مل جاتے ہیں لیکن حالات، نیز نئے مسائل کے پیدا ہونے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے بعد انہے متبعین کے زمانہ میں فقہیہ قواعد میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۲ھ) کا نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے خلیفہ

(۱) السنن الکبری للبیهقی: کتاب الشہادات، باب من جرب بشہادة زور لم تقبل شہادته، ج ۱۰ ص ۳۳۳، رقم الحدیث: ۲۰۸۱۰

(۲) مسند احمد: مسند عمر بن الخطاب، ج ۱ ص ۳۶۱، رقم الحدیث: ۲۳۶

(۳) السنن الکبری للبیهقی: کتاب الشہادات، باب لا يحيل حکم القاضی علی المقصی له، ج ۱۰ ص ۲۵۲، رقم الحدیث: ۲۰۵۳۷

ہارون الرشید کے لیے جو ”کتاب الخراج“، لکھی تھی، اس میں متعدد ایسی عبارتیں موجود ہیں جو ان قواعد سے کافی مشابہ ہیں جنہیں بعد میں فقہاء نے قانونی کلیات کی شکل دی ہے، یہاں ہم خود ”کتاب الخراج“ سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے امیر اور دوسرے اہل ذوق کے لیے مشابہ احکام کے مجموعہ کو قواعد کا قالب پہنایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

۱..... لا ينبغي لأحد أن يحدث شيئاً في طريق المسلمين  
 مما يضرهم۔<sup>(۱)</sup>

کسی کے لیے مسلمانوں کے راستہ میں ان تصرفات کا حق نہیں ہے جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے۔

یہ قاعدة بالکل اسی طرح کا ہے جو فقہاء کے یہاں ”لَا ضَرَرَ وَلَا ضَرَارَ“ سے مشہور ہے، اسی مضمون کی مزید تاکید اس طرح کرتے ہیں:

۲..... لا يجوز للامام أن يقطع شيئاً من طريق المسلمين مما فيه  
الضرر عليهم ولا يسعه ذلك۔<sup>(۲)</sup>

اس جملے میں درحقیقت حکومت اور سلطنت چلانے والوں کے لیے ایک روشنی ہے، جن سے وہ دیکھا اور سمجھ سکتے ہیں کہ رعیت اور عوام کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہو اور رعیت پر اسے کیا اور کس طرح کے حقوق حاصل ہیں؟ دراصل اس میں وہی بات کہی گئی ہے جس کو بعد کے فقہاء نے مزید وسعت کے ساتھ ”التصرف على الرعية منوط بالمصلحة“ سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ خلیفہ ہارون الرشید کے اس سوال پر کہ اگر کچھ لوگوں کی نہر ہو اور اس کی منڈیر صحیح نہ ہو جس کی وجہ سے راستے خراب ہو گئے ہوں اور لوگوں

(۱) كتاب الخراج: باب في الزيادة والنقصان، فصل في الجزائر في دجلة والفرات، ص ۱۰۶

(۲) كتاب الخراج: باب في الزيادة والنقصان، فصل في الجزائر في دجلة والفرات، ص ۱۰۶

کو تکلیف ہو رہی ہو تو امام کیا کرے گا؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ ان کان هدا النهر قدیماً فانه یترك على حاله۔<sup>(۱)</sup>

اگر نہ پرپانی ہو تو پھر اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔

اس عبارت سے فقہاء کے قاعدة ”القدیم یترك على قدمه“ کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ ولا یؤخذ شَيْءٌ مِنْ أموالهم الا بحق يجب عليهم۔<sup>(۲)</sup>

مسلمانوں کے مال سے کچھ بھی نہیں لیا جائے گا، سوائے اس کے کہ ان سے

کوئی حق متعلق ہو۔

یہ بھی فقہاء کے مشہور قاعدة ”التصرف على الرعية منوط بالمصلحة“ سے مشابہ ہے، یہ اور ان کے علاوہ ”كتاب الخراج“ میں اور بھی مثالیں ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہی قواعد کی تدوین و ترتیب گواں زمانہ میں نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی لوگ اسے ایک فن کی حیثیت سے جانتے تھے، لیکن ان کے ذہن میں یہ بات ضرور موجود تھی کہ باہم مشابہ جزئیات کے لیے ایسا کلیہ ہونا چاہیے جس پر اس سے متعلق جزئیات کا انطباق ہو سکے۔

(۱) كتاب الخراج: باب في الزيادة والنقصان، فصل في القني والآبار والأنهار، ص ۱۰۷

(۲) كتاب الخراج: باب في الزيادة والنقصان، فصل فيمن يجب عليه الجزية، ص ۱۳۸

## دوسرا دور

قواعد فقہ کا دوسرا دور ائمہ مجتهدین کی فقہ کے استحکام کے بعد شروع ہوتا ہے، فقہ حنفی کو علوم الفقہ میں سبقت اور اولیت اور اپنی وسعت و قوت کے اعتبار سے خاص امتیاز حاصل ہے، چنانچہ فقہ کے دیگر فنون کی طرح فنِ قواعد میں بھی فقہائے احناف شرفِ تقدم سے سرفراز ہیں، اس سلسلہ میں قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کے وہ منضبط قواعد گزر چکے ہیں جو مختلف تالیفات اور خصوصیت سے ”کتاب الخراج“ میں مذکور ہیں، اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کی تحریروں میں متعدد مواقع پر ایسے اصول اور کلیات ملتے ہیں، یہاں تک کہ چوتھی صدی آجاتی ہے اور ”علامہ ابو طاہر دباس“ (یہ امام ابو الحسن کرخی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۰ھ) کے ہم عصر تھے: طبقات الفقهاء ص: ۱۲۱) کے ہاتھوں اس فن کی تدوین باضافہ درکھی جاتی ہے۔

### علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۹۶۱ھ) اور علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) وغیرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اس فن کی تدوین کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، واقعہ یوں ہے کہ علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھ کر سترہ ایسے قواعد مرتب کئے جن پر فقہ حنفی کی تمام جزئیات منطبق ہو جاتی تھیں۔ یہ بات علامہ ابو سعید ہروی شافعی رحمہ اللہ کو معلوم ہوئی، چنانچہ انہوں نے ان قواعد کے حصول کے لیے علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کے یہاں سفر کیا، علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کا حال یہ تھا کہ وہ ناپینا تھے اور انہوں نے یہ معمول بنارکھا تھا کہ ہر رات مسجد میں لوگوں کے نکل جانے کے بعد ان قواعد کو دہراتے، علامہ ابو سعید ہروی رحمہ اللہ آنے کے بعد مسجد میں چھپ گئے۔

اوہر چوں کہ لوگ نکل گئے تھے اس لیے علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ نے اپنے قواعد کو دہرانا شروع کر دیا، اس درمیان اچانک ایسا ہوا کہ علامہ ابو سعید ہروی رحمہ اللہ کو کھانی لگ گئی جس سے علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ مسجد میں کوئی چھپ کر میرے قواعد سن رہا ہے، چنانچہ جب علامہ ابو سعید رحمہ اللہ وہاں سے اپنے رفقاء میں لوٹے تو انہیں علامہ ابو طاہر رحمہ اللہ کے قواعد کے متعلق بتایا:

وحكى أن الإمام أبا طاهر الدباس جمع قواعد أبي حنفية سبع عشرة قاعدة ورده إليها - قوله حكاية مع أبي سعيد الهرمي الشافعى رحمه الله ، فانه لما بلغه ذلك سافر إليه وكان أبو طاهر ضريراً ، يكرر كل ليلة تلك القواعد بمسجدة بعد أن يخرج منه ، فالتفت الهرمي بحصیر وخرج الناس وأغلق أبو طاهر باب المسجد وسرد منها سبعة فحصلت لهرمي سعة فأحس به أبو طاهر فضربه وأخرجه من المسجد ، ثم لم يكررها فيه بعد ذلك ، فرجع الهرمي إلى أصحابه وتلاها عليهم -<sup>(۱)</sup>

اس واقعہ کی صحت پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسا ایک عالم سے مشکل ہے کہ وہ لوگوں کو علم سے اور اس کے حاصل کرنے سے روکے اور اگر کوئی نہ مانے تو اسے زد کو بکرے، پھر یہ کہ جب علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ نے لوگوں کو یہ قواعد نہیں سنائے تو یہ مشہور کیوں کر ہوئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں ہے۔ لیکن یہ اعتراض کچھ بہت قوی نہیں، کیونکہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی تحقیق اور اس کی ایجاد دوسروں سے منسوب نہ ہو، ممکن ہے کہ علامہ ابو طاہر دباس رحمہ اللہ نے ان قواعد

(۱) الأشباه والنظائر لابن نجيم: مقدمة، ص ۲۰ / الأشباه والنظائر للسيوطى: الكتاب الأول في

شرح القواعد الخمس، ص ۷

کو منظر عام پر لانے کا ارادہ اسی لیئے نہیں کیا ہو کہ اس بات کا امکان تھا کہ دوسرے لوگ اس کو اپنی جانب منسوب کر لیں، علمی اور قلمی سرقة کی بعض مثالیں علم و فن کی تاریخ میں موجود ہیں، ماضی میں اس طرح کا عمل نسبتاً زیادہ ہوا کرتا تھا کیونکہ اس وقت پر لیں کے ذریعہ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ موجود نہ تھا۔

نیز اس پر ”کتمانِ علم“ کا اطلاق بھی شاید نہ ہو سکے، کیونکہ ”کتمانِ علم“ میں اس طرح کے علوم کفایہ کا بھی شامل ہونا محل نظر ہے، بہر حال اتنا تو مانا ہو گا کہ واقعہ گواپنی پوری تفصیل کے ساتھ صحیح نہ ہو، لیکن بالکل بے اصل بھی نہیں، چنانچہ شیخ مصطفیٰ احمد زرقاء رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۷ھ) کے بقول:

والنقل بصورة مستبعدة لا تصح تفاصيلها ولكن الظاهر أن لها

أصلًا ثانياً۔<sup>(۱)</sup>

اس واقعہ کی روایت بعینہ صحیح نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس کی تفصیل درست معلوم ہوتی ہے، ہاں اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ پس موئین کا اتفاق ہے کہ اس فن میں علامہ ابو طاہر دباس حنفی رحمہ اللہ کو اولیت حاصل ہے۔ انہوں نے جو سترہ قواعد وضع کیے ہیں ان میں سے پانچ وہ قواعد بھی ہیں جنہیں اساسی قواعد کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱.....الأمور بمقاصدها (امور کے احکام ارادوں پر مرتب ہوں گے)

۲.....الضرر يزال (ضرر کو زائل کیا جائے)

۳.....العادة محكمة (عرف و عادات کو حکم بنایا جائے گا)

۴.....اليقين لا يزول بالشك (یقین شک سے زائل نہیں ہو گا)

۵.....المشقة تجلب التيسير (مشقت سہولت کو لاتی ہے)<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح القواعد الفقهية: مقدمة، ص ۳۸

(۲) غمز عيون البصائر: مقدمة الكتاب، ج ۱ ص ۲۷

## شافع میں قواعد کے مؤسس

شافع میں کس کو اس فن میں سبقت حاصل ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ زکریٰ رحمۃ اللہ (متوفی ۷۹۳ھ) لکھتے ہیں:

ومن له باع فبالقواعد وارجاع فروع الفقه إليها من فقهاء الشافعية

القاضي حسين أبو على الحسين بن أحمد المرزوقي المتوفي

سنة ۳۶۲ في شهر الله المحرم فانه ردفعه الشافعية إلى أربع قواعد،

وهي: اليقين لا يزول بالشك، المشقة تجلب التيسير، الضرر

يزال، العادة محكمة۔<sup>(۱)</sup>

فقہائے شافع میں سے جن لوگوں کو قواعد فقه میں یاد طولی اور جزئیات کو قواعد پر منطبق کرنے میں اہمیت حاصل ہے، ان میں قاضی حسین (متوفی ماہ محرم الحرام سنہ ۳۶۲ھ) ہیں جنہوں نے فقہ شافعی کو چار قاعدوں میں مختصر کر دیا تھا اور وہ یہ ہیں:

”اليقين لا يزول بالشك، المشقة تجلب التيسير، الضرر يزال،

العادة محكمة۔“

علامہ قاضی حسین رحمۃ اللہ کے ان چاروں قواعد کے الفاظ وہی ہیں جو علامہ ابو طاہر دباس رحمۃ اللہ کے ہیں، اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ قاضی حسین رحمۃ اللہ نے یہ قواعد علامہ ابو طاہر دباس رحمۃ اللہ ہی سے لیے ہیں، البتہ فقہ شافعی پر ان کی تطبیق یہ ان کا کارنامہ ہے۔

## اصول الکرخی

تاہم ابھی بھی اس فن کی آبیاری میں حفیہ ہی پیش پیش رہے، چنانچہ علامہ ابو طاہر دباس رحمۃ اللہ کے بعد علامہ ابو الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی رحمۃ اللہ (متوفی ۴۲۰ھ) نے

(۱) المنشور في القواعد: مقدمة، ص ۵۲

قواعد فقہیہ پر ایک مختصر مگر عمده رسالہ لکھا جو اصولِ کرخی کے نام سے مشہور ہوا، اس میں امام کرخی رحمہ اللہ نے اہتمیں (۳۸) قواعد تحریر فرمائے ہیں۔

امام کرخی کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ہر قاعدہ کو ”الأصل“ سے تعبیر کرتے ہیں اور صرف قواعد ذکر کرنے پر اكتفا کرتے ہیں، بعد میں امام نفی رحمہ اللہ (متوفی ۷۵۲ھ) نے امام کرخی رحمہ اللہ کے قواعد پر تخریج کی ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱.....الأصل أن السوال يجري على حسب متعارف كل قوم في

مکانهم۔<sup>(۱)</sup>

اصل یہ ہے کہ سوال ہر قوم کی جگہوں کے عرف کے مطابق جاری ہوگا۔

امام نفی رحمہ اللہ نے اس کی مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں غذا کا استعمال نہیں کروں گا پھر اگر اس نے دودھ پیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ عربی ہے یا عجمی؟ اگر عربی ہوگا تو حانت ہو جائے گا، کیونکہ عرب دودھ کو غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اگر قسم کھانے والا عجمی ہو تو حانت نہیں ہوگا کیونکہ عجمی دودھ کو بطورِ غذا کے استعمال نہیں کرتے۔

۲.....الأصل أن الاحتياط في حقوق الله تعالى جائز وفي حقوق

العباد لا يجوز۔<sup>(۲)</sup>

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں احتیاط جائز ہے اور بندوں کے حقوق میں احتیاط جائز نہیں۔

اس قاعدہ پر جن مسائل کی تخریج کی جاتی ہے، ان میں سے یہ ہے کہ نماز میں اگر صحت اور فساد کی دونوں جہتیں برابر ہوں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کا اعادہ کر لیا جائے، کیونکہ ادا کی ہوئی نماز کو پھر ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ اپنے اوپر نماز واجب ہو جو صحیح طور پر ادا نہ ہو، لیکن ضمان میں وجوب اور عدمِ وجوب کی دونوں جہتیں ہوں تو ضمان احتیاطاً واجب نہ ہوگا کیونکہ ضمان شک سے واجب نہیں ہوتا۔

(۱) أصول الکرخی: ص ۲ الناشر: مکتبہ جید بلوی (۲) أصول الکرخی: ص ۵

۳۔۔۔ الأصل أنه إذا مضى بالاجتهاد لا يفسخ باجتهاد مثله ويفسخ

بالنصل۔<sup>(۱)</sup>

اصل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اجتہاد ہو جائے تو اس اجتہاد کو اسی جیسا اجتہاد فتح نہیں کر سکتا لیکن نص اسے فتح کر دے گا۔

اس کی مثالیں دعویٰ، قضاء اور تحریک کے ابواب میں لیں گی۔ اصول الکرخی میں بعض ایسے بھی اصول آگئے ہیں جن کو ایک نظر یہ تو کہا جا سکتا ہے لیکن قاعدہ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ قاعدہ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ اس پر صادق نہیں آتی یعنی وہ اصل مشابہ احکام کا مجموعہ نہیں ہوتا جن کو اصل بناء کر جزئیات کی تحریج کی جائے بلکہ وہ اصول کے درجہ کی چیز ہے۔

### تأسیس النظر

امام کرخی رحمہ اللہ کے بعد پانچویں صدی میں علامہ ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسیٰ دبوی حنفی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۰ھ) نے ”تأسیس النظر“، لکھی جس میں ستتر (۷۷) قواعد ذکر کئے گئے ہیں ان قواعد کا اسلوب امام کرخی جیسا ہی ہے، یہ بھی قاعدہ کو ”الأصل“ ہی سے تعبیر کرتے ہیں تعبیر بھی امام کرخی رحمہ اللہ جیسی ہے، علامہ ابو زید دبوی رحمہ اللہ نے ہر قاعدہ کے تحت کچھ جزئیات بھی ذکر کر دی ہیں، اس کتاب کو انہوں نے کئی ابواب میں تقسیم کیا ہے، جس میں امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان، شیخین رحمہما اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے درمیان، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر رحمہ اللہ کے درمیان، نیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابن ابی لیلی رحمہ اللہ کے درمیان اختلاف پر مبنی اساسی قواعد کا ذکر ہے، چوں کہ یہ کتاب قواعد فقہیہ کی تدوین کے دوسرے دور کی باضابطہ تصنیف ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ”تأسیس النظر“ سے بھی کچھ مثالیں پیش کرتے چلیں:

(۱) اصول الکرخی: ص ۸

١.....الأصل عند أبي حنيفة أن المحرم إذا أخر النسك من الوقت

الموقت له أو قدمه لزم دم<sup>(۱)</sup>.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محرم جب وقت مقرر سے کسی عمل کو مُؤخر یا مقدم کرے تو اسے دم دینا ہوگا۔

مثلاً جس نے طوافِ زیارت کو ایامِ نحر کے گزرنے تک مُؤخر کیا تو اسے دم دینا ہوگا کیونکہ محرم نے ایک کام کو اس وقت نہیں کیا جبکہ اسے کرنا چاہیے تھا۔

٢.....الأصل عند أصحابنا أن مالا يتجزأ فوجود بعضه كوجود كله

وعند زفر لا يكون وجود بعضه كوجود كله۔<sup>(۲)</sup>

ہمارے اصحاب رحمہ اللہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ غیر قابل تقسیم چیزوں میں سے بعض کا وجود اس کے کل کے وجود کی طرح ہے، لیکن امام زفر رحمہ اللہ کے یہاں بعض کا وجود کل کا وجود نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے اوپر ایک رکعت کو لازم کر لیا تو اس دور کعت ادا کرنی ہوگی، امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک کچھ واجب نہیں ہوگا، ائمۃ ثلاثہ رحمہم اللہ اس لیے واجب کہتے ہیں کہ دور کعت قابل تقسیم نہیں ہے، اس لیے جب اس نے ایک رکعت کو اپنے اوپر واجب کر لیا تو بعض کا وجود ہو گیا اور ناقابل تقسیم کے بعض کا وجود کل کے وجود کی طرح ہے، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے اپنے اوپر ایک ہی رکعت کو واجب کیا ہے جو کہ نماز ہی نہیں ہے بلکہ نماز کا ایک غیر منقسم جزو ہے، اور غیر منقسم چیز کے ایک جزو کا وجود کل کے وجود کے لیے لازم نہیں ہے۔

٣.....الأصل عند ابن أبي لیلی رحمہ اللہ أنه يعتبر حقوق الله

تعالی بحقوق العباد۔<sup>(۳)</sup>

(۱) تاسیس النظر: ص ۶ الناشر: محمد سعید ایڈنائز (۲) تاسیس النظر: ص ۲۲

(۳) تاسیس النظر: ص ۲۸

ابن ابی لیلی رحمہ اللہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ وہ حقوق اللہ کو حقوق العباد پر قیاس کرتے ہیں۔

مثال یہ ہے کہ ابن ابی لیلی رحمہ اللہ کے نزدیک حدود کی وصولی میں وکیل بنانا جائز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بندوں کے حقوق میں وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ قرض وغیرہ کی وصولی میں ہوتا ہے ہمارے یہاں جائز نہیں، کیونکہ ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

### ساتویں صدی کا کام

پھر چوتھی صدی کے بعد ساتویں صدی میں اس سلسلہ کا ۱۱ ہم کام ملتا ہے، اس دور میں علامہ محمد بن ابراہیم کی کتاب ”القواعد فی فروع الشافعیۃ“ محمد بن عبد اللہ بن راشد الکبری کی کتاب ”المذهب فی ضبط قواعد المذهب“ منظر عام پر آئی۔

اسی صدی میں لکھی جانے والی مایہ ناز کتاب علامہ قرآنی مالکی رحمہ اللہ (متوفی ۵۸۲ھ) کی ”أنوار البروق فی أنواع الفروق“ ہے، جسے قواعد فقہیہ میں نمایاں مقام حاصل ہے، علامہ قرآنی رحمہ اللہ نے ان کتاب میں ”۵۸۸“ قواعد ذکر کئے ہیں، ساتھ ہی فروعات کے ذکر کا بھی اہتمام کیا ہے تاکہ قاعدة کے بحث میں مدد ملے، علامہ قرآنی رحمہ اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ دو یادو سے زیادہ قاعدوں کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں پھر دونوں کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہیں، مثلاً کہیں خیار مجلس اور خیار شرط (الفروق: ار ۳) کہیں قرض اور بیع کے قاعدہ کو ایک ساتھ بیان کرتے ہیں (الفروق: ۲، ۳) اور دونوں کو دلائل سے مبرہن کرتے ہیں نیزان کے باہمی فرق کو اجاگر کرتے ہیں۔

تاہم یہ قواعد جن پر ہم بحث کر رہے ہیں کہیں ایک باب میں مذکور نہیں ہیں بلکہ وہ متفرق ابواب میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد سو سے متباہز نہیں۔

### آٹھویں صدی کا کام

آٹھویں صدی میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اس صدی میں فقہائے شوافع کی خدمات

نمایاں نظر آتی ہیں، اس صدی میں علامہ مقری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۷۲ھ) کی کتاب ”کتاب القواعد“ علامہ تاج الدین سکنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۷۷ھ) کی کتاب ”الأشباء والنظائر“ علامہ بدر الدین زرکشی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹۳ھ) کی ”المنشور في القواعد الفقهية“ اور علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹۵ھ) کی ”القواعد في الفقه الاسلامي“ ”قواعد کی دنیا میں منظر عام پر آئیں۔

### الأشباء والنظائر

اس کے بعد بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں لیکن جو شہرت اور مقبولیت علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹۰ھ) کی ”الأشباء والنظائر“ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی، اس میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۱۱ھ) کی ”الأشباء والنظائر“ سے کافی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

اس کتاب کو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے کئی فنون میں تقسیم کیا ہے، پہلا فن ان پانچ قاعدوں پر مشتمل ہے جنہیں اساسی کہا جاتا ہے، نیز اسی فن میں دوسری نوع کے قواعد بھی ہیں جو بے حد اہم ہیں، دوسرا فن فوائد پر مشتمل ہے اس فن میں انہوں نے تمام فقہی ابواب کو ترتیب و ارز کیا ہے اور اس کی اہم بحثیں جمع کی ہیں، پھر اس کے بعد مختلف عنوان سے ”۱۸“، ”فوائد لکھے ہیں، تیسرا فن فروق پر مشتمل ہے جس میں نشواء احکام میں فرق پر روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھا فن الغاز سے متعلق ہے، پانچواں فن اشباه و نظائر کا، چھٹا فن حیل کا اور ساتواں فن حکایات کا ہے۔ اس کتاب کی متعدد اہم شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں جن میں علامہ جموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) کی ”غمز عيون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر“ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

## تيسرا دور

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) کی "الأشباء والنظائر" کے بعد اور بھی کئی کتابیں معرض وجود میں آئیں لیکن یہ قواعد و ضوابط خاصے منتشر تھے، اور عام طور پر کتب فقہ سے ان کا ربط بھی نہ تھا، خلافت عثمانیہ ترکی کی زیر نگرانی مرتبہ "محلۃ الأحكام العدلیة" میں نقیبی جزیات سے مربوط کر کے ان قواعد کو یک جا کیا گیا ہے جو قواعد فقہ کے باب میں ایک انقلابی قدم ہے، نیز ایسے اہم قواعد کے نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو جامع اور مانع ہوں۔

## محلۃ الأحكام العدلیة کی تدوین

انیسویں صدی میں دیگر یورپی ممالک کی طرح دولت عثمانیہ نے بھی قانون مدنی کی ضابطہ بندی کا ارادہ کیا، چنانچہ ماہرین قانون کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کی قیادت ناظم مکملہ عدلیہ احمد جودت پاشا کو سونپی گئی، ابتداء میں اس کے سات ارکان تھے جن میں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) جیسے جلیل القدر فقیہ اور مفتی بھی شامل تھے۔

مجلس تدوین کا مقصد یہ تھا کہ فقیہی مسائل اور معاملات کے بارے میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا جائے جس کی تدوین، جدید قانونی ضوابط کی نیج پر ہو، جو اختلافات سے پاک ہو اور جس سے استفادہ نہیں کوئی دقت یا لجھن پیش نہ آئے۔

مجلس تدوین نے اپنی رپورٹ محرم الحرام ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کو صدر اعظم علی پاشا کی خدمت میں پیش کی اس میں محلہ کی ترتیب و تدوین کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی:

"علم فقہ ایک بحر بے کنار ہے، اس کی باریکیاں سمجھنے اور پیچیدگیاں حل کرنے

کے لیے علمی تحریر اور غیر معمولی مہارت کی ضرورت ہے خصوصاً فقہ حنفی کے بارے میں کیونکہ اس میں مختلف درجے کے بہت سے مجتہد پیدا ہوئے جو امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ کے خصوصی شاگرد اور پیر و کار ہونے کے باوجود بعض اجتہادات میں ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں ایسے حالات میں کسی مسئلہ اور حکم کے بارے میں مختلف اقوال میں سے قول فیصل کو تلاش اور اخذ کرنا خاصاً دشوار کام ہے۔“

مجلس نے ایک سال کی محنت کے بعد مقدمہ اور پہلا باب مرتب کر کے حکومت کو پیش کیا، اس میں ایل علم و فضل اور خود ارکان مجلس تدوین کے مشورہ سے بعض ضروری اصلاحات و ترمیم کی گئیں، پھر ارکان مجلس نے آپس میں کام اس طرح تقسیم کر لیا کہ مجلہ کا الگ الگ حصہ ان کے سپرد ہو گیا مگر صدر مجلس تمام ابواب کی تدوین میں شریک رہے، مجلہ کی تایف ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں مکمل ہوئی، اور اس طرح ترکی کے قانون مدنی کی تدوین مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آگئی، یہ مجموعہ سلطان ترکی کے حکم سے ”مجلة الأحكام العدلية“ کے نام سے شائع ہو گیا، مجلہ میں شامل قوانین ۱۹۱۸ء تک دولت عثمانیہ کی عدالتوں میں راجح رہے اور ججاز، شرق اردن، شام، عراق، مصر، اور سودان میں انہیں کے مطابق فیصلے کیے جاتے رہے۔

### مفصلہ میں مجموعہ

مجلة الأحكام العدلية ۱۸۵۱ء دفعات پر مشتمل ہے، اس میں ایک مقدمہ اور ۱۶ باب ہیں، مقدمہ میں ۱۰۰ دفعات ہیں، پہلی دفعہ میں عام فقہ کی تعریف اور اس کی قسمیں بیان کی گئی ہیں اور باقی دفعات میں عام قواعد کلیہ کا بیان ہے۔

مجلہ کے ابواب حسب ذیل ہیں:

- (۱) كتاب البيوع
- (۲) كتاب الاجارات
- (۳) كتاب الکفالہ

- |                            |                        |
|----------------------------|------------------------|
| (۶) کتاب الامانات          | (۵) کتاب الرحمن        |
| (۸) کتاب الغصب والاتفاق    | (۷) کتاب البہبہ        |
| (۱۰) کتاب الشرکات          | (۹) کتاب الجمر والشفعہ |
| (۱۲) کتاب اصلح والابراء    | (۱۱) کتاب الوکالہ      |
| (۱۳) کتاب الدعوار          | (۱۴) کتاب الاقرار      |
| (۱۵) کتاب البینات والتخلیف | (۱۶) کتاب القضاء       |

محلہ کے اکثر احکام و مسائل مذہب حنفی کی ظاہر الرؤایۃ کتابوں سے ماخوذ ہیں، اور جس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے وہاں محلہ میں وہ مسلک اختیار کیا گیا ہے جو زمانے کے تقاضوں اور مصلحت عامہ کے لحاظ سے زیادہ منفعت بخش ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ اور فقہ اسلامی کی دیگر کتابوں کے برخلاف مجلہ میں عبادات اور عنقوبات (تعزیرات) کے مسائل بیان نہیں کیے گئے بلکہ اس میں صرف ان مسائل فقہ کا ذکر ہے جن کا تعلق تمدنی زندگی کے معاملات سے ہے۔

### محلہ کی شخصیں

محلہ احکام عدیہ نے اپنے زمانے کے اس وسیع خلا کو پر کر دیا تھا جو دنیا یے قضاء اور معاملات شرعیہ میں پایا جاتا تھا کیونکہ اس وقت تک جو مسائل شرعیہ فقہ کی مختلف کتابوں میں منتشر تھے، اور ایک ہی مسئلے کے متعلق متعدد اقوال و فتاویٰ پائے جاتے تھے وہ سب واضح اور صریح احکام کی صورت میں اس خوبی سے منضبط ہو گئے کہ قانون و ان حضرات کو ان کے سمجھنے اور پیش نظر معاملات میں ان سے استفادہ کرنے میں کوئی دشواری نہ رہی، اس وقت تک جو علمائے فقہ مختصر متوں اور مستند و کتب فقہ کی شخصیں اور حواشی لکھنے میں مصروف تھے ان سب کی توجہات کا مرکز صرف محلہ کے مسائل کی تفسیر اور ان کے مأخذ و دلائل کی تشریح بن گیا۔ محلہ کی قدیم شخصیں جو ترکی زبان میں لکھی گئیں ان میں عاطف بک، رشید پاشا اور جودت پاشا کی شخصیں شامل ہیں، ان میں سب سے زیادہ پرانی شرح عربی زبان میں

”مرآۃ مجلة الأحكام العدلية“ ہے جو مسعود آفندی، سابق شاہی مفتی کی تصنیف ہے اور آستانہ سے ۱۲۹۹ھ (مطابق ۱۸۸۱ء) میں شائع ہوئی، یہ ترکی متن پر عربی زبان کی شرح ہے جس میں مسائل مجلہ کے مأخذ بیان کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی مختصر طور پر ان مسائل کی تشرع بھی کی گئی ہے۔

شرح مذکور کے بعد سلیم رشتم باز رحمہ اللہ سابق رکن مجلس شوریٰ حکومت عثمانیہ کی شرح شائع ہوئی، ان کی شرح ۱۸۸۸ء میں پہلی دفعہ طبع ہوئی، اور اس کے بعد کئی بار شائع ہوئی یہ ایک ضخیم کتاب ہے اس کی عبارت آسان اور مختصر ہے اور اس میں اصل مأخذوں کے نام بھی درج ہیں، عرب ممالک کے قانون دان طبقے میں اس شرح نے بہت شہرت پائی اور ان کے ہاں بہت مستعمل رہی۔

مجلہ کی شروحات میں ایک شرح ”درالحکام شرح مجلة الأحكام“ ہے جس کے مؤلف علی حیدر ہیں جو عثمانیہ ہائی کورٹ کے پہلے صدر، ملکہ فتاویٰ کے امین، وزیر عدل اور استنبول کے لاءِ کانج میں مجلہ کے پروفیسر تھے، اس شرح کے سولہ حصے ہیں جن میں مجلہ کی طرز پر ابواب کی تقسیم کی گئی ہے، ان میں مجلہ کے تمام احکام کی شرعی دلیلیں مع کتب حوالہ بیان کی گئی ہیں، الغرض یہ ایک مکمل شرح ہے جو مصنف کے تبحر علمی اور وسعت معلومات کی دلیل ہے۔

مجلہ کی تمام شروحوں میں سب سے زیادہ ضخیم اور بہترین شرح جمص کے سابق مفتی علامہ محمد خالد اتاسی رحمہ اللہ کی ہے، جس کی تیکمیل ان کے بیٹے علامہ محمد طاہر اتاسی رحمہ اللہ نے کی ہے، یہ ایک ضخیم اور جامع شرح ہے، جس کے چھ حصے ہیں اس میں فقه کے مستند حوالہ جات مندرج ہیں، ان سب شروحوں کے بعد مجلہ کی ایک اور شرح شائع ہوئی جو سید منیر قاضی، پرنسپل لاءِ کانج بغداد کی تصنیف ہے، اس کے پانچ حصے ہیں اور ابواب کی ترتیب مضامین کے اعتبار سے ہے نہ کہ دفعات کے نمبروں کے لحاظ سے۔

ان کے علاوہ مجلہ کی اور بھی شرحیں ہیں جن میں سے اکثر میں مجلہ کی چند دفعات خصوصاً

ابتداء کی سودفعت کی تشرع کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، طوالِ کلام کے خوف سے یہاں ان کی تفصیل بیان نہیں کی جا رہی۔

### قواعد فقہیہ کے مصادر

- ۱..... أصول الكرخي: مؤلف امام کرخی رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۰ھ)
- ۲..... تاسیس النظر: مؤلف علامہ ابو زید بوسی رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۰ھ)
- ۳..... الأشیاء والنظائر: مؤلف علامہ ابن حکیم رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ)
- ۴..... تنویر البصائر علی الأشیاء والنظائر: مؤلف علامہ شرف الدین عزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۰۵ھ)

یہ علامہ ابن حکیم رحمہ اللہ کی ”الأشیاء والنظائر“ کی شرح ہے، جس میں مؤلف نے علامہ ابن حکیم رحمہ اللہ کے بعض تصانیع کی نشاندہی بھی کی ہے، اور بعض ان مسائل پر بحث کی ہے جو علامہ ابن حکیم رحمہ اللہ سے چھوٹ گئے ہیں۔

۵..... غمزعيون البصائر شرح الأشیاء والنظائر: مؤلف علامہ احمد بن محمد جموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) یہ بھی ابن حکیم رحمہ اللہ کی ”الأشیاء والنظائر“ کی شرح ہے، جو اپنی تحقیق و تدقیق میں انفرادی مقام رکھتی ہے، علامہ جموی رحمہ اللہ نے ”الأشیاء“ کے بعض تصانیفات پر منتبہ کرنے کے ساتھ تشرع طلب عبارت کی تشرع وغیرہ کا بھی خوب اہتمام کیا ہے۔

۶..... خاتمة مجامع الحقائق: مؤلف علامہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ خادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کتاب تواریخ ”مجامع الحقائق“ ہے جو اصول فقہ کی ہے لیکن اخیر میں خاتمه کے عنوان سے ۱۵۵ فقہی قواعد کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔

۷..... مجلة الأحكام العدلية: حکومت عثمانیہ کی زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت نے اس کی ترتیب کا فریضہ انجام دیا۔

۸..... الفوائد البهیة فی القواعد والفوائد الفقهیة: مؤلف محمد بن نسیب

بن حسین الشہیر بابن حمزہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۰۵ھ) علامہ ابن حمزہ رحمہ اللہ کا مقصود اس تالیف سے یہ ہے کہ مفتی حضرات بھی بہ آسانی اس سے فقہی قواعد تک رسائی حاصل کر سکیں، چنانچہ انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب سے قواعد کا ذکر کیا ہے اور ہر باب کے تحت اس سے متعلق قواعد اور ضوابط پیش کئے ہیں۔

### مذہب مالکی

۱.....السفر و ق: مؤلف ابوالعباس احمد بن ابی العلاء ادریس بن عبد الرحمن الشہیر بالقرافی رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۲ھ)

۲.....ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالک: مؤلف احمد بن یحییٰ بن محمد ابونشریسی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۲ھ)

۳.....الاسعاف: مؤلف علامہ ابوالحسن علی بن قاسم لتجیی رحمہ اللہ (متوفی ۹۱۲ھ)

۴.....شرح المنظومة: مؤلف علامہ احمد بن علی الفاسی رحمہ اللہ (متوفی ۹۹۵ھ)

### مذہب شافعی

۱.....قواعد الأحكام فی مصالح الأنام: مؤلف علامہ عز الدین بن عبد السلام السلمی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۰ھ)

قواعد فقہیہ میں شافعی مذہب کے مطابق یہ عمده تصنیف ہے۔

۲.....كتاب الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ ابن وكیل شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۱۶ھ)

۳.....المجموع المُذَهَّبُ فی قواعد المذہب الشافعی: مؤلف علامہ خلیل بن کیکلیدی، الشہیر بابن وكیل رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۱ھ)

۴.....الأشباه والنظائر: مؤلف علامہ تاج الدین بکی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۷ھ)

۵.....المنتور فی القواعد الفقهیة: مؤلف علامہ محمد بن بہادر بن عبد اللہ زرشی رحمہ اللہ (متوفی ۹۳۷ھ)

- 
- ٦.....الأشباه والنظائر: مؤلف عمر بن علي بن احمد رحمه الله (متوفى ٩٣٥ھ)
- ٧.....القواعد: مؤلف ابو يكربن محمد بن عبد المؤمن الحصني الشافعى رحمه الله (متوفى ٨٢٩ھ)
- ٨.....الأشباه والنظائر: مؤلف علام عبد الرحمن بن ابى يكربن محمد جلال الدين سيبوطى رحمه الله (متوفى ٩١١ھ)
- ذهب حنبلي
- ١.....القواعد النورانية الفقهية: مؤلف شيخ الاسلام علام ابن تيمية رحمه الله (متوفى ٧٢٨ھ)
- ٢.....القواعد الفقهية: مؤلف علام احمد بن حسن بن عبد الله الشميري بابن القاضى الجبل رحمه الله (متوفى ١٧٧ھ)
- ٣.....تقرير القواعد و تحرير الفوائد: مؤلف علام ابن رجب حنبلي رحمه الله (متوفى ٩٥٧ھ)
- ٤.....القواعد الكلية والضوابط الفقهية: مؤلف علام ابن عبد الهادى رحمه الله (متوفى ٩٠٩ھ)
- ٥.....قواعد مجلة الأحكام الشرعية: مؤلف علام احمد بن عبد الله رحمه الله (متوفى ١٣٩٥ھ)

## قاعدہ نمبر (۱)

الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا<sup>(۱)</sup>

تمام امور میں احکام کا دار و مدار ان کے مقاصد پر ہوگا۔

ماخذ

اس قاعدے کا مأخذ یہ حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالَ بِالنِّيَاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ أَمْرٍ مَا نَوَى.<sup>(۲)</sup>

تشریح

مکلف کے فعل کے اعتبار سے اس پر حکم مرتب ہوگا، ذیکھا جائے گا کہ اس فعل سے مکلف کی کیانیت ہے، اس اعتبار سے اس پر ثواب و عتاب، ذمہ دار ہونا یا نہ ہونا، موآخذہ یا معافی، تاویں عائد ہونا یا نہ ہونا جیسے احکام مرتب ہوں گے۔

## تفريعات

ا..... انگور کا شیرہ ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جو شراب بناتا ہے اگر تجارت کی غرض سے ہو تو جائز ہے، اور اگر اس سے قصد یہ ہو کہ وہ شخص اس سے شراب بنائے تو اس خیال کے ماتحت اس کو فروخت کرنا حرام ہے:

إِنْ بَيْعَ الْعَصِيرِ مَنْ يَتَخَذِّدُ خَمْرًا إِنْ قَصْدَ بِهِ التِّجَارَةُ فَلَا يُحِرِّمُ،

وَإِنْ قَصْدَ بِهِ لِأَجْلِ التَّخْمِيرِ حَرَام.—<sup>(۳)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۲) صحيح بخاری: باب بدء الوحى، ج ۱ ص ۲، رقم الحديث: ۱

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

۲..... تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھنے سے مقصد اگر کسی مسلمان سے قطع تعلقی ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں:

والهجر فوق ثلاث دائرة مع القصد، فإن قصد هجر المسلم حرم،  
وإلا لا۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی شکاری نے جال پھیلایا اور اس کے اندر شکار پھنس گیا، اب اگر وہ پھیلایا تھا اس کو خٹک کرنے کے لیے یا اس کی اصلاح کے لیے تو شکار اس شخص کا ہو گا جو سبقت کر کے اس کو پکڑ لے گا، اور اگر اس نے پھیلایا تھا شکار کرنے کے لیے تو اس صورت میں شکار شکاری ہی کا ہو گا، اگر کسی غیر نے پکڑا تو وہ غاصب کہلانے گا اور اس پر غصب کے احکام منطبق ہوں گے:

إذا وضع شخص في محل شيئاً كالشراك والشبكة لأجل الصيد  
فوقع فيه صيد فيكون لذاته الشخص ، لكن إذا نشر شخص شبكة  
لأجل جفافها ووقع فيها صيد فلا يكون له۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ظہار کے مسئلہ میں اگر شوہرنے زوجہ سے اس طرح کہا ”انتِ علیٰ كامی“ تو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے، اس وقت اس شخص کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر ظہار کی نیت کی تھی تو ظہار ہو جائے گا، اور اگر عظمت و تکریم کی نیت سے کہا تھا تو یہی سمجھا جائے گا، اور اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق ہو جائے گی، اور اگر حلف (ایلاء) کی نیت تھی تو ایلاء قرار پائے گا، اس لیے کہ لفظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے:

وفي الظهار فلو قال انتِ علیٰ كامی، أو مثل أمي، يرجع إلى نيته،  
أو الطلاق كان طلاقا، أو اليمين. كان إيلاء، لأن اللفظ يحتمل  
كل ذلك۔<sup>(۳)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الباب الرابع، الفصل السادس، مادة: ۱۳۰۳، ص ۲۲۸

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۳ ناشر: مكتبة شیدی کونہ

۵.....اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے انسان کی میت کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے تو اگر اس کا مقصد اس میت کے سوگ کے طور پر زیب وزیست کو ترک کرنا ہے تو تین دن سے زیادہ ناجائز ہے، اور اگر یہ خیال اس کے دل میں نہ ہو بلکہ خالی الذہن ہو تو آرائش وزیبائش نہ کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا:

وإلا حداد للمرأة على ميت غير زوجها فوق ثلاث دائر مع القصد،  
فبان قصدت ترك الزينة والتطيب لأجل الميت حرم عليها، وإنما  
فلاـ<sup>(۱)</sup>

۶.....لقطہ کو اٹھانے والے شخص نے اگر حفاظت اور اصل مالک کی طرف لوٹانے کی نیت سے اٹھایا اس کے بعد ملقط کے قبضہ میں وہ بغیر کسی تعدادی و کوتاہی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان واجب نہیں ہو گا، اور اگر اس نے مالک بننے کے قصد سے اٹھایا تو یہ غاصب تصور کیا جائے گا، لہذا اس کی ہلاکت کی صورت میں ملقط پر ضمان واجب ہو گا خواہ بغیر اس کی تعدادی و تقدیر کے ہلاک ہو، کیونکہ یہ غاصب ہے اور غاصب مطلقاً مغضوب کی ہلاکت پر ضامن ہوتا ہے:

وفي اللقطة يضمنها بنية أخذها النفس، وبنية ردھا الصاحبها لاـ<sup>(۲)</sup>

۷.....اگر کپڑا فروخت کرنے والا مشتری کو کپڑے کی اچھائی اور عمدگی کے اظہار کے لیے ”سبحان الله“ یا ”اللهم صلی علی محمد“ کہئے تو یہ مکروہ ہے ورنہ نہیں:

رجل جاء إلى تاجر ليشتري منه ثوبا، فلما فتح المتعاء قال: سبحان الله أو قال اللهم صلى علی محمد، إن أراد بذلك إعلام المشترى بجودة ثوبه ومتعاعه كرهـ<sup>(۳)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۲۲

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۲

(۳) فتاوى قاضي خان: كتاب الحظر والاباحة، فصل في التسبيح والتسليم والصلة على النبي صلی الله علیہ وسلم، ج ۲ ص ۲۵۹

۷.....اگر کوئی نماز پڑھنے والا کسی شخص کی بات کے جواب میں دوران نماز قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھتے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا مقصد تلاوت آیت نہیں بلکہ کسی کی بات کا جواب دینا تھا، مثلاً خوشی کی خبر سن کر ”الحمد لله“، کہا یا کوئی ناگوار خبر سن کر ”لاحول ولا قوة“، کہا یا کسی کی موت کی خبر سن کر ”إِنَّا إِلَيْهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ مَرْجُونٌ“ پڑھا تو نماز باطل ہو جائے گی:

إِذَا أَخْبَرَ الْمُصْلِيَ بِمَا يُسْرِهِ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، قَاصِدًا الشُّكْرَ بَطْلَتْ،

أَوْ بِمَا يُسُودُهُ فَقَالَ: لَا حُولَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، أَوْ بِمُوْتِ إِنْسَانٍ فَقَالَ:

إِنَّا إِلَيْهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ مَرْجُونٌ، قَاصِدًا لَهُ بَطْلَتْ صَلَاتِهِ۔<sup>(۱)</sup>

۸.....اگر کوئی شخص بارش کا پانی اپنے برتن میں جمع کرنے کی نیت سے اپنا برتن بارش میں رکھ دے تو جمع شدہ پانی کا مالک ہو جائے گا اور اگر یہ نیت نہ ہو تو مالک نہ ہو گا:

كُون الْإِحْرَاز مُقْرُونًا بِالْقِصد لِازْمٌ فَلَوْ وَضَعَ شَخْصٌ وَعَاءَ فِي مَحْلٍ

بِمَقْصدِ أَخْذِ مَاءِ الْمَطَرِ الْمَجَتمِعِ فِي ذَلِكَ الْإِنَاءِ مَلْكَهُ، لَوْ وَضَعَ

شَخْصٌ إِنَاءَ فِي مَحْلٍ بِغَيْرِ قِصدِ فَمَاءِ الْمَطَرِ الْمَجَتمِعِ فِيهِ لَا يَكُونُ

مِلْكًا۔<sup>(۲)</sup>

۹.....چو کیداریہ بتلانے کے لیے کوئی ذکر مثلاً ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“، ذکر جہری کے ساتھ پڑھ کر وہ بیدار ہے تو گناہ گار ہو گا ورنہ نہیں:

وَكَذَا الْحَارِسُ إِذَا قَالَ فِي الْحَرَاسَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، يَعْنِي لِأَجْلِ

الْإِعْلَامِ بِأَنَّهُ مُسْتَيقَظٌ۔<sup>(۳)</sup>

۱۰.....اگر مؤذع (جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھوائی گئی ہو) و دیعت کے لباس کو استعمال کرنے کی نیت سے نکالے اور استعمال سے قبل لباس ضائع ہو جائے تو ضامن ہو گا

(۱) الأشباه والناظر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۱

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الباب الرابع، الفصل الثاني، مادة: ۲۲۱، ۲۲۰، ص ۱۲۵۰

(۳) الأشباه والناظر: الفن الأول، القاعدة الثانية، ص ۳۲

لیکن اگر یہ نیت نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا:

والموعد إذا أخرج الوديعة بنية لبسها فهلكت قبل اللبس يضمن،  
وإن لم تكن بتلك النية لا يضمن۔<sup>(۱)</sup>

فائدہ

محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ دین دراصل پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔ ۱.....اعقادات۔ ۲.....اخلاق۔ ۳.....عبادات۔ ۴.....معاملات۔ ۵.....عقوبات۔

فقہ میں اعقادات اور اخلاق سے بحث نہیں ہوتی البتہ بقیہ تین امور سے بحث ہوتی ہے، ان میں سے عبادات میں بالاتفاق نیت شرط ہے چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ میں سے کوئی بھی عبادت بلا نیت درست نہیں ہوتی۔ معاملات میں مناکحت، مالی معاوضات، خصومات، ترکات اور امانات داخل ہیں ان میں بالاتفاق نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح عقوبات میں حد روت، حد قذف، حد زنا، حد سرقة اور قصاص داخل ہیں، ان میں بھی کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی:

إن الدين مركب من خمسة أشياء: العبادات والعقوبات  
المعاملات والاعتقادات والأخلاق، أما الأخلاق والأعتقدات  
فالبحث عنهما في فنونهما، والباقي مذكورة في الفقه۔ أما العبادات  
فالمحصود منها: الصلاة والصوم والزكاة والحج ونحو ذلك شرط  
لصحتها بالإجماع۔ وأما المعاملات فأيضاً خمسة: مناكلات و  
معاوضات مالية وخصومات وترکات وأمانات لا تشرط النية  
لصحتها بالإجماع۔ وأما العقوبات فخمسة أيضاً: حد ردة وقدف  
وزنا وسرقة وقصاص، ولم يشرط فيها النية واحد منهم۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۲

(۲) فيض البارى شرح صحيح البخارى: كتاب بدء الوحى، ج ۱ ص ۸۲، ۸۳

## قاعدہ نمبر (۲)

الْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِي لَا لِلْفَاظِ وَالْمَبَانِي۔<sup>(۱)</sup>

تمام عقود میں مقاصد اور معانی کا اعتبار ہوگا، الفاظ اور کلام کی ترکیبی عبارت کا اعتبار نہ ہوگا۔

## شرط

عقد جمع ہے عقد کی، عقد کہتے ہیں:

”التزام المتعاقدين وتعهدهما أمرًا۔“<sup>(۲)</sup>

فریقین کا کسی امر کی بابت اپنی ذات پر ذمہ داری لے کر اپنے آپ کو اس کا پابند کر لینا۔

”العقود“ کے کلمے میں الف لام استغراق کا ہے یعنی عقود کی تمام اقسام میں ان کے معانی مقصودہ کا اعتبار ہوگا۔

معاملات میں اصل اعتبار معانی اور مقاصد کا ہوتا ہے، محض الفاظ کو بنیاد بنا کر معاملے کے اصل مقاصد سے انحراف یا ان کی تکمیل میں کوتاہی جائز تصور نہ کی جائے گی، اگر الفاظ کے عام مفہوم معانی میں عاقدین کا اختلاف ہو جائے تو جن مقاصد کے لیے عقد کیا ہے وہ مقاصد زیادہ معتبر ہوں گے۔

## تفريعات

ا..... ایک شخص نے کچھ رقم کے عوض کسی سے کوئی چیز خریدی، اور اس کے بعد بالعک کپڑا دیتے ہوئے اس سے کہا کہ یہ کپڑا قیمت کی ادائیگی تک اپنے پاس رکھو، ہذا یہ کپڑا بالعک

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۶ / الفتاوی الهندیۃ: کتاب المکاتب، الباب الأول، ج ۵ ص ۲

(۲) مجلة الأحكام العدلية: الكتاب الأول، المقدمة، مادة: ۱۰۳، ص ۲۹

کے پاس رہن سمجھا جائے گا اس لیے کہ مشتری نے اپنی عبارت سے رہن کا معنی ادا کر دیا، اگرچہ رہن کا فقط استعمال نہیں کیا، اور قاعدہ ہے کہ عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

لو اشتري شيئاً بدرأهـم ودفع إلى البائع ثواباً وقال له: أمسك هذا

الثوب حتى أعطيك الشمن، فالثوب رهن، لأنـه أتـي بـمعـنى العـقد

والعبرة في بـاب العـقود للـمعـانـي۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر عوض کی شرط پر ہبہ کیا گیا اور ہر دو عوض میں سے کوئی ایک عوض زمین ہو اور ہر ایک فریق نے قبضہ کر لیا تو اس زمین میں شفیع کو حق شفعہ حاصل ہو گا اس لیے کہ ہبہ بشرط العوض باعتبار نتیجہ کے بعـد ہوا کرتا ہے، عـقود کے معـاملے میں اعتبار معـانـی کا ہوتا ہے الفاظ کا نہیں ہوتا:

إنـهـبةـ إـذـاـ كـانـتـ بـشـرـطـ الـعـوضـ وـكـانـ أـحـدـ الـعـوـضـينـ عـقاـراًـ

وـتـقـابـضاًـ، وـجـبـتـ الـشـفـعـةـ فـيـ الـعـقـارـ لـلـشـفـعـيـ لأنـهـ بـاعـتـبـارـ شـرـطـ

الـعـوضـ بـيعـ اـنـتـهـاءـ.<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی شخص نے صحت کی حالت میں وصیت کا فقط استعمال کیا تو اس سے مراد وکالت ہو گی، اور اگر وکالت کا فقط موت کے بعد کے امور کے لیے استعمال کیا تو اس سے مراد وصیت ہو گی، اس لیے کہ قابل لحاظ معانی ہوتے ہیں الفاظ نہیں ہوا کرتے:

الـوـصـاـيـةـ حـالـ حـيـاتـهـ وـكـالـةـ وـالـوـكـالـةـ بـعـدـ موـتـهـ وـصـاـيـةـ لـأـنـ الـمـنـظـورـ

الـمـعـانـيـ.<sup>(۳)</sup>

۴..... جو مکان کسی صلح کا معاوضہ قرار دیا گیا ہو خواہ اس صلح کی بنیاد اقرار پر ہو یا انکار پر یا سکوت پر، اس مکان میں شفعہ کا حق واجب ہو گا اس لیے کہ مدعی سے صلح کرنا اگرچہ صلح کے لفظ کے استعمال سے ہو گا مگر چوں کہ جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کا عوض لیا گیا ہے

(۱) بدائع الصنائع: كتاب الرهن، بيان ركن الرهن، ج ۶ ص ۱۳۵

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۳) البحر الرائق: كتاب الكفالة، الكفالة بالمحظول، ج ۲ ص ۲۲۹

اس لیے یہ معنوی اعتبار سے بحث ہے، اور اعتبار عقود میں معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

والعبرة في العقود للمعنى ان الدار اللتي هي بدل صلح يجب فيها الشفعة مطلقاً سواء كان عن اقرار أو انكار أو سكوت، لأن عقد الصلح على دفعها للمدعي وإن كان بلفظ المصالحة إلا أن هذا العقد لما كان تعويضاً عن المدعي به كان في معنى البيع،  
(۱) وال عبرة في العقود للمعنى -

۵.....اگر کسی شخص نے کہا کہ یہ مکان کی آمدی سے ہر ماہ دس روپے کی روٹی خرید کر مساکین میں تقسیم کی جائے تو یہ مکان وقف کھلائے گا اگرچہ اس نے صراحتاً وقف کے الفاظ نہیں کہے لیکن عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے:

اشتروا من غلة دراي هذه كل شهر بعشرة دراهم خبزاً وفرقواه  
على المساكين صارت الدار وقفاً۔  
(۲)

۶.....اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ یہ مکان ہر ماہ اتنے مال کے عوض عاریت ہے اور مخاطب نے اسے قبول کر لیا تو عقد اجارہ منعقد ہو جائے گا اس لیے کہ مالک نے اپنی اس عبارت میں اجارہ کا معنی ادا کر دیا اگرچہ صراحتاً لفظ اجارہ استعمال نہیں کیا، اور اعتبار عقود میں معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

من قال لغيره: أعرتك هذه الدار شهراً بكندا، أو قال كل شهر  
بكندا، وقبل المخاطب كان ذلك إجارة صحيحة۔  
(۳)

۷.....اگر ایک عورت نے کسی نکاح کے پیغام دینے والے سے کہا کہ میں نے اتنے مال کے عوض اپنا نفس تم کو ہبہ کیا یا کسی مدیون نے اپنے دائن سے اس طرح کہا کہ میں نے اس قرض کے عوض میں جو آپ کا ایک ہزار کی صورت میں میری طرف ہے یہ کپڑا اس ایک

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶، ۱۷ (۲) البحر الرائق: كتيب الوقف، ركن الوقف، ج ۵ ص ۲۰۶

(۳) المحيط البرهانی: كتاب الاجارات، الفصل الأول، ج ۷ ص ۲۹۲

ہزار کے عوض فروخت کیا لیکن شرط یہ ہے کہ جب قرض کے ایک ہزار روپے آپ کو ادا کروں تو یہ کپڑا آپ مجھے واپس کر دیں گے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر مخاطب نے ان عقود کو قبول کر لیا تو پہلی صورت میں عقد نکاح اور دوسری صورت میں عقد رہن منعقد ہو جائے گا اور عقود میں ذکر کردہ ہبہ، بیع کے الفاظ مذکورہ عقود کے مقاصد میں خلل انداز نہیں ہوں گے بلکہ ان پر نکاح اور رہن کے احکام مرتب ہوں گے۔

پہلی صورت میں عورت نے اپنی عبارت میں نکاح کے معنی اور دوسری صورت میں مقرض نے اپنی عبارت میں رہن کے معنی ادا کر دیئے اگرچہ نکاح اور رہن کے الفاظ استعمال نہیں کئے، کیونکہ عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا:

فَلَوْ قَالَ أَعْرَتْكَ هَذِهِ الدَّارُ كُلَّ شَهْرٍ بَكْذَا، أَوْ أَعْطَيْتْكَ إِيَّاهَا  
بَكْذَا، أَوْ قَالَتْ لَمَنْ يَرِيدُ نِكَاحَهَا وَهَبْتَكَ نَفْسِي بَكْذَا، أَوْ قَالَ  
الْمَدِيُونَ لِدَائِنِهِ: بَعْتُكَ هَذَا الشُّوْبَ بِالْأَلْفِ اللَّتِي لَكَ عَلَىَّ، عَلَىَّ  
أَنِّي أَنْدَيْتُكَ الْأَلْفَ اسْتَرْدَاهُ، وَهَكُذا فَقَبْلَ الْآخِرِ فَالْأُولُ اجْرَاهُ،  
وَالثَّانِي بَيْعُ، وَالثَّالِثُ تَزْوِيجٌ، وَالرَّابِعُ رَهْنٌ، وَهَذِهِ الْأَلْفَاظُ لَا تَخْرُجُ  
الْعُقُودُ عَنْ مَعَانِيهَا وَمَقَاصِدِهَا الْمُوْضُوعَةُ لَهَا، بَلْ يَتَرَبَّ  
عَلَيْهَا أَحْكَامُ الْإِجَارَةِ وَالْبَيْعِ وَالنِّكَاحِ وَالرَّهْنِ۔<sup>(۱)</sup>

### قواعد نمبر (۳)

الْيَقِينُ لَا يَرْزُقُ بِالشَّكِ۔<sup>(۲)</sup>

یقین کو کسی شک کے ذریعے زائل نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۶

(۲) الأشياء والنظائر: الفن الأول، القاعدة الثالثة، ص ۲۰ / رد المحتار: كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ج ۱ ص ۱۳۸

## ماخذ

اس قاعدے کا مأخذ یہ حدیث ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ، أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا؟

فَلَا يَخْرُجُنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّىٰ يَسْمَعُ صَوْتًا أَوْ يَجِدُ رِيحًا۔<sup>(۱)</sup>

إِذَا شَكَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِكْ كُمْ صلی ثَلَاثَةً أَمْ أَرْبَعاً فَلِيُطْرُحْ

الشَّكُّ وَلِيُبَيِّنَ عَلَىٰ مَا اسْتَيقَنَ۔<sup>(۲)</sup>

اس قاعدے کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔<sup>(۳)</sup>

علامہ ابن عبد البر انڈی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۳ھ) فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث من الفقه أصل عظيم جسيم مطرد في أكثر

الأحكام وهو أن اليقين لا يزيله الشك وأن الشيء مبني على

أصله المعروف حتى يزيله يقين لا شك معه۔<sup>(۴)</sup>

## الیقین کا لغوی معنی

الیقین لغة قرار الشيء۔

## الیقین کا اصطلاحی معنی

الیقین عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء أو عدم وقوعه۔

نقہاء کے نزدیک کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع کا قطعی ہو جانا یقین کہلاتا ہے۔

(۱) صحيح مسلم: كتاب الحجض، باب الدليل على أن من تيقن الطهارة الخ، ج ۱ ص ۲۷۶، رقم الحديث: ۳۱۲

(۲) صحيح مسلم: كتاب الماجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ج ۱ ص ۳۰۰، رقم الحديث: ۵۷۱

(۳) الاسراء: ۳۶

(۴) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: باب الزاء، الحديث الثامن والعشرون، ج ۵ ص ۲۵

## شک کا لغوی معنی

الشك لغة معناه التردد۔

## شک کا اصطلاحی معنی

الشك هو التردد في وقوع الشيء وعدم وقوعه على السواء۔<sup>(۱)</sup>

کسی شی کے وقوع اور عدم وقوع میں مساوی طور پر اگر تردید ہو تو اسے شک کہتے ہیں۔

## تفريعات

ا..... جن اموال میں (شرعًا) ربوا (سود) کا اجراء ہوتا ہے جیسے کہ ناپ تول کر کے فروخت کی جانے والی اشیاء ان میں بیع مجازفہ (اندازہ لگا کر لین دین) جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ ان اشیاء میں مماثلت کی شرط ہے اور اندازہ لگانے میں مماثلت مشکوک ہوتی ہے لہذا یہ بیع صحیح نہ ہوگی، یہ ایک (فقہ کا) مشہور قاعدة ہے کہ جو حکم کسی شرط پر متعلق ہو یا جو حکم کسی شرط پر مشروط ہو اگر اس کی شرط کے وجود میں شک ہو تو یہ ثابت شدہ متصور نہ ہوں گے جب تک کہ یقین حاصل نہ ہو جائے، کیونکہ اس امر کا غیر مشروط ہونا یقینی ہے اور شرط مشکوک ہے، اور یقین شک سے زائل نہیں ہوا کرتا:

ومن فروعها ما نصوا عليه من عدم جواز البيع مجازفة في الأموال  
الربوية كالمكيلات والموزونات لأن المماثلة ببيعها شرط محقق،  
المماثلة في المجازفة مشکوک فيها فلا تثبت الصحة، بناء على  
الأصل المقرر وهو أن الحكم المتعلق على شرط أو المشروط  
بشرط إذا وقع الشك في وجود شرطه لا يثبت لأن ماليش ثابتاً  
بیقین لا یثبت بالشك، كما أن الثابت بیقین لا یزول بالشك۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

۲..... اگر کسی شخص کو اپنی طہارت کا یقین ہو تو یہ شک واقع ہونے سے زائل نہ ہوگا بلکہ یہ شخص باطہارت سمجھا جائے گا:

فالمتيقن بالطهارة مثلاً إذا شك بالحدث فهو متظاهر۔<sup>(۱)</sup>

ولو أيقن بالطهارة وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين۔<sup>(۲)</sup>

۳..... یہ بات یقیناً ثابت ہو کر زید نے عمر و کا قرضہ دینا تھا مگر زید کے مرنے کے بعد شک ہو گیا کہ زید نے عمر و کا قرضہ واپس کر دیا تھا یا نہیں، تو محض شک کی وجہ سے قرضہ زائل نہ ہوگا بلکہ ادا کرنا پڑے گا۔<sup>(۳)</sup>

۴..... مفقود الخبر (جو اپنے شہر سے غائب ہو گیا اور یہ خبر نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا) کے حق میں زندہ شخص کے احکام جاری ہوں گے، لہذا اس کا مال و راثت میں تقسیم نہ ہوگا اور نہ اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج ہوگی، اس لیے کہ غائب ہونے کی حالت میں اس کی حیات یقینی ہے اور موت مشکوک ہے، اور جب تک حاکم کی طرف سے اس کی مدت مقرر نہ کی جائے تو شرعاً مدت گذر جانے تک اس پر مذکورہ قاعدة جاری رہے گا کہ ”اليقين لا يزول بالشك“، لیکن جواشیاء اس کی مملوک نہیں ہیں ان میں یہ (شخص) مردہ تصور کیا جائے گا اور اس بنا پر اس وقت تک کسی شخص کا وارث نہ ہو گا جب تک اس کی حیات پر قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے، اس لیے کہ کسی شئی کی اپنی سابقہ حالت پر باقی رہنے کی جست استصحاب کو بنایا جاسکتا لیکن کسی ایسی شئی کی جو پہلے سے ثابت نہ ہو اب ثابت کیا جائے تو استصحاب جست نہ ہو گا، اسی وجہ سے فقهاء نے کہا ہے کہ استصحاب دفع (ضرر) کی جست ہو سکے گا نہ کہ اتحقاد کی:

فالمحقود وهو الذي غاب عن بلده ولا يعرف خبره أنه حي أو ميت تجري عليه أحكام الأحياء فيما كان له فلا يورث ماله ولا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۲) الدر المختار: كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ج ۱ ص ۱۵۰

(۳) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة، ص ۸۲

تبين امراته لأن حياته حمين تغيبه متيقنة وموته قبل المدة  
المضروبة شرعاً مشكوك فيدخل تحت قاعدة اليقين لا يزول  
بالشك۔

واما فيما لم يكن له فتجرى عليه أحكام الأموات فلا يرث أحداً  
إلا ببرهان على حياته كانه ميت حقيقة لأن الثابت باستصحاب  
الحال يصلح لبقاء ما كان على ما كان ولا يصلح لاثبات ما لم  
يكن ولهذا قالوا الاستصحاب حجة يصلح للدفع لا  
للاستحقاق۔<sup>(۱)</sup>

۵..... دوآدمیوں کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہوا اس کا دستاویزی ثبوت اس کو یقینی  
بنانے کے لیے موجود ہے مگر بعد میں اس معاہدے کے فتح ہو جانے یا نہ ہو جانے میں شک  
کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو تو یہ شک معاہدے کے یقینی وجود کو زائل نہ کر سکے گا جب تک فتح  
معاہدہ کے لیے یقینی اور قطعی ثبوت پیش نہ کر دیئے جائیں معاہدے کو فتح نہیں سمجھا جائے گا۔  
۶..... اگر گواہوں سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ زید نے عمر کو عام طور پر ذمہ داری سے  
بری کر دیا تھا، اور پھر زید نے عمر پر بغیر تاریخ بیان کیے رقم کا دعویٰ دائر کر دیا تو زید کا دعویٰ  
قابل سماحت نہ ہوگا، اس لیے کہ بری الذمہ کر دینا اور (پھر) دعویٰ کرنا ان میں یہ بھی اختلاف  
ہے کہ اس حق کے متعلق ہو جس کو یہ ساقط کر چکا تھا یا یہ کہ کسی جدید حق کے متعلق ہو، لہذا  
ضروری ہوا کہ دعوے کی سماحت اس وقت کی جائے جبکہ یہ دلیل پیش کر دے کہ یہ حق جس کا  
دعویٰ کر دیا ہے اول ابراء کے بعد جدید پیدا ہوا تھا اس لیے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوا کرتا:  
لو ثبت بالبينة أن زيداً أبراً عمراً أبراً عامماً، ثم ادعى زيد عليه،  
حقاً بدون تاريخت لا تسمع دعواه لأن البراء ودعواه تحتمل أنها

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۹ / بدائع الصنائع: كتاب المفقود، بيان حال المفقود، ج ۱  
ص ۱۹۶

بالحق الذي سقط بالابراء أو أنها بحق حدث بعده فلا تسمع إلا أن يبرهن أن ذلك الحق حدث بعد الابراء العام لأن اليقين لا يزول بالشك۔<sup>(۱)</sup>

۷.....اگر مشتری نے کوئی چیز خریدی پھر دعویٰ کیا کہ اس میں عیب موجود ہے اور مجع کے واپس لوٹانے کا رادہ کیا تو تجارت کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہوا بعض نے کہا اس میں عیب موجود ہے اور بعض نے کہا عیب نہیں ہے تو مشتری کے لیے اس بات کا اختیار نہیں ہے کہ وہ مجع واپس لوٹائے اس لیے کہ مجع کا صحیح سالم ہونا یہی اصل اور یقینی بات ہے پس محض شک کی بنیاد پر عیب ثابت نہیں ہوگا:

لو اشتري أحد شيئاً ثم ادعى ان به عيباً وأراد ردہ و اختلف التجار  
أهل الخبرة فقال بعضهم: هو عيب وقال بعضهم: ليس بعيوب فليس  
للمشتري الرد لأن السلامة هي الأصل المتيقن فلا يثبت العيب  
بالشك۔<sup>(۲)</sup>

۸.....اگر کوئی شخص یقینی طور پر تیمم کی حالت پر ہو تو وہ تیمم ہی سمجھا جائے گا یہاں تک کہ اس کے بے وضو ہونے یا پانی کے ملنے کا یقین ہو جائے اس لیے کہ اصول ہے ”الیقین لا یزول بالشك“

ومن استيقن بالتيمم فهو على تيممه حتى يستيقن بالحدث أو  
بوجود الماء للأصل الذي قدمناه في الوضوء أن اليقين لا يزول  
بالشك۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۱۹ (۲) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة، ص ۸۳

(۳) المبسوط للسرخسي: باب التيمم، ج ۱ ص ۱۲۱

## قاعدہ نمبر (۳)

الْأَصْلُ بِقَاءُ مَا كَانَ عَلَى مَا كَانَ۔<sup>(۱)</sup>

جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھنا اصل ہے۔

### شرح

### اصل کا الغوی معنی

الأصل في اللغة أسفل الشيء۔

اصل افت میں کسی شئ کے سب سے نچلے حصے کو کہا جاتا ہے۔

### اصل کا اصطلاحی معنی

وفي الاصطلاح يطلق على معانٍ كثيرة، منها أنه يستعمل بمعنى

القانون والقاعدة المنطبقة على جزئياتها وهو المراد هنا۔<sup>(۲)</sup>

اصطلاح میں لفظ اصل کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوتا ہے، ان میں ایک معنی قانون اور قاعدة بھی ہے، قاعدة سے مراد وہ اصول ہیں جو اپنی جزئیات پر منطبق ہوں اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

یعنی کسی شئ کی جو حالت گذشتہ زمانے میں وجود آیا عدم اثبات ہو چکی ہے وہ اسی طرح باقی رہے گی، اس میں کوئی تغیر قابل تسلیم نہ ہو گا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے اس تصحاح حال کا بھی یہی معنی ہے۔

### تفریعات

۱..... مفقود کا مسئلہ ہے یعنی جو شخص غائب ہو کہ اس کی موت و حیات کا کسی کوئی علم نہ

(۱) الأشباء والناظران: الفن الأول، ص ۶۱ / رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب وقف على أولادهم و  
سامهم، ج ۲ ص ۳۷۶

(۲) شرح القواعد الفقهية: القاعدة الرابعة، ص ۸۷

ہو، اس کی توضیح یہ ہے کہ جس وقت وہ غائب ہوا تھا اس وقت اس کی حیات یقینی تھی، لہذا جب تک اس کی موت پر کوئی قطعی دلیل نہ پائی جائے یا اس کی عمر کو نوے (۹۰) سال یا ہم عصر افراد کا انتقال کر جانا موجود نہ ہو تو مفقود کے ورثاء کو اس کے مملوکہ مال کا وراثت میں تقسیم کر لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ یہ جائز ہوگا کہ اس کی امانت کو امین سے واپس لیا جائے، اور نہ یہ جائز ہوگا کہ اس کی زوجہ عقد ثانی کرے:

مسئلة المفقود الذى انقطع خبره ولم يعلم موته ولا حياته وذلك

لأنه حين تغيبه كانت حياته محققة، فما لم يوجد دليل على موته

حقيقة أو يحکم بموته يعد أكمال تسعين سنة من عمره أو لموت

أقرانه ليس لورثته اقتسام ماله ولا تؤخذ وديعته من مودعه ولا

تنزوج امرأته بآخر، إلى غير ذلك مما هو مسطور في بابه۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر کوئی شخص یقینی طور پر وضو کی حالت میں ہو کچھ وقفہ گذرنے کے بعد اس کو شک ہوا کہ وضو ہے یا نہیں تو وہ بدستور باوضو سمجھا جائے گا:

من تيقن الطهارة وشك في الحدث فهو متظهر۔<sup>(۲)</sup>

۳.....اگر کوئی بچہ کسی جگہ پڑا ہو اسی جائے توجہ آزاد شمار ہوگا کیونکہ انسان میں اصل حریت ہے، لہذا شک کی وجہ سے غالباً ثابت نہ ہوگی کیونکہ اصل کے اعتبار سے ہر انسان آزاد ہے تجوہ حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھا جائے گا۔

۴.....اگر کوئی شخص یقینی طور پر تیم کی حالت میں ہو پھر شک لاحق ہو احدث کے واقع ہونے کا تو اس سے طہارت زائل نہ ہوگی بلکہ وہ تیم ہی سمجھا جائے گا اس لیے کہ اصول ہے:

الأصل بقاء ما كان على ما كان -

من استيقن بالتيم وشك في الحدث فهو على تيممه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰، ۲۱  
(۲) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۲۱

(۳) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۲۱

۵..... کسی مسلمان شخص کے انتقال کے بعد اس کی نصرانیہ زوجہ اپنے اسلام لانے کا دعویٰ کرتے ہوئے کہ وہ اس کے فوت ہونے سے قبل اسلام لا چکی تھی، اور شوہر کے ورثاء کا قول یہ ہو کہ ”اس کے بعد اسلام لائی ہے“، اس مسئلہ میں ورثاء کا قول معتبر ہو گا اور حال کو حکم نہ بنایا جائے گا اس لیے کہ زوجہ کی نصرانیت گذشتہ عہد سے قائم شدہ ہے جو کہ استصحاب ماضی للحال کی صورت ہے:

مات مسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته، وقالت

أسلمت قبل موته، وقالت الورثة أسلمت بعد موته، فالقول قول

الورثة أيضًا، ولا يحکم الحال لأن نصرانيتها كانت ثابتة فهو

استصحاب من الماضي إلى الحال۔<sup>(۱)</sup>

۶..... گلی کو چوں میں جوٹی اور کچڑی ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی زمین کی اصل طہارت ہے تو وہ محض اس گمان سے کہ ممکن ہے کہ یہاں کوئی نجاست گرگئی ہو تو ناپاک نہ ہو گی:  
ولذا أفتوا بطهارة طين الطرقات۔<sup>(۲)</sup>

۷..... خاوند اور بیوی کے درمیان وطی اور عدم وطی کے بارے میں اختلاف ہوا ایک نے وطی کا اقرار کیا دوسرے نے انکار کیا تو قول انکار کرنے والے کا معتبر ہو گا، کیونکہ اصل اس معاملے میں عدم وطی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو اصل ہے اسی کو باقی رکھا جائے گا:

ولو اختلف الزوجان في التمكين من الوطء فالقول لمنكره لأن  
الأصل عدمه۔<sup>(۳)</sup>

۸..... ایک چیز مدتلوں سے بکر کے پاس ہے اب زید دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز میری ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہ ہو گا جب تک کہ گواہوں سے ثابت نہ کرے اور وہ چیز بکری کی قرار دی جائے گی، لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲ (۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول ص ۱۱

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول ص ۲۲

۹..... اگر عورت طہر کے طویل ہونے کا دعویٰ کرے کہ اب تک اس کی عدت مکمل نہیں ہوئی، تو یہیں کے ساتھ عورت کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور شوہر کے ذمے اس کی عدت کا نفقة لازم ہوگا، اس لیے کہ عدت کے وجود کے بعد اس کا باقی رہنا یہی اصل ہے، اور اصول ہے کہ جو حالت پہلے تھی اس کو باقی رکھا جائے گا:

لَوْ ادْعُتُ الْمُطْلَقَةَ امْتِدَادَ الطَّهُورِ وَدُمْ اَنْقَضَاءَ الْعِدَةِ صَدَقَتْ وَلَهَا  
النفقة لأن الأصل بقاوها۔<sup>(۱)</sup>

۱۰..... اگر باائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے ثمن یا سامان کے قبضہ کرنے کے متعلق تو فیصلہ کیا جائے گا کہ سامان باائع کے قبضے میں ہے اور ثمن کی ادائیگی مشتری کے ذمے باقی ہے اس لیے کہ لأن الأصل بقاء ما كان على ما كان۔

إن وَقْعُ الْخِتْلَافِ بَيْنَ الْمُتَبَايِعِينَ فِي قِبْضِ الثَّمَنِ أَوْ فِي قِبْضِ  
السَّلْعَةِ فَالْأَصْلُ بِقَاءُ السَّلْعَةِ فِي يَدِ الْبَايِعِ وَالثَّمَنُ فِي ذَمَّةِ الْمُشْتَرِي  
إِذَا الأَصْلُ بِقَاءُ مَا كَانَ عَلَى مَا كَانَ۔<sup>(۲)</sup>

## قواعد نمبر (۵)

الْقَدِيمُ يُتُرَكُ عَلَى قِدَمِهِ۔<sup>(۳)</sup>

قدیم کو اس کی قدامت پر چھوڑ دیا جائے گا۔

## شرح

قدیم اور حادث کے الفاظ بطور اصطلاح کے استعمال کئے جاتے ہیں، قدیم کہا جاتا ہے

الْقَدِيمُ هُوَ الَّذِي لَا يُوجَدُ مِنْ يَعْرِفُ أَوْلَهُ۔<sup>(۴)</sup>

(۱) غمز عيون البصائر: الفن الأول، ج ۱ ص ۲۰۱

(۲) شرح مختصر خليل للخرشی، کتاب البيوع، فصل مختلف المتبايعان في جنس الثمن أو نوعه، ج ۵ ص ۱۹۹

(۳) هداية: کتاب احیاء الموات، فصل فی مسائل الشرب، فصل فی الدعوی والاختلاف والتصرف فيه، ج ۲ ص ۳۹۳ / رد المحتار: کتاب احیاء الموات، فصل: الشرب، ج ۲ ص ۸۲۲

(۴) مجلة الأحكام العدلية: الكتاب الأول، ص ۲۳

جس کی ابتداء کا جانے والا کوئی موجود نہ ہو کہ اس کی ابتداء کب ہوئی اس کے برعکس کو حادث کہلانے گا، اب اصول یہ ہے کہ قدیم کو اس کی موجودہ حالت پر برقرار رکھا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔

أَمَا الْقَدِيمُ الْمُخَالِفُ لِلشَّرِعِ فَلَا يُعْتَبَرُ لَهُ۔<sup>(۱)</sup>

اور یہ چیز مفاد عامہ کے لیے نقصان دہ نہ ہو، مثلاً اگر کسی گھر کا گندہ پانی عام شاہراہ یا گلی میں بہہ رہا ہو اور جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور اس کے قدیم ہونے کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ضرر کو دور کیا جائے گا:

لَوْ كَانَ الْقَدِيمُ ضَارًا يَرْفَعُ وَلَا يَنْظَرُ لِقَدْمِهِ۔<sup>(۲)</sup>

## تفریعات

ا..... اگر کسی گھر کے بارش کا پانی گزرنے کا راستہ پڑوی کی چھٹ پر سے ہو، اور یہ عمل ایک طویل مدت سے جاری ہو جس کو قران نہ جانتے ہوں کہ یہ کب سے ہے تو یہ سیل قدیم ہوگی، لہذا مذکورہ قاعدة کے مطابق پڑوی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ قدیم کو اس کے قدم پر چھوڑا جائے گا:

فِي الدُّخِيرَةِ عَنْ أَبِي الْلَّيْثِ، لَوْ كَانَ مَسِيلُ سَطْوَحِهِ إِلَى دَارِ رَجُلٍ وَلَهُ فِيهَا مَيْزَابٌ قَدِيمٌ فَلَيْسَ لَهُ مَنْعِهِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ جَرِتَ بِهِ الْعَادَةُ، أَمَا أَصْحَابُنَا فَقَدْ أَخْذُوا بِالْقِيَاسِ، وَقَالُوا لِيْسَ لَهُ ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنْ لَهُ حَقُّ الْمَسِيلِ وَالْفَتْوَى عَلَى مَا ذُكِرَهُ أَبُو الْلَّيْثُ، وَفِي الْبَزَازِيَّةِ وَبِهِ نَاخْذُـ۔<sup>(۳)</sup>

(۱) مجلة الأحكام العدلية: الباب الثالث، الفصل الرابع، ص ۲۲۶

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

(۳) رد المحتار: كتاب أحياء الموات، فصل: الشرب، ج ۶ ص ۲۲۲

۲..... اگر پہلے سے پانی کی تقسیم سوراخوں کے ذریعے سے ہو، ہر ایک کھیت میں نہر سے پانی کے آنے کے لیے سوراخ موجود ہوں، اب اگر کوئی یہ چاہے کہ بجائے اس کے تقسیم ایام کے ذریعے سے ہو جائے کہ ایک دن پوری نہر کا پانی صرف وہ استعمال کرے اور دوسرے دن دوسرا، تو اس بات کا اختیار نہ ہو گا کیونکہ جو دستور پہلے سے مقرر ہو چکا ہے اب اس کو توڑا نہیں جائے گا، لأن القديم يترك على قدمه۔

ولو كانت القسمة وقعت بالكوى فأراد أحدهم أن يقسم بالأيام

(۱) ليس له ذلك لأن القديم يترك على قدمه لظهور الحق فيه۔

۳..... ایک شخص نے اپنی جائیداد وقف کر دی اور طے کر دیا کہ اس وقف جائیداد کا انتظام اس کی اولاد اور اولاد دوسرے اولاد کے پاس رہے، اب وہ شخص اس حیثیت سے کہ یہ دونوں وقف کنندہ کی اولاد میں سے ہیں قدیم ہی سے اس جائیداد کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں، تو بعد میں کسی کو یہ حق نہیں ہو گا کہ وہ ان سے انتظام چھوڑ دینے کا مطالبہ کرے یا ان سے وقف کنندہ کی اولاد ہونے کا ثبوت طلب کرے، کیونکہ ان دونوں کا وقف کنندہ کی اولاد میں سے ہونا قدیم ہی سے معلوم ہے۔

۴..... اگر پہلے سے پانی کی تقسیم ایام کے ذریعے ہو اب اگر کوئی ایک شریک چاہے کہ تقسیم سوراخوں کے ذریعے ہو تو اس کو اس بات کا اختیار نہ ہو گا، لأن القديم يترك على قدمه۔

كذا لا يجوز أن يقسم بالكوى وقد كانت بالأيام لأن القديم

(۲) يترك على قدمه۔

۵..... راستے کے حقوق، نہر، آب رسانی کے حقوق اور پانی کے اخراج کے حقوق زمانہ نامعلوم (عرصہ دراز) سے چلے آرہے ہوں، تو ان کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے گا

(۱) هدایۃ: کتاب احیاء الموات، فصول فی مسائل الشرب، فصل فی الدعوی والاختلاف، ج ۲ ص ۲۹۳

(۲) مجمع الانہر: کتاب احیاء الموات، فصل فی کری الانہار، ج ۲ ص ۵۶۶

اور تبدیل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی امر ثابت نہ ہو جائے:

يعتبر القدر في حق المرور وحق المجرى وحق المسيل يعني  
ترك هذه الأشياء وتبقى على وجهها القديم الذي كانت عليه  
لأن الشيء القديم يبقى على حاله ولا يتغير إلا أن يقوم الدليل  
على خلافه۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۶)

الضرر لا يكُون قدِيمًا۔<sup>(۲)</sup>  
نقصان رساني میں قدمت قابل اعتبار نہیں۔

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مأخوذه ہے لاضرر ولا ضرار۔<sup>(۳)</sup>

وهذه القاعدة مأخوذة من الحديث الشريف الذي يرويه سيدنا

أبو سعيد الخدري رضي الله عنه وهو قوله صلی اللہ علیہ وسلم: لا ضرر ولا ضرار وهو من جوامع الكلم۔<sup>(۴)</sup>

تشريع

اگر کوئی چیز نقصان دہ ہو خواہ قدیم ہو اس کو اس اصول کے پیش نظر ”القديم يترك على قدمه“ کا مفاد حاصل نہ ہو گا، بلکہ ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اس چیز کو ختم کر دیا جائے یا اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ اس کا ضرر ختم ہو جائے۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: الباب الثالث، الفصل الرابع، ص ۲۳۶

(۲) مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۷ / شرح التواعد الفقهية: القاعدة السادسة، ص ۱۰۱

(۳) موطا مالک: كتاب الأقضية، باب القضاء في المرفق، ج ۲ ص ۷۳۵، رقم الحديث: ۲۸۹۵

(۴) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۳

اگر صورت حال ایسی ہو کہ کوئی چیز عام لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو مگر کسی خاص شخص کے لیے فائدہ مند ہو تو ایسی صورت میں بھی معاوی عامہ کا لحاظ کیا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کے گھر کا گندہ پانی طریق عام پر بہرہ رہا ہو جس سے گزرنے والوں کو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو اس شخص کو اپنے پانی کا راستہ بد لئے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ اس کا یہ راستہ قدیم زمانہ ہی سے کیوں نہ ہو، کیونکہ قاعدہ مذکورہ کے مطابق اس سلسلے میں قدیم کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا:

لوأن أقدار دار شخص من القديم تسيل إلى الطريق العام ولا اعتبار لقدمها لأنه لا يمكن احتمال مشروعيية ذلك ولا يمكن لإنسان أن يجيز حقاً يكون منه ضرر عام۔<sup>(۱)</sup>

۲..... شارع عام میں اگر کوئی ضرر ساں چیز پائی جائے اور جس کی حالت کا کوئی علم نہ ہو تو اس کو جدید تصرف خیال کیا جائے گا، اور حاکم وقت کو اس کے دور کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا:

الأصل أن ما كان على طريق العامة ولم يعرف حاله يجعل حديثاً و كان للإمام رفعه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اس قاعدے کے تحت ضرر کی عدمِ مشروعیت کے پیش نظر کثیر احکام فتھیہ اس کے تحت داخل ہیں، مثلاً معیوب شئی کی واپسی کا جائز ہونا یا کسی شئی کے وصفِ مرغوب کے فوت ہونے پر اس کی واپسی کا حق دیا جانا، مثلاً کسی شخص نے اس شرط پر غلام خریدا کہ وہ کاتب ہے لیکن بعد میں وہ باور پھی ثابت ہوا یا ہمسایلگی کے ضرر کے دفع کے لیے شفیع کو شفعت کا حق دیا جانا اسی قاعدے کے تحت داخل ہے:

(۱) درر الحکام شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۵

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

يدخل تحت هذه القاعدة من حيث عدم مشروعيه الضرر كثير من الأحكام الفقهية كمشروعيه رد المبيع بالغريب، أو بقوات الوصف المرغوب كما إذا اشتري عبداً على أنه كاتب فإذا هو خباز، وكالشفعة للشفيع لدفع ضرر الجار۔<sup>(۱)</sup>

۳..... راه عام پر جو چیز بھی راه چلنے والوں کے لیے تکلیف دہ ہو چاہے وہ قدیم ہی کیوں نہ ہو سے ختم کیا جائے گا، جیسے: راه تنگ کر دینے والی دیوار، دروازہ وغیرہ۔

## قاعدہ نمبر (۷)

**الْأَصُولُ بَرَاءَةُ الدِّيْمَةِ۔<sup>(۲)</sup>**

اصول یہ ہے کہ ذمہ داری سے انسان کو بری تصور کیا جائے۔

ماخذ

یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مأخوذه ہے:

**الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَعِّيِّ وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَعَى عَلَيْهِ۔<sup>(۳)</sup>**

جو شخص خلاف اصل امر کو اپنائے گا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ ایک عارضی امر کو ثابت کرنا چاہتا ہے پس یہی شخص مدعی ہو گا، اور جو شخص اصل امر کو اپنارہا ہے وہ گویا عارضی امر کا منکر ہے یہی مدعی علیہ ہو گا، چونکہ یہ مدعی کے دعویٰ کی لفی کرتا ہے اس لیے اس کے انکار پر اس سے حلف لا یا جائے گا:

هذه القاعدة مأخوذة من الحديث الشريف وهو قوله صلى الله عليه وسلم: البينة على المدعى واليمين على من أنكر لأن كل

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۵

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۲ / رد المحتار: كتاب الاقرار، ج ۵ ص ۵۹۷

(۳) سنن الدارقطني: كتاب في الأقضية والأحكام، في المرأة تقتل اذا ارتدت، ج ۵ ص ۳۹۰، رقم الحديث: ۳۵۱۰

من يتمسك بخلاف الأصل ويريد إثبات أمر عارض فهو مدعٍ، وكل متمسك بالأصل منكر للأمر العارض مدعى عليه وعليه اليمين لأنَّه نافٍ ولا سبيل إلى إقامة البينة على النفي۔<sup>(١)</sup>

## تشريع

ذمة كالغوى، اصطلاحى معنى۔

الذمة لغة العهد وإصطلاحاً وصف يصير الشخص به أهلاً للإيجاب له أو عليه۔<sup>(٢)</sup>

ما هرین قانون کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر انسان کے بارے میں بنیادی تصور یہی رکھا جائے کہ اس پر کسی دوسرے کی ذمہ داری نہیں ہے یعنی اس نے کسی کا حق غصب نہیں کر رکھا، اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے خلاف دعویٰ دائر کرتا ہے کہ فلاں نے میرا حق ادا نہیں کیا یا میرے ساتھ فلاں نے زیادتی کی ہے، تو اس مدعیٰ پر لازم ہو گا کہ وہ اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرے، اور محض دعویٰ کے دعویٰ کردینے سے قانون یہ فرض نہیں کرے گا کہ مدعیٰ علیہ واقعی مجرم ہے، اور محض دعویٰ کی بناء پر مدعیٰ علیہ سے صفائی طلب نہیں کی جائے گی یا اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں دیا جائے گا، اس لیے کہ انسان کسی شئی کے وجوب یا لازم ہونے کی ذمہ داری سے بری پیدا ہوتا ہے، اور اس کے ذمہ کا کسی دوسرے کے حق سے مشغول ہو جانا یہ فطرت کے خلاف امر ہے۔

## تفريعات

ا..... اگر کوئی شخص کسی کامال ضائع کرے اور مالک اس سے اس کے ضمان کا مطالبه کرے (اور دونوں میں اس تلف شدہ شئی کی قیمت اور مقدار میں اختلاف واقع ہو) تو طف کے بعد تلف کرنے والے کا قول معتبر ہو گا لیکن گواہ مالک کے قابل اعتبار ہوں گے:

(١) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ٢٧      (٢) شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة، ص ٥٠

فإذا أتلف رجل مال آخر وعند ارادة المالك تضمينه اختلافاً في

مقداره أو قيمته القول للمتلاف بيمينه إذا انكر ما يدعى صاحب

المال من الزيادة والبيان على المالك۔<sup>(۱)</sup>

۲..... یہ مسئلہ بھی اسی قاعدے پر بنی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے کسی حق یا کسی شئی کا اپنے ذمہ ہونے کا اقرار کرے تو حلف کے ساتھ مقر کی تفسیر کسی قیمتی شئی کے سلسلہ میں قابل قبول ہوگی:

ویبستنی علی هذه القاعدة أنه لو أقر لآخر بشيء أو حق قبل

تفسيره بما له قيمة والقول للمقر مع يمينه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... وہ شخص جس کے پاس کسی کی ودیعت رکھی تھی اس نے دعویٰ کیا کہ وہ ودیعت واپس کر چکا ہے اور ودیعت رکھنے والے نے واپسی کا انکار کر دیا تو یہاں واپس کرنے والے کا قول معتبر ہوگا، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واپسی کا دعویٰ کرنے والا اگرچہ صورۃ مدعا ہے لیکن معنوی حیثیت میں منکر ہے کیونکہ وہ اصل ظاہر سے تمکن کر رہا ہے یعنی ذمہ داری سے فارغ ہونا کیونکہ اصل ہونے کے مساواط ظاہر بھی یہی ہے:

كالمودع يدعى رد الوديعة والمودع ينكر فإن القول لمدعى الرد

فإنه وإن كان مدعيا صورۃ منکر حقيقة لتمسکه بالأصل الظاهر

وهو فراغ ذمته لكونه ظاهراً لا لكونه أصلاً۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اسی طرح شفع جب یہ کہے کہ مجھے شفعہ کا علم گزشتہ کل ہوا تھا اور کل ہی میں نے شفعہ طلب کیا تھا، اور اس کے مقابلے میں مشتری کہے کہ تم نے سکوت اختیار کیا تھا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، اس لیے کہ شفع جب اپنے علم کو گزشتہ یوم کے ساتھ مقيد کر کے ایک ایسے امر (یعنی) طلب (شفعہ) کا مدعی ہے جو ایک عارضی امر ہے، اور مشتری امر اصل یعنی سکوت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ / فتح القدیر: کتاب النکاح، باب فی الأولیاء والآکفاء، ج ۲ ص ۲۴۳

سے احتجاج کر رہا ہے لہذا مشتری کا قول قابل اعتبار ہوگا:

الشفیع إذا قال علمت بالبیع أمس وطلبت الشفعة، وقال المشتری  
بل سكت، القول قول المشتری لأن الشفیع بتقیید علمه بالأمس  
یدعی امراً عارضاً وهو الطلب، والمشتری یتمسك بالأصل وهو  
السکوت، فالقول قوله۔<sup>(۱)</sup>

۵.....اگر بکرنے اقرار کیا کہ اس نے زید کا مال چوری کیا ہے یا اس کے پاس زید کا  
مال ہے تو یہ اقرار کافی ہو گا چاہے اس چیز کی پوری وضاحت نہ ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے،  
کیونکہ مجھوں شئی کا اقرار ایسے معابدات کے علاوہ جن میں شئی معہود کا معلوم ہونا ضروری  
ہوتا ہے، صحیح ہوتا ہے اگر اس شئی کی قیمت میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اقرار کرنے والے کا  
قول حلقویہ بیان کے ساتھ معتبر ہو گا اور دوسرے فریق پر بینہ لازم ہو گا۔

## قواعد نمبر (۸)

الاَصْلُ فِي الصِّفَاتِ الْعَارِضَةِ الْعَدْمُ۔<sup>(۲)</sup>

صفات عارضہ کے بارے میں اصل ان کی غیر موجودگی ہے۔

## شرح

صفات دو قسم کی ہوتی ہیں: ۱.....صفات اصلیہ۔ ۲.....صفات عارضہ۔

۱.....ابتداءً جو صفت کسی شئی میں موجود ہو اسے صفت اصلیہ کہتے ہیں۔

۲.....جو صفت بعد میں لاحق ہو گئی ہو اسے صفت عارضہ کہتے ہیں۔

مثلاً فروخت کی ہوئی چیز کا عیب سے پاک ہونا اس کی صفت اصلیہ ہے، بعد میں اگر  
اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو عیب اس کی صفت عارضہ ہے۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲ / فتح القدير: كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، ج ۳  
ص ۲۴۳

(۲) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷ : الأشباه والنظائر: الفن الأول: ص ۶۶

صفات اصلیہ کے بارے میں اصل چیز وجود ہے یعنی بنیادی طور پر صفات اصلیہ کا موجود ہونا ثابت سمجھا جائے گا، اب اگر کوئی شخص ان صفات یا کسی ایک صفت کا انکار کرتا ہے تو اس انکار کرنے والے پر لازم ہو گا کہ دلیل پیش کرے، اور صفات عارضہ کا بنیادی طور پر نہ ہونا ثابت سمجھا جائے گا لہذا اب اگر کوئی شخص کسی چیز میں صفت عارضہ کا پایا جانا بتلاتا ہے تو اس شخص کے لیے لازم ہو گا کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے دلیل پیش کرے۔

## تفریعات

۱..... عقد مضاربہ میں جب دو شریکوں کا نفع کے حصول و عدم حصول میں اختلاف واقع ہوا، رب المال (مال کے مالک) نے کہا ایک ہزار روپیہ کا منافع ہوا ہے اور مضارب (کام کرنے والے) نے کہا کہ کچھ نفع نہیں ہوا، تو اب یہاں حلف کے ساتھ مضارب کا قول معتبر ہو گا اس لیے کہ وہ صفت عارضی کا منکر ہے اس کی نفی کر رہا ہے، اور رب المال کو نفع ثابت کرنے کے لیے شہادت پیش کرنا ہو گی اس لیے کہ وہ خلاف اصل کا مدعی ہے جس کا ثبوت اس کے ذمہ ہو گا:

إِذَا اخْتَلَفَ شَرِيكَا الْمُضَارِبَةِ فِي حَصْولِ الرِّبْحِ وَعَدْمِهِ فَقَالَ رَبُّ  
الْمَالِ رَبَحْتَ أَنْفَأَ، وَقَالَ الْمُضَارِبُ مَا حَصَلَ رِبْحٌ، فَالْقُولُ لِلْمُضَارِبِ  
بِيمِينِهِ لِتَمْسِكِهِ بِالْأَصْلِ وَهُوَ عَدْمُ الصَّفَةِ الْعَارِضَةِ، وَالْبَيْنَةُ عَلَى رَبِّ  
الْمَالِ لِاثْبَاتِ الرِّبْحِ لِأَنَّهُ يَدْعُى خَلَافُ الْأَصْلِ فَيَحْتَاجُ  
لِلْإِثْبَاتِ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر باعث اور مشتری میں اختلاف واقع ہو تو مشتری مبیع کے واپسی کے ارادے سے کہے کہ مبیع میں فلاں قسم کا عیب موجود تھا اور باعث نے اس عیب کے وجود سے انکار کر دیا، تو حلف کے بعد باعث کا قول معتبر ہو گا اور مشتری کے ذمہ شہادت پیش کرنا ہو گا:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۷، ۲۸

فَلَوْ تَنَازَعَ الْمُشْتَرِيُ وَالبَايْعُ، فَقَالَ الْمُشْتَرِيُ يَوْجُدُ فِي الْمُبَيْعِ الْعَيْبُ  
الْغَلَانِيُ قَاصِدًا رَدَهُ عَلَى بَايْعِهِ، وَأَنْكَرَ الْبَايْعَ وَجْهَ الْعَيْبِ، فَالْقُولُ  
قَوْلُهُ بِيَمِينِهِ، وَالْبَيْنَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي۔<sup>(١)</sup>

۳..... اسی طرح اتفاف شئی کی بناء پر جب مدیون کے متعلق دائن یہ دعوے کرے کہ  
وہ اس شئی کو اپنے قبضہ میں رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں صاحب مال تھا، اور مدیون  
اپنے نقر کا قائل ہوا اور دائن کے دعویٰ کا منکر ہو، تو اس صورت میں حلف کے بعد مدیون کا  
قول معتبر ہوگا اور دائن کو ثبوت کے لیے گواہ پیش کرنا ہوں گے اس لیے کہ دائن عارضی صفت  
کا مدعی ہے، انسان اپنی اصل (فطرت) کے لحاظ سے فقیر ہے، چنانچہ اس کے خلاف کسی  
عارضی صفت کا ثبوت بغیر جحت کے قابل قبول نہ ہوگا:

الْمُدَيْوُنُ مِنْ جِهَةِ اِتْلَافٍ إِذَا أَدْعَى الدَّائِنَ يِسَارَةً لِأَجْلِ حَبْسِهِ، وَهُوَ  
يَنْكُرُ ذَلِكَ وَيَدْعُى الْاعْسَارَ فَالْقُولُ قَوْلُهُ بِيَمِينِهِ، وَعَلَى الدَّائِنِ  
الْبَيْنَةُ لِأَنَّ الْيَسَارَ صَفَةٌ عَارِضَةٌ، وَالْأَصْلُ فِي الْإِنْسَانِ الْفَقْرُ فِيْحَاجِ  
فِي اثباتِهَا إِلَى بَرْهَانٍ۔<sup>(٢)</sup>

۴..... اگر کسی شخص نے کسی مرغوب وصف کی شرط کے ساتھ کوئی شئی خریدی پھر اس  
وصف کے وجود و عدم میں فریقین کا اختلاف واقع ہوا تو مذکورہ تفصیل کے مطابق اگر یہ  
اختلاف عارضی صفات میں ہے جیسے روٹی پکانا یا کاتب ہونا، مشری نے کہا کہ یہ کاتب نہیں  
نکلا تا کہ غلام کو واپس کر سکے اور بائع نے کہا کاتب ہے، تو یہاں حلف کے بعد مشری کا قول  
معتبر ہوگا کیونکہ وہ قائل بالاصل ہے اور بائع کے ذمہ ثبوت ہوگا:

لَوْ إِشْتَرَى شَيْئًا بِشَرْطٍ وَصَفَ مَرْغُوبٌ فِيهِ فَاخْتَلَفاً بِوْجُودِ الْوَصْفِ  
وَعَدْمِهِ، فَعَلَى التَّفْصِيلِ: أَنْ كَانَ مِنَ الصَّفَاتِ الْعَارِضَةِ كَالْخَبْزِ  
وَالْكِتَابَةِ، فَقَالَ الْمُشْتَرِيُ لِيَرْدَهُ لِيَسِ كَاتِبًا، وَقَالَ الْبَايْعُ كَاتِبٌ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

فالقول قول المشترى بيمينه لتمسكه بالأصل وعلى البائع

الإثبات۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر عیب سے سلامتی کی شرط پر کسی شئی کو فروخت کیا پھر اس عیب کے وجود اور عدم میں اختلاف ہوا تو چوں کہ باعث صفت اصلیہ کا قائل ہو گا یعنی سلامتی کا تو قول اسی کا معتبر ہو گا اور مشتری کے ذمہ (عارضی صفت کے) ثبوت کے لیے شہادت پیش کرنا لازم ہو گا:

ولو اشتراہ بشرط أنه سليم من العيب فجاء لي رد، و اختلفا في

وجود العيب وعدمه فالقول قول البائع لتمسكه بالصفة الأصلية

وهي السلامة، وعلى المشترى الإثبات۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اس قاعدے کے فروع میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب وکیل کسی شئی (موکله) کو میعادی ادا میگی پر فروخت کرے، اور اس کا موکل کہے کہ میں نے تم کو نقد قیمت پر فروخت کرنے کا حکم دیا تھا اور وکیل نے کہا کہ آپ نے مطلق چھوڑ دیا تھا، اس صورت میں حکم دینے والا (موکل) صادق القول سمجھا جائے گا اس لیے کہ یہ وکالت کی صفت اصلیہ کا قائل ہے، فقہاء نے وکالت کے لیے یہ اصول ”الأصل في الوكالة الخصوص وفي المضاربة العموم“ مقرر کر لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وکالت میں خصوص اور مضاربت میں عموم اصل ہیں:

يتفرع على هذه القاعدة ما لو باع الوكيل نسيئهً فقال موكله

أمرتك ب النقد وقال أطلقت، صدق الأمر لتمسكه بالصفة الأصلية

في الوكالة يعني قولهما: الأصل في الوكالة الخصوص وفي

المضاربة العموم۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸      (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸ / البحر الرائق: كتاب البيع، باب خيار الشرط، اشتري عبدا على أنه خبار، ج ۲ ص ۲۵

۷.....اگر کسی مخصوص بہ ہلاک شدہ شخص میں (مالک اور غاصب) کا اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اگر کسی غاصب کا قول معتبر ہوگا، اور جس شخص سے شخص کیا گیا ہے اس کے ذمہ ثبوت دینا ہوگا یعنی غاصب صفت اصلی "بری الذمة" ہونے سے تمکن کر رہا ہے:

لو اختلافاً في قيمة المقصوب الحالك، فالقول قول الغاصب بيمينه  
وعلى المقصوب منه الإثبات، لتمسكه أى الغاصب بالصفة  
الأصلية وهي براءة الذمة من الزيادة۔<sup>(۱)</sup>

۸.....اگر کسی شخص نے تیل کا سر بند برتن خرید کر اس پر قبضہ کر لیا (یعنی پیک جس کو کھولانہ گیا ہو) پھر جب اس کو کھولا تو اس میں چوہا مراہوا پایا، تو باائع نے اس عیب سے انکار کر دیا یعنی جب تک بیع میرے پاس تھی اس وقت تک یہ عیب اس میں موجود نہیں تھا، تو اس مسئلے میں بھی باائع کا قول اسی وجہ سے معتبر ہوگا جو ہم نے گزشتہ مسائل میں بیان کیا ہے:

ولو إشترى دهنافى آنية ثم قبضها ورأس الآنية كانت مشدودة،  
ففتحها فوجد فيها فارقة ميتة وأنكر البائع أن يكون ذلك عنده،  
كان القول قوله لما قلنا۔<sup>(۲)</sup>

۹.....اگر کسی بیع کے صحیح اور باطل ہونے میں فرق یقین کا اختلاف ہو تو اس فریق کا قول معتبر ہوگا جو بیع کے باطل ہونے کا قائل ہوگا اس لیے کہ عقد بیع ایک امر جدید ہوتا ہے اس کے مقابل عدم بیع اصل ہے:

ولو اختلف المتبایعان في الصحة والبطلان، فالقول لمدعى  
البطلان لأن انعقاد البيع حادث والأصل عدمه۔<sup>(۳)</sup>

۱۰.....اگر مضارب کو نقصان ہو گیا اور صاحب مال کا کہنا ہے کہ مضارب نے کچھ ایسے تصرفات کیے ہیں جن کے کرنے سے میں نے منع کیا تھا، چونکہ مضارب نے میری

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸، ۲۹

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹ / الفتاوی الہندیۃ: کتاب البيوع، الباب الثامن، الفصل الرابع، ج ۲ ص ۹۰

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

بات نہیں مانی اس لیے نقصان ہوا اب مضارب کا فرض ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ نقصان پورا کرے، مگر مضارب کا کہنا ہے کہ صاحب مال نے ان تصرفات سے منع نہیں کیا تھا ایسی صورت میں چوں کہ تصرفات سے منع کرنا ایک صفت عارضہ ہے اس لیے بنیادی طور پر بھی کہا جائے گا منع نہیں کیا صاحب مال کا فرض ہو گا کہ وہ منع ثابت کرنے کے لیے دلیل پیش کرے۔

## قواعدہ نمبر (۹)

مَا ثَبَّتَ بِزَمَانٍ يُحْكَمُ بِبَقَائِهِ مَا لَمْ يُوجَدْ دَلِيلٌ عَلَى خِلَافِهِ۔<sup>(۱)</sup>

جو امر ایک وقت میں ثابت شدہ قرار پاچکا ہے وہ ثابت شدہ ہی رہے گا۔

## شرح

یہ قاعدة ”الأصل بقاء ما كان“ کی وضاحت کرتا ہے کہ زمانہ ماضی میں ایک چیز ثابت ہے اب محض کسی کے کہنے پر اس کو معدوم نہ کیا جائے گا، بنیادی طور پر گذشتہ زمانے میں ایک چیز کا ثبوت اس کے جائز اور صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ کوئی شخص اس کے خلاف با قاعدة دلیل پیش کر دے تو اس میں روبدل کیا جاسکتا ہے۔

## تفريعات

ا..... جو شخص گذشتہ زمانے میں کسی شئی کا قطعی ثبوت کے ساتھ مالک تھا وہ شئی اس کے بعد والے زمانے میں اس کی ملک سے خارج نہیں خیال کی جاسکے گی جب تک کہ ملکیت سے خارج کرنے والا کوئی سبب ثابت نہ ہو جائے جیسے کہ ہبہ کر دینا یا بيع کرنا یا اقرار کر لینا:

فمنْ كَانَ مَالَ كَالْعِينَ مَلْكِيَّةً ثَابِتَةً مَتْحَقِّقَةً فِيمَا مَضِيَ لَا يَخْرُجُ عَنْ مَلْكِهِ فِيمَا بَعْدَ، إِلَّا بِأَثْيَابٍ مَا يَزِيلُهُ بِنَحْوِهِ أَوْ بِبَعْدِهِ أَوْ اقْرَارِهِ۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷۱ : شرح القواعد الفقهية: القاعدة التاسعة، ص ۱۲۱

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

۲..... اگر کسی شخص نے کسی میت کے ذمہ دین کا دعویٰ کر کے اس پر شہادت پیش کر دی تو یہ شہادت کافی بھی جائے گی، اس سے زائد کی ضرورت نہ ہوگی کہ گواہ یہ بھی بیان کریں کہ ابتداء سے لے کر موت کے وقت تک یہ دین میت کے ذمہ باقی تھا:

لو ادعى أحد دينًا في ذمة ميت وشهد به الشهود يكفي ولا حاجة  
لأن يبيّنوا أن هذا الدين باق في ذمته إلى حين وفاته۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص نے ایک ایسے مکان پر دعویٰ کیا جو کسی دوسرے کے قبضہ میں تھا کہ اس مکان کا میں مالک ہوں، اپنے والد کی طرف سے وارث ہوا ہوں اور شاہدوں نے اس امر کی شہادت دی کہ یہ مکان مدعا کے والد کی ملکیت تھا، یہ شہادت مقبول ہوگی اور مکان کا فیصلہ مدعا کے حق میں کر دیا جائے گا، اس مسئلہ میں شاہدوں نے گذشتہ زمانے میں ملکیت کی شہادت دی اور ساتھ ہی استصحاب حال نے اس کی ملک کو لازم کر دیا (جو از ام علی الغیر ہے):

إدعى داراً في يد رجل أنها ملكه ورثها من أبيه، وشهد الشهود أنها كانت ملكاً لأبيه فالشهادة مقبولة ويحكم له فقد شهدوا له بالملكية فيما مضى ووجداً ستصحاب الحال ملزماً، قلنا الحكم هناك ليس بناء على الاستصحاب بل لثبت الملكية ماضياً ولم يوجد من المدعى عليه برهان على زواله عنه۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ایک شخص کے قبضہ میں ایک شئی ہے، ایک خارجی شخص نے ایک معین تاریخ سے اس شئی کے مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور ملکیت کا کوئی سبب ظاہر نہ کیا، اور قابض نے بھی ایک معین تاریخ سے اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کیا اور دونوں فریق نے اپنے اپنے دعووں پر گواہ پیش کر دیئے ان دونوں میں سے ایک کی بیان کردہ تاریخ دوسرے سے مقدم تھی لہذا اسی مقدم تاریخ کے دعویدار کے گواہ قابل سماحت ہوں گے خواہ یہ قابض ہو یا خارج از قبضہ ہو، اب اس مسئلہ میں یہ خیال کیا جائے گا کہ اگر خارج از قبضہ فریق کی تاریخ سابق ہوئی اور

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۶ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰

اس کے حق میں فیصلہ کیا گیا تو (اس کے) استصحاب کو اس کے لیے الزام علی الغیر کی جست قرار دیا گیا ہے یہاں یہ تصور کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ اس صورت میں فریق کی تاریخ سابق ہے اس کے گواہوں نے اس فریق کی ملک کو ایسے وقت میں ثابت کیا ہے کہ اس وقت میں اس کے مقابل کوئی دوسرا ممتاز فریق نہ تھا اس لیے دوسرے پر لازم ہوا کہ وہ کوئی ایسا سبب بیان کرے جو اول کی ملک کے ازالہ کا ذریعہ ہو، پس اس ملک سابقہ ماضیہ کی شہادت ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک مقبول ہوگی:

عین فی يد رجل ادعاهَا خارج أنها ملکه مطلقاً من تاريخ كذا  
بدون بيان سبب، وادعى ذو اليد كذلك أنها ملکه من ذاك،  
وأقاماً بيته، وتاريخ أحد هما أسبق ترجح بيته سواء كان خارجاً أو  
ذا يد، فهل يتوجه في هذا الفرع أن الخارج لو كان تاريخه أسبق،  
وحكم له أن حجته صارت الزاماً على الغير بالاستصحاب، كلا بل  
بيته صاحب التاريخ الأسبق أظهرت الملك له في وقت لا ينزعه  
فيه الخصم فعليه أن يثبت سبباً مزيلـاـ<sup>(۱)</sup>

۵.....ایک مکان کی شخص کے قبضہ میں تھا دوسرے نے اس پر یہ شہادت پیش کی کہ اس نے ایک ہزار روپیہ کی قیمت پر یہ مکان قابض شخص سے خرید لیا تھا اور قیمت نقداً کر دی تھی اور قابض نے یہ گواہ پیش کیے کہ اس نے مدعی سے خرید کر اس کو قیمت ادا کر دی تھی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں شہادتیں ساقط الاعتبار ہوں گی خواہ شاہدوں نے قبضہ کا شہادت میں ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور مکان اسی شخص کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا جن کے قبضہ میں پہلے سے تھا:

دارٌ في يد رجل فأقام آخر البينة أنه اشتراها من ذي اليد بالف  
درهم ونقدة الشمن، وأقام ذو اليد البينة أنه اشتراها من المدعى  
ونقدة فعلى قول أبي حنيفة وأبى يوسف تتهاجر البيستان سواء  
شهدوا بالقبض أو لم يشهدوا وتترك في يد ذي اليد<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۰

(۲) المبسوط للسرخسی: كتاب الدعوی، باب اختلاف الأوقات في الدعوی، ج ۱ ص ۵۶

## قاعدہ نمبر (۱۰)

اَلَا صُلُّ اِضَافَةُ الْحَادِثِ إِلَى أَقْرَبِ أَوْقَاتِهِ۔<sup>(۱)</sup>

اصل ہے کہ حادث کی نسبت قریب وقت کی طرف ہو۔

### شرح

اگر کوئی واقعہ پیش آیا مگر اس کے بیان کرنے والے ایک سے زائد ہیں اور ان میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کس وقت پیش آیا، تو جس کا بیان زیادہ قریب وقت سے متعلق ہوتا واضح ثبوت نہیں کی صورت میں کہ یہ کب واقع ہوا تو اس کی نسبت زمانہ حال سے قریب وقت کی طرف کی جائے گی۔

### تفريعات

ا..... ایک شخص نے اپنے ورثاء میں سے کسی وارث کے حق میں اپنی ذات پر اس کے دین کے (وجوب) کا اقرار کیا، اس اقرار کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، اب باقی ورثاء نے اس اقرار کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ اقرار مرض موت میں کیا گیا تھا، اور جس کے حق میں اقرار کیا تھا اس نے کہا کہ صحت کی حالت میں کیا گیا تھا، اس حالت میں ورثاء کا قول معتبر ہو گا اور مقرله پر (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) بینہ (گواہ) پیش کرنا لازم ہو گا کیونکہ مرض الموت قریب وقت ہے، اور اصول یہ ہے کہ حادثہ کی نسبت قریب وقت کی طرف کی جائے گی:

استوضح هذا فيمن اقر بدين لأحد ورثته ثم توفي فادعى باقى الورثة أن الاقرار كان في مرض الموت فهو غير صحيح، والمقر له أنه في حال الصحة، فالقول للورثة مع اليمين، والبينة على المقر

(۱) الأشباه والناظر: الفن الأول، ص ۶۷ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷۷

لہ لأن الحادث يضاف الى اقرب أوقاته۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک خریدار نے خریداری کے وقت بیع پر قبضہ کرنے سے قبل باائع کو ان تمام عیوب سے بری کر دیا جو عقد کے وقت موجود ہوں، پھر قبضہ کرنے کے بعد کسی عیوب کی بناء پر بیع کی واپسی کا ارادہ کیا اس وقت باائع نے کہا کہ یہ عیوب عقد بیع کے وقت موجود تھا اور (تمہاری) براءت میں داخل ہے، اور خریدار نے کہا کہ یہ عیوب عقد کے بعد میرے قبضہ کرنے سے قبل پیدا ہوا ہے (براءت کے وقت موجود نہ تھا) اس صورت میں خریدار کا قول معتبر ہو گا اس لیے کہ خریدار کی براءت ان عیوب سے تھی جو عقد کے وقت میں موجود ہوتے (ان عیوب سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو اس کے بعد پیدا ہوں) اور مشتری (خریدار) ایسے عیوب کا دعویٰ کر رہا ہے جو بیع کے قریب تر زمانے میں پیدا ہوا ہو اور باائع اس سے بعید تر زمانہ کا، لہذا ظاہر مشتری کے قول کا شاہد ہے اس لیے کہ بیع میں عیوب کا نہ ہونا اصل ہے اور وجود عارضی امر ہے، اس لیے وصف موجود کی نسبت دوزمانوں میں سے قریب تر زمانے کی طرف کی جائے گی کیونکہ قاعدہ یہی مقرر ہے چونکہ خریدار کا دعویٰ اسی امر کا ہے لہذا اس کا قول معتبر ہو گا:

ومن فروع القاعدة مالو ابرا المشتري البائع قبل قبض المبيع من كل عيب يكون عند العقد ثم بعد القبض أزاد ردّه بعيوب، فقال  
البائع كان موجوداً عندك العقد فدخل تحت البراءة وقال  
المشتري بل هو حادث عند بعد العقد قبل أن أقبضه، فالقول  
قول المشتري لأن البراءة المقيدة بحال العقد لا تتناول إلا  
الموجود حالة العقد والمشتري يدعى العيب لأقرب الوقتين،  
والبائع يدعى لأبعدهما، فكان الظاهر شاهداً للمشتري وهذا  
لأن عدم العيب أصلٌ والموجود عارضٌ، فكان حالة الموجود إلى

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

أقرب الوقتين أقرب إلى الأصل، والمشتري يدعى ذلك فكان  
القول قوله۔<sup>(۱)</sup>

۳..... کسی شخص کے قبضہ میں ایک جانور تھا وسرے شخص نے اس سے کہا کہ جس وقت میں نے اس کی آنکھ پھوڑی تھی اس وقت یہ باائع کی ملک میں تھا، اور مشتری نے کہا تو نے جانور کی آنکھ اس وقت ضائع کی جبکہ یہ جانور میری ملکیت میں تھا، تو یہاں مشتری کا قول معتبر ہوگا، لأن الأصل اضافة الحادث الى أقرب أو قاته۔

ومنها لو كان في يد رجل دابة، فقال رجلٌ فقات عينها وهي في ملك البائع وقال المشتري فقاتها وهي في ملكي فالقول للمشتري۔<sup>(۲)</sup>

۴..... ان فروع کے متحملہ یہ مسئلہ بھی ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کو مہر سے بری کرنے کے بعد فوت ہو گئی، شوہر نے کہا کہ اس نے اپنی صحبت کی حالت میں مہر معاف کیا تھا اور زوجہ کے ورثاء نے کہا کہ اپنے مرض کی حالت میں کیا تھا، فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ورثاء کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مہر کا ہبہ (معاف کردینا) وصفِ جدید ہے جس کی نسبت موت کے قریب تر زمانے کی طرف کی جائے گی اور وہ حالت مرض ہے:

ومنها ماتت بعد ان وهبت مهر ها لزوجها، فقال الزوج وهبت حال صحتها، وقالت الورثة حال مرضها، ففي الخانية القول للورثة لأن الھبة حادثة فتضاعف لأقرب الأوقات من الموت وهو حال المرض۔<sup>(۳)</sup>

۵..... مطلقہ عورت کا دعویٰ ہے کہ اس کو خاوند نے مرض الموت میں طلاق دی تھی اس لیے وراثت میں اس کا بھی حصہ ہے، مگر وسرے ورثاء کہتے ہیں کہ مرض الموت سے پہلے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲ / بداع الصنائع: كتاب البيوع، خيار الشرط، ب ۵ ص ۲۸

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

طلاق دی گئی تھی اس لیے وراثت میں اس کو حصہ نہیں ملے گا، اور کوئی خارجی شواہد ایسے نہیں ہیں کہ جن کے پیش نظر کسی ایک بیان کو ترجیح دی جاسکتی ہو تو یہ ضابطہ لا گو ہو گا اور عورت کا بیان معتبر ہو گا کیونکہ یہ قریب وقت بتلا رہی ہے، اور اصول ہے کہ حادثہ کی نسبت میں قریب وقت کی طرف کی جائے گی:

إذا أدعى الزوجة أن زوجها طلقها طلاقاً الفارأثناء مرض الموت

وطلبت الارث والورثة أدعوا طلاقها في حال صحته وأن لاحق لها

بالارث فالقول للزوجة لأن الأمر الحادث المختلف على زمن

وقوعه هنا هو الطلاق فيجب أن يضاف إلى الوقت الأقرب وهو

مرض الموت الذي تدعى الزوجة مالم يقدم الورثة البينة۔<sup>(۱)</sup>

۶..... کسی مسلمان شخص کا انتقال ہوا جس کے نکاح میں نصرانیہ عورت ہو، اب عورت کہے کہ وہ قبل از وفات شوہر مسلمان ہو گئی تھی، جبکہ ورثاء کہیں کہ یہ بعد از وفات شوہر مسلمان ہوئی ہے تو ورثاء کی بات تسلیم کی جائے گی، لأن الأصل اضافة الحادث إلى أقرب أوقاته۔

لو مات مسلم و تحته نصرانیہ فجاءت مسلمة بعد موته و قالت

اسلمت قبل موته، و قالت الورثة: أسلمت بعد موته فالقول

لهم۔<sup>(۲)</sup>

۷..... ایک شخص نے اپنے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی دیکھی مگر وہ یہ معلوم کرنے سے قاصر ہے کہ یہ نجاست کب لگی ہے، تو اس کی نسبت قریب وقت کی طرف کرتے ہوئے ہیں کہا جائے گا کہ اس نے ابھی جو نماز ادا کی صرف وہی لوٹائے:

لورای فی ثوبه نجاست وقد صلی فیه ولا یدری متى أصابته

يعيدها من آخر حدث أحدثه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) درر الحكم شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۸

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۲۸

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۱۷

۸.....اگر والد نے اپنے بیٹے کی جائیداد فروخت کی، اب بیٹے نے دعویٰ کیا کہ والد نے میری بلوغت کے بعد اس جائیداد کو فروخت کیا لہذا اس وجہ سے یہ بیع درست نہیں ہے، جبکہ والد یہ دعویٰ کر رہا ہے میں نے بیٹے کی بلوغت سے پہلے اس کو فروخت کیا، تو اس صورت میں بیٹے کا قول معتبر ہو گا اسی اصول کے پیش نظر کہ بلوغت کا زمانہ قریب ہے ہے بہ نسبت قبل البلوغت کے زمانے کے، لہذا حادثہ کی نسبت قربی وقت کی طرف کی جائے گی:

لوباء الأب مال ولده وادعى الولد على والده أنه باع ماله بعد  
بلوغه وأن البيع غير صحيح لهذا السبب، والأب انكر وقوع البيع  
منه بعد البلوغ فيما أن البلوغ أقرب زمناً من قبل البلوغ فالقول  
للابن۔<sup>(۱)</sup>

۹.....ایک شخص کے قبضے میں غلام تھا دوسرے نے اس سے کہا جس وقت میں نے اس کی آنکھ پھوڑی تھی اس وقت یہ باائع کی ملکیت میں تھا، جبکہ مشتری نے کہا تو نے اس غلام کی آنکھ اس وقت ضائع کی جبکہ یہ میری ملکیت میں تھا، تو مشتری کا قول معتبر ہو گا اس لیے کہ وہ حادثہ کی نسبت قربی وقت کی طرف کر رہا ہے:

لو كان في يد رجل عبد فقال رجل: فقات عينه وهو في ملك  
البائع وقال المشترى فقاتها وهو في ملكي، فالقول للمشتري۔<sup>(۲)</sup>

۱۰.....کنویں میں چوہا گرا ہوا پایا گیا اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ چوہا کب اس کنویں میں گرا ہے، تو امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اس ضابطے پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سے کنویں کی ناپاکی کا علم ہوا ہے اس وقت سے اس کو ناپاک شمار کیا جائے گا اس لیے کہ اصول یہی ہے کہ حادثہ کی نسبت قربی وقت کی طرف کی جائے حتیٰ کہ اگر اس کے پانی سے کپڑے دھوئے ہوں یا وضو کر کے نماز ادا کی ہو تو اس کا اعادہ واجب نہ ہو گا، مگر

(۱) درر الحكم شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۸

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر چوہا پھول پھٹانہ ہو تو ایک روز کی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا اور اگر پھول پھٹا ہو تو تین روز کی نمازوں کا اعادہ واجب ہوگا، امام صاحب کا قول عبادات میں احتیاط کے پیش نظر احسان پر مبنی ہے:

وقد عمل الشیخان بهذه القاعدة، فحكمها بنجاسة البئر إذا وجدت  
فيه فارة ميته من وقت العلم بها غير إعادة شيء، لأن وقوعها حادث  
فيضاف إلى أقرب أوقاته و خالف الإمام الأعظم فالستحسن إعادة  
صلوة ثلاثة أيام إن كانت منتفخة أو متفسخة وإلا فمنذ يوم و  
ليلة عملاً بالسبب الظاهر دون الموهوم احتياطاً۔<sup>(۱)</sup>

## قواعد نمبر (۱۱)

**الْأَصْلُ فِي الْكَلَامِ الْحَقِيقَةِ۔**<sup>(۲)</sup>  
کلام میں اصل یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لیے جائیں۔

## حقیقت کا لغوی معنی

الحقيقة لغة من حق الشيء إذا ثبت۔  
حقیقت کا لغوی معنی کسی لفظ کا اپنے اصل مقام پر ثابت و قائم رہنا۔

## حقیقت کا اصطلاحی معنی

اللفظ المستعمل فيما وضع له أى تعين له بحيث يدل عليه بغير  
قرينة۔<sup>(۳)</sup>

کسی لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جس کے لیے اس کو وضع کیا گیا ہو یہ معنی اس لفظ  
کا ایسا واضح ہو کہ کسی قرینے کے بغیر ہی اس لفظ سے سمجھ میں آجائے۔

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۶۷

(۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۲ / كشف الأسرار: باب أفعال النبي صلى الله عليه وسلم،

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

## شرط

لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں حقیقت اور مجاز، جب لفظ بنانے والے نے لفظ بنایا اور اس کا ایک معنی متعین کر دیا تو یہ پہلا متعین کردہ معنی حقیقت کہلاتا ہے لیکن بعد میں وہ لفظ کئی اور معنوں میں استعمال ہونے لگا تو یہ دوسرے معانی مجاز کہلاتا میں گے، مثلاً لفظ "سبع" جس کا حقیقی معنی درندہ ہے مگر ظالم انسان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو ایسا استعمال مجاز ہوتا ہے ضابطہ یہ ہے کہ کلام میں جو الفاظ درج ہیں ان کا حقیقی معنی مراد لئے جائیں گے جہاں تک ممکن ہوگا، اور اگر کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ رہے تو اس کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا مثلاً کوئی شخص جنگل میں گیا اور واپس آ کر کہتا ہے کہ "میں نے ایک درندہ دیکھا" تو یہاں درندہ کا حقیقی معنی ہی سمجھا جائے گا، اور اگر دو افراد آمنے سامنے بیٹھے ہوں اور ان میں سے ایک کہتے "میرے سامنے درندہ بیٹھا ہے" تو یہاں درندہ کا حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے اس لیے لازماً یہاں مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے اولاد کے کے لیے کوئی چیز وقف کی تو اگر اس وقف کرنے والے کی اپنی اولاد موجود ہے تو وقف میں وہی داخل ہوگی، لیکن اگر اپنی حقیقی اولاد موجود نہیں ہے تو پھر (مجازی معنی کی حیثیت میں) پوتا وغیرہ داخل ہوں گے:

فلو وقف على ولده لا يدخل ولد ولده ان كان له ولد لصلبه،  
فإن لم يكن له ولد لصلبه استحقه ولد الابن لأن اسم الولد حقيقةٌ

في ولد الصلب۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کوئی شخص زید کی اولاد کے لیے وصیت کرے تو اس وصیت میں زید کی صلبی اولاد داخل ہوگی، اور اگر صلبی اولاد موجود نہ ہو تو پھر اولاد کی اولاد داخل ہوگی کیونکہ اولاد کا حقیقی

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۵: الأشباء والناظائر: الفن الأول، ص ۷۲

معنى انسان کی اپنی صلبی اولاد ہے:

ومثله لو أوصى لولد زيد۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی کے جزئیات میں وہ تمام مسائل شامل ہیں جن میں معاملات کی نسبت وکیل کی ذات کی طرف کی جا سکتی ہو، مثلاً کہے میں بیع نہ کروں گا، خریداری نہ کروں گا، اجارے پر نہ دوں گا نہ لون گا، مال کے عوض صلح نہ کروں گا، اپنے لڑکے کو نہ ماروں گا، ان تمام صورتوں میں اس وقت تک حافظ نہ ہو گا جب تک بذات خود ان کے خلاف نہ کرے، اگر وکیل بنَا کراس کے خلاف کیا تو قسم کا توڑنے والا نہ سمجھا جائے گا کیونکہ کلام کا حقیقی معنی یہی ہے کہ اپنی ذات سے ایسا نہ کرے اور وکیل کے ذریعہ اس کلام کا مجازی معنی ہے (جب تک حقیقی معنی ممکن ہے مجازی معنی مراد نہ لیا جائے گا):

ومنها لو حلف لا يبيع ولا يشتري ولا يؤجر ولا يستأجر او  
لا يصلح عن مال اولا يقاسم، وهكذا في كل عقد يصح فيه  
اضافة الوكيل إلى نفسه، ولا يضرب ولده لم يحنث إلا  
بال مباشرة، ولا يحنث بالتوكيل لأنها الحقيقة وهو مجاز إلا أن  
يكون مثله لا يباشر ذلك الفعل فيحنث بهما وان كان يباشره مرة  
ويوكل فيه أخرى يعتبر الأغلب۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر کسی نے کہا یہ دار زید کے لیے ہے تو یہ اس کے لیے ملک کا اقرار ہے، اس کے بعد اگر وہ یہ کہتا ہے کہ میری اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا مسکن ہے تو اس کے اس قول و مراد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ "الأصل في الكلام الحقيقة" ،

لو قال هذه الدار لزيد كان إقرار بالملك له حتى لو ادعى أنها

مسكنه لم يقبل<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۵ . الأشباء والنظائر: الفن الأول، ص ۷۲

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۵ . الأشباء والنظائر: الفن الأول، ص ۷۳

(۳) الأشباء والنظائر: الفن الأول، ص ۷۳

۵.....اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اس بکری میں سے نہیں کھائے گا پس اگر اس نے اس بکری کا گوشت کھایا تو حانت ہو جائے گا اس لیے کہ یہی اس کا حقیقی معنی ہے، اور اگر اس کا دودھ پیا تو حانت نہیں ہوگا اس لیے کہ کلام کے اندر اصل یہی ہے کہ اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے:

لو حلف لا يأكل من هذه الشاة حنت بلحمة لأنه الحقيقة دون  
لبنها ونتائجها لأنه مجاز۔<sup>(۱)</sup>

۶.....اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس گندم کے دانے کو نہیں کھائے گا پس اگر اس نے عین گندم کے دانے کو کھایا تو حانت ہو جائے گا، اور اگر اس کی بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانت نہ ہوگا:

لو حلف لا يأكل من هذه الحنطة، فإنه يحنث بأكل عينها  
للإمكان فلا يحنث بأكل خبزها۔<sup>(۲)</sup>

۷.....اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ ظہر کی نماز نہیں پڑھے گا تو جب تک وہ چار رکعت نہ پڑھے تو وہ حانت نہیں ہوگا کیونکہ اصل کلام کے اندر حقیقی معنی ہے:

لو حلف لا يصلى الظهر لم يحنث إلا بالأربع۔<sup>(۳)</sup>

۸.....اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں کوئی نماز نہیں پڑھوں گا تو جب تک قعده کے ساتھ دور کعتیں نہ پڑھ لے حانت نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے اس جملے سے ایسی نماز مراد ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہوا ایسی نماز کی کم از کم دور کعتیں ہوتی ہیں اس لیے کہ صرف ایک رکعت (طاق) سے حدیث میں ممانعت منقول ہے:

لو حلف لا يصلى صلاة لا يحنث مالم يصل ركعتين لأنه يراد به  
الصلوة المعتبرة شرعاً وقلهار ركتان للنهي عن البتيراء۔<sup>(۴)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۲۳ (۲) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۲۳

(۳) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۲۴

(۴) الهدایة: كتاب الأيمان، باب اليمين في الحج والصلوة والصوم، ج ۲ ص ۲۹۵

## قاعدہ نمبر (۱۲)

لَا عِبْرَةَ بِالدَّلَالَةِ فِي مُقَابَلَةِ التَّصْرِيحِ۔ (۱)  
صراحة کے مقابلے میں کوئی دلالت قابل اعتبار نہ ہوگی۔

### شرح

یعنی جو معنی کسی کلام سے صراحة کے ساتھ سمجھہ میں آتا ہوا اس کے مقابلے میں اس معنی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو اس کلام سے دلالت سمجھا جاتا ہو، چنانچہ جس موقع پر مذکورہ ہر دو معنوں میں تعارض ہو وہاں صراحة کے مقابلے میں دلالت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا لیکن اگر تعارض نہ ہو تو پھر وہ معنی جس پر کلام دلالت کر رہا ہے قابل عمل ہوگا جس طرح کہ صریح معنی قابل عمل ہوتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَّ وَرِثَةٌ أَبْوَادٌ فَلِأُمِّهِ الْثُلُثُ (نساء: ۱۱)

اس آیت میں میت کی والدہ کے لیے ایک تہائی ترکہ مخصوص کر دیا گیا ہے، یہ تخصیص اس امر کا بیان ہے کہ باقی تر کے کاستحق بap ہو جائے گا، حالانکہ آیت (بap کے کل ترکے کے استحقاق سے) ساکت ہے، اب اگر آیت میں اس کے خلاف صراحة موجود ہوتی تو اس دلالت کے مقابلے میں وہی قابل اعتبار ہوتی (دلالت کو وہاں ترک کر دیا جاتا) یہی طریقہ ہر اس مقام پر ہوگا جہاں صراحة اور دلالت کا مقابلہ پیش آئے:

وهو قسم من أقسام بيان الضرورة المذكورة في الأصول، كقوله تعالى "فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَّ وَرِثَةٌ أَبْوَادٌ فَلِأُمِّهِ الْثُلُثُ" تخصيص الأم بالثلث، بيانٌ لكون الأب يستحق الباقى ضرورة مع أنه

(۱) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷۱ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية عشرة، ص ۱۳۱

مسکوت عنہ فلو فرض تصریح بخلاف ذلك یکون أولی من الدلالۃ وهکذا کل صریح مع الدلالۃ۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دی، وہاں اس نے گلاس پانی پینے کے لیے رکھا دیکھا تو یہ دلالۃ اجازت ہو گئی کہ وہ پانی پی سکتا ہے، اب اگر اس نے گلاس پانی پینے کے لیے اٹھایا اور گلاس ٹوٹ کر گر گیا تو اس پر گلاس کا ضمان عائد نہ ہو گا، لیکن اگر مکان والے نے اس کو مکان میں داخل ہونے کی اجازت تودے دی مگر یہ بھی کہہ دیا کہ پانی نہ پینا، اس کے بعد بھی اس نے گلاس لے کر پانی پینا شروع کیا اور گلاس ٹوٹ گیا تو گلاس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، چنانچہ جب صراحةً منع نہ کیا گیا ہو تو شریعت کی طرف سے دلالۃ پانی پینے کی اجازت ثابت ہے اس لیے اس شخص پر ضمان نہ ہو گا، بخلاف اس صورت کہ جبکہ صراحةً کے ساتھ منع کیا گیا ہو تو اس وقت یہ صراحةً اس دلالت کو باطل کر دے گی اور صراحةً کے مقابلے میں دلالت کا حکم مرتب نہ ہو گا:

إِذَا دَخَلَ شَخْصٌ دَارَ آخِرَ بِأَذْنِهِ، فُوجِدَ إِنَّاءً مَعْدَالاً لِلشَّرِبِ فَهُوَ أَذْنٌ  
بِالشَّرِبِ دَلَالَةً، فَإِذَا أَخْذَ ذَلِكَ الْإِنَاءَ لِيَشْرِبَ بِهِ فَوْقَعَ مِنْ يَدِهِ وَهُوَ  
يَشْرِبُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَأَمَّا إِذَا أَنْهَى صَاحِبُ الدَّارِ عَنِ الشَّرِبِ ثُمَّ  
أَخْذَهُ لِيَشْرِبَ بِهِ فَوْقَعَ مِنْ يَدِهِ فَانْكَسَرَ ضَمَانُ قِيمَتِهِ، فَفِي صُورَةِ  
عَدَمِ التَّصْرِيحِ بِالنَّهِيِّ هُوَ مَأْذُونٌ شَرِعاً بِالدَّلَالَةِ، وَالْجَوازُ الشَّرِيعِيُّ  
يَنَافِي الضَّمَانَ، بِخَلَافِ التَّصْرِيحِ بِالنَّهِيِّ فَإِنَّهُ يَعْدِمُ الدَّلَالَةَ فَلَا  
حَكْمٌ لَهَا فِي مُقَابِلَتِهِ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ہمارے ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک عاریت پر لینے والا (کسی دوسرے کو)

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۸

عاریت پر دینے کا حق رکھتا ہے، لیکن اگر مالک کی طرف سے (مزید) عاریت پر دینے کی صراحةً ممانعت کر دی گئی ہو تو اب اس کو (دوسرا کو) عاریت پر دینے کا حق حاصل نہ ہوگا:

والمستعير يملك الاعارة في الجملة عند أئمتنا، فإذا أنها صريحة  
عن الاعارة لا يملكها۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر ایک شخص نے اپنی کنیز کو تجارت کی اجازت دے دی ہو اور پھر یہ شخص اس کو اپنی ام ولد بنالے (یعنی اس سے آقا کا بچہ پیدا ہو جائے) تو یہ عمل دلالۃ اس کنیز کے لیے تجارت سے ممانعت قرار پائے گا، اس لیے کہ تجارت کے سلسلہ میں اس کنیز کو بازار آنے جانے کی ضرورت پیش آتی رہے گی اور ام ولد کنیزوں کو عادۃ باہر نکلنے سے روک دیا جاتا تھا، لہذا آقا کا یہ عمل (اولاد کا پیدا کرنا) دلالۃ ممانعت کردینا تصور کیا جائے گا، اب اگر اس کے بعد صراحةً اجازت دے دی گئی ہو تو اب دلالۃ ناقابل اعتبار ہو گی، اور کنیز صاحب اجازت متصور ہو گی کیونکہ صراحةً دلالۃ سے قوی ہوتی ہے:

وإذا كان لرجل جارية مأذونة بالتجارة فاستولدها في الاستحسان  
هو حجر لها دلالة، قبل في البدائع: لأن التجارة لا بد لها من  
الخروج إلى الأسواق وأمهات الأولاد ممنوعات عن الخروج في  
العادات، فكان الاستيلاد حجراً دلالة فإذا صرخ بالاذن تبقى  
مأذونة لأن الصريح أقوى من الدلالة۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اگر ایک دائن نے اپنے مديون کو قرض سے سکدوں کیا اور مديون اس موقع پر خاموش رہا یہ بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن اگر صراحةً کے ساتھ رد کر دیا تو سکدوں کی رد ہو جائے گی، دین ذمہ پر بستور قائم رہے گا مديون کا سکوت دلالۃ قبول تھا، لیکن رد کر دینا صراحةً عدم قبول ہے اور صراحةً دلالۃ سے قوی ہوتی ہے:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۸

ولو أبرا مديونه فسكت يبرا، ولو رده ارتد لأن السكوت قبول

(۱) للابراء دلالة، والرد عدمه صريحًا فهو أقوى۔

۵..... باع كمبوع كـيـمـيـت وصولـكـنـهـ كـلـيـمـيـعـ كـوـاـپـنـهـ پـاـسـ روـكـ لـيـنـهـ كـاـحـقـ حـاـصـلـهـ، اـگـرـ خـرـيـدـارـ نـهـ باـعـ كـرـيـهـ رـوـبـرـوـ بـيـعـ پـرـ قـبـضـهـ كـيـاـ اوـرـ باـعـ خـامـوشـيـ سـےـ دـيـکـھـتـارـهـاـ يـاـ خـامـوشـيـ قـبـضـهـ كـيـ (دـلـالـةـ) اـجـازـتـ هـوـگـيـ، لـيـكـنـ اـگـرـ منـعـ كـرـدـيـاـ توـاـسـ صـراـحتـ كـمـقـاـبـلـهـ مـيـںـ وـهـ دـلـالـتـ كـاـاـذـنـ قـاـيـلـ اـعـتـهـارـنـهـ رـهـ گـاـ كـيـونـكـهـ صـراـحتـ دـلـالـتـ سـےـ قـوـيـ هـوـتـيـ هـےـ:

ولـلـبـائـعـ حـبـسـ الـمـبـيـعـ لـقـبـضـ ثـمـنـهـ، فـلـوـ قـبـضـهـ الـمـشـتـرـىـ وـرـاءـ الـبـائـعـ،

وسـكـتـ كـانـ اـذـنـأـ بـالـقـبـضـ وـلـوـ نـهـاـهـ فـلـاـ، لـأـنـ الصـرـيـحـ أـقـوىـ مـنـ  
(۲) الدـلـالـةـ۔

۶..... اـگـرـ باـپـ نـهـ اـپـنـيـ بالـغـهـ لـڑـکـيـ كـےـ مـہـرـ پـرـ قـبـضـهـ كـيـاـ اوـرـ لـڑـکـيـ نـهـ اـسـ وقتـ خـامـوشـيـ اختـيـارـكـيـ اـسـ كـيـ خـامـوشـيـ قـبـضـهـ كـيـ اـجـازـتـ هـوـگـيـ اوـرـ شـوـہـرـ مـہـرـ سـےـ بـرـیـ الـذـمـهـ هـوـجـائـےـ گـاـ، لـيـكـنـ اـگـرـ لـڑـکـيـ نـهـ صـراـحتـ كـےـ سـاتـھـ منـعـ كـرـدـيـاـ توـنـهـ قـبـضـهـ جـائزـ هـوـگـاـ اوـرـ نـهـ شـوـہـرـ اـدـاـيـگـيـ مـہـرـ سـےـ بـرـیـ الـذـمـهـ هـوـگـاـ:

ولـوـ قـبـضـ الـأـبـ مـہـرـ اـبـنـتـهـ الـبـالـغـةـ مـنـ الزـوـجـ فـسـكـتـتـ كـانـ سـكـوتـهـ

اـذـنـأـ بـالـقـبـضـ، وـيـبـرـاـ الزـوـجـ، وـلـوـ صـرـحـتـ بـالـنـهـيـ لـاـ يـجـوزـ القـبـضـ  
(۳) عـلـيـهـاـ وـلـاـ يـبـرـاـ الزـوـجـ۔

۷..... اـگـرـ ايـكـ شخصـ نـهـ اـپـنـيـ جـائـيدـ اـفـرـوـختـ كـيـ اـسـ خـصـ كـيـ زـوـجـهـ اوـرـ اـوـلـادـ وـدـيـگـرـ اـقـارـبـ مـوـجـودـ تـھـيـ اوـرـ خـامـوشـ رـهـ، اـسـ كـےـ بـعـدـ انـ حـاضـرـينـ مـيـںـ سـےـ کـيـ فـرـدـ نـےـ مشـتـرـىـ پـرـ اـسـ جـائـيدـ اوـكـاـ دـعـوـيـ كـيـاـ توـيـهـ دـعـوـيـ قـاـيـلـ سـاعـتـ نـهـ هـوـگـاـ:

ولـوـ باـعـ عـقـارـاـ وـاـمـرـأـهـ اوـ وـلـدـهـ اوـ بـعـضـ اـقـارـبـهـ حـاضـرـ فـسـكـتـ، ثـمـ

(۲) شـرـحـ المـجـلـةـ: الـمـقـاـلـةـ الثـانـيـةـ، صـ ۲۹

(۱) شـرـحـ المـجـلـةـ: الـمـقـاـلـةـ الثـانـيـةـ، صـ ۲۹

(۳) شـرـحـ المـجـلـةـ: الـمـقـاـلـةـ الثـانـيـةـ، صـ ۲۹

أن الساكت الحاضر وقت البيع ادعاه على المشترى لا تسمع

(۱) دعواه۔

۸.....اگر باع نے تھال میں چند اشیاء رکھ کر لوگوں سے کہا کہ وہ دیکھیں اور خریدیں، تو کسی نے ان میں سے ایک چیز دیکھنے کے لیے اٹھائی اور باع نے منع بھی نہیں کیا، بعد میں اتفاقاً بغیر کسی نظر پر ارادت کے وہ چیز ٹوٹ گئی تو خریدار پر تاوان واجب نہیں ہوگا، ہاں اگر باع کوئی چیز ہاتھ میں اٹھانے سے منع کر دیتا پھر بھی خریدار اٹھا لیتا تو چوں کہ صراحتاً اجازت نہیں تھی اس لیے خریدار ضامن ہوتا اس کو تاوان ادا کرنا ہوتا، چاہے چیز کے توڑنے میں اس کا قصور نہ بھی ہو یعنی وہ چیز اٹھا کر دیکھ رہا تھا دوسرے شخص نے گزرتے ہوئے اس کو کندھا مارا وہ چیز گر کر ٹوٹ گئی تو بھی عدمِ اجازت کی صورت میں خریدار ضامن ہوگا، خریدار یہ نہ کہہ سکے گا کہ باع نے جب یہ چیزیں سجا کر رکھی ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ اس نے دیکھنے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے سے منع کی صراحت موجود ہے اس لیے قرآن اور اشارات اس صراحت کے مقابلے میں معبر نہیں ہوں گے۔

### قاعدہ نمبر (۱۳)

لَا مَسَاغٌ لِلْإِجْتِهَادِ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ۔ (۲)

جهان نص موجود ہو وہاں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

### اجتہاد کا لغوی معنی

اپنی تمام ترقوت کے ساتھ اپنی تمام تر کوششوں کو کسی فعل کے انجام دینے میں صرف کرنا، اور یہ صرف اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں کسی فعل کے کرنے میں مشقت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۹

(۲) مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷۱ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة عشرة، ص ۱۳۷

اٹھانی پڑے، چنانچہ حکمی کا پاث اٹھانے کے موقع پر کہا جاسکے گا ”اجتهد فی حمله“ میں نے اس کے اٹھانے میں بڑی محنت کی لیکن رائی کا دانہ اٹھاتے وقت ”اجتهد“ استعمال نہیں کیا جاسکتا:

الاجتہاد لغةً عبارۃ عن بذل المجهود واستفراغ الوسع في فعل من  
الافعال ولا يستعمل إلا بما فيه كلفة وجهد فيقال اجتهد في حمل  
حجر الرحى ولا يقال اجتهد في حمل خردلة۔<sup>(۱)</sup>

### اجتہاد کا اصطلاحی معنی

احکام شرعیہ کے دریافت اور استنباط و استخراج میں پوری محنت اور جدو جہد اس طرح صرف کرنا کہ اس سے زیادہ محنت کرنے میں انسان اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرے:

الاجتہاد التام أن یبذل الوسع في الطلب بحيث یحس من نفسه  
العجز عن مزيد طلب۔<sup>(۲)</sup>

### اجتہاد کا حکم

واما حکمه فهو غلبة الظن بالحكم مع احتمال الخطاء۔<sup>(۳)</sup>

### مجتہد کو تمام مسائل کا علم ہونا شرط نہیں

مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اسے ہر ہر مسئلہ کا علم ہو، امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۷۶۹ھ) سے ۳۰ سوال پوچھئے گئے آپ نے ۳۶ کے جواب میں ”لا ادری“ فرمایا، بہت سے مسائل کے جواب میں امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۷۰۳ھ) نے ”لا ادری“ فرمایا، بہت سے ایسے مسائل موجود ہیں جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توقف کیا یہاں تک

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰      (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۳۰

(۳) البحر الرائق: کتاب القضاء، الفاسق يصلح مفتیاً، ج ۶ ص ۲۸۸

کہ بعض علماء نے فرمایا جو شخص ہر ہر مسئلے کا جواب دے سمجھ لیا وہ مجنون ہے:

ولیس من شرط المجتهد ان یکون عالمًا بكل مسألة ترد عليه  
فقد سئل مالک عن اربعين مسألة فقد قال في ست وثلاثين لا  
أدرى، وكثيراً ما يقول الشافعى لا أدرى، توقف كثير من الصحابة  
في مسائل وقال بعضهم من أفتى في كل مسائل عنه فهو  
مجنون۔<sup>(۱)</sup>

کن مسائل میں اجتہاد جائز ہے

ہر وہ مسئلہ جس میں شارع کی طرف سے نص موجود ہو تو مجتهد کے لیے اس میں اجتہاد  
کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ فرعی احکام میں اجتہاد یا قیاس کے جواز کے لیے شرط یہ ہے  
کہ شارع کی طرف سے کوئی نص موجود نہ ہو:

كثُل مسألة ورد فيها نص من الشارع لا يجوز للمجتهدين أن  
يجهدوا فيها لأن جواز الاجتہاد أو القياس في الفروع من  
الأحكام مشروط بعدم وجود نص من الشارع۔<sup>(۲)</sup>

## تفریعات

- ۱..... جن احکامات شرعیہ کے متعلق کتاب اللہ، سنت متواترہ، مشہورہ یا خبر واحد موجود ہوگی ان احکامات شرعیہ کے خلاف کوئی ایسا اجتہاد جوان کے معارض ہو قبول نہیں کیا جائے گا۔  
مثلاً حرمۃ رباع کے بارے میں ”وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَمَ الرِّبُّوا“ صریح نص وارد ہے لہذا حرمۃ رباع و احکم شرعی کے خلاف رباع کی حلت کا اجتہاد جائز نہیں ہے۔
- ۲..... صریح حدیث موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مدعی کے

(۱) البحر المحيط في أصول الفقه: مباحث الاجتہاد، ج ۸ ص ۲۳۸

(۲) درر الحکام شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۲

ذے گواہ پیش کرنا اور مدعا علیہ کے ذے قسم کھانا ہے، اب کسی مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے بخلاف اجتہاد کرے کہ مدعا کے ذے قسم کھانا اور مدعا علیہ کے ذے گواہ پیش کرنا ہے ایسے اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ صریح نص موجود ہے۔

قد نص الحدیث الشریف ان البینة علی المدعى والیمن علی  
من انکر فبعد وجود هذا النص الصریح لا یجوز لأحد  
المجتهدین ان یجتهد بخلافه ويقول بحکم یناقضه کان یقول فی  
هذه المسألة یجوز سماع البینة من المنکر او ان الیمن علی  
المدعى۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اس طرح ”وَلِلَّهِ كُلُّ حَقٌّ أَنْتُمْ بِهِ تُرْكَيُونَ“ صریح نص ہے مونث کے مقابلے میں مذکور کے حصہ کے دو گناہوں پر، لہذا اس کے مقابلے میں مذکور کی میراث کو مونث کی میراث کے برابر قرار دینے کا اجتہاد جائز نہیں ہے کیونکہ اجتہاد کا جواز مقید ہے عدم وجود نص کے ساتھ۔

۴..... قرآن کریم میں صریح نص موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اب کسی مجتہد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس بارے میں اجتہاد کرے کہ آیائیع حلال ہے یا حرام، اس لیے کہ جب صریح نص موجود ہے کہ ”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعُ“، اب اس کے مقابلے میں اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے:

لا یجوز للمجتهد ان یجتهد فی هل البیع حلال أم حرام بعد  
ورود النص الصریح فی ذلك فی القرآن الکریم وهو قوله أحل  
الله البیع۔<sup>(۲)</sup>

۵..... قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے غیر شادی شدہ زنا کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق فرمایا کہ انہیں سو کوڑے لگائے جائیں اب کسی کے لیے ان کوڑوں کی تعداد کے

(۱) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۲      (۲) درر الحکام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۲

متشق اجتہاد کرنا جائز نہیں ہے کہ زانیہ مرد یا عورت کو کتنے کوڑے مارے جائیں۔ اس طرح وہ تمام سزا کیں اور کفارات جن کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی:

وَلَا مَجَالٌ لِّلْاجْتِهَادِ فِي الْوَقَائِعِ اللَّتِي تُطَبَّقُ فِيهَا، فَفِي قَوْلِهِ تَعَالَى  
الْزَانِيَةُ وَالْزَانِي فَاجْلِدُوهُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَائَةً جَلْدًا لِّا مَجَالٌ  
لِّلْاجْتِهَادِ فِي عَدْدِ الْجَلْدَاتِ وَكَذَلِكَ فِي كُلِّ عَقْوَةٍ أَوْ كَفَارَةٍ  
(۱) مُقْدَرَةً۔

۲..... جوئے کی ممانعت انص صریح سے ثابت ہے، اب کوئی انص کے مقابلے میں اجتہاد کر کے جواز کو ثابت کرے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

## قواعد نمبر (۱۳)

مَا ثَبَّتَ عَلَىٰ خِلَافِ الْقِيَاسِ فَغَيْرُهُ عَلَيْهِ لَا يَقَاسُ۔ (۲)  
جس امر کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہوایے امر پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

## قیاس کا لغوی، اصطلاحی معنی

قیاس کا لغوی معنی اندازہ کرنا، اور اصطلاحی معنی دو اشیاء میں کسی ایک علت کے مثل دوسری شیئی میں علت کو دیکھتے ہوئے اس پر وہی حکم لگانا:

القياس لغة التقدير وفي اصطلاح الشرع إبانة مثل حكم أحد المذكورين بمثل علته في الآخر۔ (۳)

(۱) علم أصول الفقه: القسم الرابع، القاعدة الثالثة، ص ۲۱۶

(۲) مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۷۱۔ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۵۱

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۷۲

## تفریعات

۱.....مثالاً (روزے کی حالت میں ایک شخص) بھول کر کھاپی لے اس کے روزے کا نہ ٹوٹا خلاف قیاس ہے، کیونکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جو چیز باہر سے انسان کے پیٹ میں پہنچے اس سے روزہ فاسد ہو جانا چاہیے، چونکہ یہ حکم (عدم فساد کا) قیاس کے طریقہ سے خارج ہے لہذا اس پر کسی دوسرے (ایسے واقعہ) کو مثلاً غلطی سے کھاپی لینے کو قیاس کرنا جائز نہ ہوگا:

کَاكَلُ النَّاسِيِّ، فَإِنَّهُ مُسْتَشْنِيٌّ عَنْ سِنْنِ الْقِيَاسِ وَهُوَ تَحْقِيقُ الْفَطْرِ مِنْ كُلِّ مَا دَخَلَ فِي الْجَوْفِ إِذَا كَانَ مُسْتَشْنِيٌّ مِنْ سِنْنِهِ لَا يَصْحُّ الْقِيَاسُ عَلَيْهِ، فَلَا يَصْحُّ قِيَاسُ الْأَكْلِ خَطَأً عَلَى الْأَكْلِ نَاسِيًّا، فَهَذَا الْمَوْاضِعُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَقْاسِ عَلَيْهَا وَيَتَعَدَّ أَهْلُهَا الْحُكْمُ إِلَى غَيْرِهَا۔<sup>(۱)</sup>

۲.....عقد اجراء جس کا (جو اجازہ) قرآن کی اس آیت میں منصوص ہے ”علی ان تاجر نی ثمانی حجۃ“، چنانچہ منافع کے قیمتی ہونے کا حکم خارج از قیاس ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ منافع کا اجراء صحیح نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس سے منافع کی بیع لازم آتی ہے اور منافع غیر موجود وغیر محفوظ اشیاء میں سے ہیں اور ایسی اشیاء کو قابل قیمت نہیں قرار دیا جاتا کہ ان کی بیع جائز ہو لیکن بندوں کی سہولت کے لیے اس کو شرع نے جائز قرار دیا ہے، چونکہ اجرے میں ان منافع کی بیع کے جواز کا حکم قیاس کے مخالف ہے اس لیے کسی دوسرے محل پر یہ حکم نہیں دیا جائے گا:

عَقْدُ الْإِجَارَةِ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ فِي الْقُرْآنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حِجَّةٍ وَهُوَ خَارِجٌ عَنِ الْقِيَاسِ لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَقْتَضِي عَدْمَ صِحَّةِ الْإِجَارَةِ، لِكُونِهَا بِيعَ الْمَنَافِعِ وَهِيَ مَعْدُومَةٌ غَيْرُ مَحْرَزَةٌ، وَغَيْرُ الْمَحْرَزِ لَا مَالِيَّةٌ لَهُ، وَمَا لِي مِنْ بِمَالٍ لَا يَقُومُ وَمَا لِي مَالًا يَقُومُ لَا يَجُوزُ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

بیعہ، لکنها شرعت تسهیلاً للعباد فحيث کان بیع المنافع فی

الاجارة علی خلاف القياس لا يقاس عليها۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی طرح بیع سلم جس میں ایک عوض (قیمت) فوری ادا کرنا ہوتا ہے اور دوسرا عوض بیع (مال) کی ادا یگی آئندہ کے وعدے پر ہوتی ہے بیع کے وقت مال موجود نہیں ہوتا مخصوص شرائط کے ساتھ شرعاً جائز ہے، حالانکہ یہ اس شرعی قاعدے کے مخالف ہے کہ بیع اس وقت صحیح ہوتی ہے جبکہ بیع بالغ کی مملوکہ موجود ہو اور اس کے سپرد کر دینے پر بالغ کو قدرت حاصل ہو، چنانچہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ولا تبع مالیس عندك۔ یعنی ایسی شئی کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس موجود نہ ہو، لیکن اس حدیث کے مقابلے میں صحاح ستہ کی یہ حدیث بھی موجود ہے ”من أسلم في شيء فليس في كيل معلوم وزن معلوم إلى أجل معلوم“، یعنی جو شخص بیع سلم کا عقد کرے اس میں بیع معین کر کے اس کا ناپ و وزن اور ادا یگی کا وقت معین ہونا چاہیے، چنانچہ اس بیع سلم کے اندر باوجود بیع معدوم ہونے کے اس کے جواز میں نص حدیث موجود ہے:

كذلك السلم هو بيع آجل بعاجل بشرط مخصوصة، وهو بيع

الانسان مالیس عندك، مخالف للقاعدة الشرعية في أن جواز البيع

يقتضى محلًا مملوکاً للبائع موجوداً مقدور التسلیم حال العقد لها

في السنن الأربع عنه صلی اللہ علیہ وسلم : ولا تبع مالیس

عندك، لكن ورد في مقابلة ذلك ما في رواية الستة: من أسلم في

شيء فليس في كيل معلوم وزن معلوم إلى أجل معلوم، فبيع

المعدوم ورد في السلم بنص الحديث.<sup>(۲)</sup>

۴..... اور کسی دستکاری کے لیے اجرت پر لینے کا جواز اجماع سے ثابت ہے:

وفي الاستصناع بالاجماع، وكلاهما على خلاف القياس فهذا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

الحكم لا يتعدا هما إلى غيرهما بالقياس۔<sup>(۱)</sup>

۵.....حضرت خزيمہ رضی اللہ عنہ کی تہا شہادت کا قبول کیا جانا، چنانچہ یہ فرد واحد کی شہادت کا مقبول ہونا حضرت خزيمہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی جس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

من شهد له خزيمة فهو حسبي۔

یعنی جس کے حق میں صرف خزیمہ شہادت دیں اس کے لیے یہ شہادت کافی ہوگی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایک شہادت کو دو شخصوں کی شہادت کے مساوی قرار دیا جو حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی عزت و کرامت اور خصوصیت کی بناء پر تھی، حالانکہ کتاب اللہ نے عام انسانوں کے حق میں تعداد کی شرط لگائی ہے۔

قبول شهادة خزيمة وحدة فإنه مخصوص بقوله عليه السلام : من  
شهد له خزيمة فهو حسبي جعل صلی اللہ علیہ وسلم شهادته شهادة  
رجلين كراماً وخصوصية، مع ان النص أوجب اشتراط العدد في  
حق العامة۔<sup>(۲)</sup>

۶.....اور ان احکام شرع کی مثال جن کی عمل معلوم کرنے میں عقل کو دخل ہی نہیں نماز کی تعداد رکعات، طواف کی تعداد، زکوٰۃ میں سونے چاندی کی مقررہ مقدار وغیرہ ہیں، ان پر کسی شئی کو اس لیے قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی علائم خارج از قیاس ہیں:

ومثال مالا يعقل معناه: القاعدة المستقلة المستفتحة كأعداد  
الرکعات في الصلاة من المكتوبات والواجبات والمندوبات،  
وأعداد الأشواط في الطواف، ومقادير الزكوة من ربع العشر في  
النقدین وغيرها في غيرهما من الأموال، فهذا القسم أيضاً لا يقاس  
عليه لعدم ادراك علته التي يعودى بها مثل الحكم إلى غيره۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲

۷..... بعض دفعہ کسی خاص حالت میں کوئی ایسی بات واقع ہوتی ہے جو عام حالتوں میں واقع نہیں ہوتی، مثلاً دو پچیاں جڑوال پیدا ہوئیں اور وہ پشت پر سے یا پہلو سے اس طرح جڑی ہوئیں ہیں کہ علیحدہ کرنے پر دونوں کامرنا یقینی ہو، تو ان دونوں بہنوں کو ایک ہی مرد سے شادی کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، یہ بات اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ دو بہنوں کو ایک مرد کے نکاح میں رکھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس ہے۔

۸..... موزہ پرسج کرنا خلاف قیاس ثابت ہے لہذا کسی اور چیز کو اس پر قیاس نہیں کیا

جائے گا:

لا شک أن المسح على الخف على خلاف القياس فلا يصح إلحاقي

(۱) غيره به۔

## قواعد نمبر (۱۵)

الإجتهاد لا ينقض بمضله۔ (۲)

ایک اجتہاد کے ذریعے دوسرے اجتہاد کو باطل نہیں کیا جاسکتا۔

ماخذ

اس کا ماخذ اجماع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، چنانچہ بہت سے مسائل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ فرمایا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد وراء اس کے خلاف تھی اس کے باوجود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کسی فیصلے کو نہیں توڑا:

وَدَلِيلُهَا الإجماعُ وَقَدْ حَكَمَ أَبُوبَكَرَ رضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي مَسَائلٍ وَ  
خَالِفَهُ عَمَرُ رضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهَا وَلَمْ يَنْقُضْ حَكْمَهُ۔ (۳)

(۱) فتح القدير: كتاب الطهارة، باب المسح على الخففين، ج ۱ ص ۱۵۷

(۲) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۵ / مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

(۳) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۵

## شرط

جب کوئی واقعہ رونما ہوا اور کوئی معاملہ زیر بحث لایا گیا، دوران بحث اور دوران تحقیق جو حالات اور شہادتیں سامنے آئیں ان کے پیش نظر عدالیہ نے یا مجتہد نے کوئی فیصلہ دیا، اور پھر بعد میں اس جیسے معاملہ پر غور کرتے وقت ایسے دلائل سامنے آئے کہ اس کا فیصلہ پہلے فیصلے کے بر عکس کرنا پڑا تو اس بر عکس فیصلے کی وجہ سے پہلا فیصلہ منسوخ نہیں ہو گا، اگر ایسا کیا جائے تو معاشرتی زندگی بے شمار الجھنوں کا شکار ہو کر رہ جائے گی لہذا جو دلائل سامنے تھے ان کی روشنی میں فیصلے کیے گئے ان حادثات اور معاملات میں بھی جو بعد میں آئے وہی فیصلے نافذ العمل ہوں گے، اگر بعد میں کیے جانے والے فیصلے کے پیش نظر پہلے والے فیصلے منسوخ کر دیئے جائیں تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا اور مسائل و مشکلات کی شدت زندگی کو غیر متوازن بنادے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں ایک فیصلہ دیا مگر بعد میں اس جیسے دوسرے مقدمے میں پہلے فیصلے کے بر عکس فیصلہ دیا، اور جب انہیں بتایا گیا کہ یہ فیصلہ پہلے فیصلے کے خلاف ہے تو انہوں نے فرمایا: ”تلك كما قضينا وهذه كما نقضى“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ مثال بن چکا ہے، جس سے یہ قاعدہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی حجج یا مجتہد مختلف اوقات میں ایک جیسے معاملے پر دو مختلف فیصلے دے تو دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ نافذ العمل ہوں گے:

روى عن عمر رضي الله عنه انه قضى في حادثة بقضية ثم قضى

فيها بخلاف ذلك فتيل في ذلك فقال تلك كما قضينا وهذه كما

نقضى وقد جرت هذه الكلمة العبرية مجرى المثل۔<sup>(۱)</sup>

اور اگر دون حجج یا مجتہدا کیے معاملات پر مختلف فیصلے صادر کریں تو بھی دونوں فیصلے

(۱) غمز عيون البصائر: الفن الأول، ج ۱ ص ۲۲۸

اپنی اپنی جگہ پر درست سمجھے جائیں گے اور دونوں حضرات کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کے فیصلے کا احترام کریں، اس لیے کہ حقی طور پر کسی بھی فیصلے کے لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہی بالکل برق اور صحیح ہے۔

اجتہادی معاملات میں ہر مجتہد اپنا اجتہاد کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں صحیح ہو، ساتھ ہی یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر ہو۔

یہ مقام صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ جو فیصلہ فرمائیں وہ ہر حال میں صحیح اور برق ہوتا ہے اور اس کا ماننا ایمان کا بنیادی تقاضا ہوتا ہے۔

## تفریعات

۱..... قبلہ نامعلوم ہونے کی صورت میں جب کوئی شخص اپنی عقلی جدو جہد سے کسی ایک سمت کو قبلہ تصور کر لے اس کے بعد پھر کوئی دوسری سمت کی طرف اس کی رائے (منقول ہو جائے) تو وہ دوسری اجتہادی رائے پر عمل کرے گا، لیکن اول رائے اس ثانی پر عمل کرنے سے باطل نہ ہوگی اس لیے کہ ایک اجتہاد دوسرے کو باطل نہیں کرتا (اول کا حکم اپنے مقام پر قائم رہے گا) حتیٰ کہ اگر چار رکعت کی نماز چار سمت کی طرف (چار تحری) سے ادا کی تو اس پر اس نماز کی قضا و اجب نہ ہوگی:

تغیر اجتہادہ فی القبلة عمل بالثانی أی و لا یبطل الأول لأن  
الاجتہاد لا ینقض بمثله، حتیٰ لو صلی أربع رکعات إلى أربع جهات  
بالاجتہاد فلا قضاe۔<sup>(۱)</sup>

۲..... دو ایسے کپڑے جن میں ایک بخس اور دوسرا پاک ہو، اور دونوں اس طرح مخلوط ہو گئے کہ دونوں میں امتیاز نہ رہا اور پاک کپڑے کے انتخاب میں اجتہاد کر کے ایک کپڑے کو پاک قرار دے کر نماز ادا کریں، اس کے بعد اس کا اجتہادی انتخاب دوسرے کے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۷؛ الأشباه والناظر: الفن الأول، ص ۵۰.

حق میں قائم ہو، اب یہ ثانی اجتہاد قابل اعتبار نہ ہو گا اس لیے کہ ایک اجتہاد کو دوسرا اجتہاد باطل نہیں کر سکتا:

ومنها التحری فی ثوبین أحدہما نجس، فتحری بأخذہما وصلی  
ثم وقع تحریہ علی طهارة الآخر لم يعتبر الثاني لأن الاجتہاد لا  
ينقض بمثله۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اگر کوئی قاضی کسی فاسق شخص کی شہادت کو اس کے فقہ کی بناء پر درکردے اس  
کے بعد یہ شخص توبہ کر کے اس شہادت کا اعادہ کرے تب بھی یہ شہادت مقبول نہ ہو گی کیونکہ  
اس طرح پہلے فیصلے کو منسوخ کرنا پڑے گا، اور اصول ہے کہ الاجتہاد لا ینقض بمثله۔

لو حکم القاضی برد شهادة الفاسق ثم تاب فأعادها لم تقبل وعلله  
بعضهم بأن قبول شهادته بعد التوبة يتضمن نقض الاجتہاد  
بالاجتہاد۔<sup>(۲)</sup>

۴.....اگر قاضی کسی امر پر ایک فیصلہ کرے اور اس کے بعد اس کا اجتہاد تبدیل  
ہو جائے اور اس امر کے بارے میں کوئی دوسرا فیصلہ کر لے تو پہلا فیصلہ منسوخ نہ ہو گا مستقبل  
میں دوسرے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا:

لو حکم الحاکم بشیء ثم تغیر اجتہاده لا ینقض الأول ويحکم  
بالمستقبل بما رأه ثانياً۔<sup>(۳)</sup>

پہلا فیصلہ بھی درست ہے صاحب ہدایہ نے اس کی یہ دلیل بیان کی ہے:  
لان اجتہاد الثاني کا اجتہاد الأول وقد یرجع الأول باتصال  
القضاء به فلا ینقض بما هو دونه۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۷۷ (۲) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۶

(۳) الأشیاء والنظائر: الفن الأول، ص ۱۰۶

(۴) الہدایۃ: باب کتاب القاضی الى القاضی، فصل، ج ۳ ص ۱۲۹

دوسرے اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلہ اور قضاۓ کی تقویت حاصل ہو گئی اس لیے وہ اپنی جگہ درست ہے، پس وہ دوسرے اجتہاد کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا۔

## قاعدہ نمبر (۱۶)

الْمُشَقَّةُ تَجْلِبُ التَّيْسِيرَ۔ (۱)

مشقت آسانی کو لاتی ہے۔

ماخذ

قاعدے کا اصل مقصود انسانوں کے لیے آسانی اور سہولت اختیار کرنا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ إِلَيْكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ إِلَيْكُمُ الْعُسْرَ۔ (۲)

اللَّهُ تَعَالَى ارادہ کرتا ہے تمہارے لیے آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا تمہارے لیے سُنگ کا۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّفَ عَنْكُمْ۔ (۳)

اللَّهُ تَعَالَى تمہارے اوپر آسانی کا ارادہ کرتے ہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مُنْ حَرِجٍ۔ (۴)

اللَّهُ نے تمہارے لیے دین میں کوئی سُنگ نہیں رکھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يَسِيرٌ لَنَ يَشَادُ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ۔ (۵)

دین میں آسانی ہے جو شخص دین میں شدت اختیار کرتا ہے دین اس پر غالب آ جاتا ہے۔

(۱) الأشباه والنظائر: الفن الأول، ص ۷۷ / رد المحتار: كتاب الطهارة، باب المياه، ج ۱ ص ۱۸۹

(۲) البقرة: ۱۸۵

(۳) النساء: ۲۸

(۴) الحج: ۷۸

(۵) صحيح بخاري: كتاب الإيمان، باب: الدين يسر، ج ۱ ص ۱۶، رقم الحديث: ۳۹

## مشقت کی اقسام

مشقت کی دو قسمیں ہیں: ۱..... حقیقی مشقت - ۲..... وہمی مشقت۔

۱..... حقیقی مشقت: اس سے مراد ایسی مشقت ہے جو یا تو واقعی موجود ہو یا مستند تجربہ کا رطیب کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے ظن غالب ہو کہ مشقت کا موقع واقعی ہو گا، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص سفر پر جا رہا ہے تو وہ مشقت کو تصور کرتے ہوئے روزہ چھوڑ سکتا ہے یا ایک شخص مريض ہے اور تجربہ کا مستند طبیب کی رائے کے مطابق روزہ رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے اور روزے کی وجہ سے اس کو انتہائی تکلیف اٹھانی پڑے گی تو ایسی حالت میں شارع کی طرف سے دی گئی رخصت سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے۔

۲..... وہمی مشقت: شارع نے جن اسباب و علتوں کا اعتبار کر کے رخصت و سہولت مہیا کی ہے وہ عادۃ تو موجود ہوں لیکن فی الحال نہ پائی جا رہی ہوں ایسی صورت میں ان کا اعتبار نہ ہو گا اور ایسی وجہ کی وجہ سے رخصت و سہولت کی اجازت نہ ہو گی، مثلاً عورتوں کے لیے ہر ماہ مخصوص دنوں میں اس وقت تک رخصت و سہولت کے احکام لا گونہ ہوں گے جب تک کہ حقیقتاً حیض کی علامت ظاہرنہ ہو، حاضر اندازے سے یا عادت کے طور پر رخصت حاصل نہ ہو گی جب تک کہ علامت ظاہرنہ ہو جائے، علامت کے ظاہر ہونے پر ہی اس سہولت و رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

## اسبابِ مشقت

۱..... مرض: جب انسان کی صحت اعتدال پر نہ رہے تو مريض کہلاتا ہے، مرض کی حالت میں اس کی شدت کے لحاظ سے نماز بیٹھ کر یا اشاروں سے پڑھی جا سکتی ہے، اسی طرح شدت مرض میں روزہ افطار کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

۲..... سفر: حالت سفر میں نماز کو قصر کرنے اور روزے کو افطار کرنے کی شرعاً اجازت ہے، حالت سفر میں اس رخصت اور سہولت کا آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس مشقت کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔

۳..... نسیان: روزے کی حالت میں بھول کر کچھ کھاپی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹا البتہ معاملات میں تاوان دینا پڑے گا، مثلاً بھولے سے کسی کامال تلف ہو جائے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا۔

۴..... اکراہ: حالت اکراہ میں جان بچانے کے لیے اطمینان قلب کی حالت میں زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے ایسے ہی منوع اشیاء جان بچانے کی خاطر استعمال کرنے کی بھی اجازت ہے۔

۵..... عمر: مالی تنگی ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۶..... نقص: عورتوں سے جہاد اور جماعت کی فرضیت کا ساقط ہونا۔

۷..... عموم بلوی: جب تنگی اور عام مسیبیت میں بنتلا ہو جانے کا اندریشہ ہو تو اس وجہ سے بھی احکام میں سہولت پیدا کروی جاتی ہے۔

مثلاً بارش ہونے کی صورت میں باجماعت نماز کے ترک کی اجازت، ایک سال میں صرف ایک ماہ کے روزوں کی فرضیت، عمر میں صرف ایک بار حج، حائضہ کے لیے نماز کی قضاء کا اسقاط، ایک مقررہ حصے کی زکوٰۃ کی فرضیت، بیع الوفاء، بیع سلم، عیب کی صورت میں بیع کی واپسی، تحالف، اقالہ، حوالہ، وکالت، اجازت، مزابرعت، مساقات، مضاربت، عاریت، چار عورتوں سے نکار حج کی اجازت، مجتہد سے گناہ کا اسقاط۔

۸..... جہل: عبادات میں کسی مسئلے سے لاعلمی معافی کی وجہ بن سکتی ہے البتہ معاملات میں کسی قانون سے لاعلمی قانون شکنی کا جواز نہیں بن سکتی۔ تفصیل ادیکھئے: (۱)

### تحفیف و رخصت

تحفیف کا معنی بوجھ کم کرنا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخْفِفَ عَنْكُمْ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ کم کر دیں۔

تحفیف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی بھی عمل کی انجام دہی میں مشقت کا کم ہونا تاکہ وہ سہولت سے انجام دیا جاسکے، اور رخصت کے معنی ہیں کہ کسی کام میں آسانی کا پیدا کرنا، فقہاء کرام حبّم اللہ نے اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ کسی حکمِ اصل میں اس طرح مناسب تبدیلی کرنا جس سے وہ حکم آسان ہو جائے۔

امام بزدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ کسی عذر کی بناء پر مکف کے لیے وسعت مہیا کرنا جبکہ حرمت کا سبب بھی قائم رہے رخصت کہلاتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں رخصت آسانی اور سہولت سے عبارت ہے: الرخصة عبارة عن اليسر والسهولة۔ تفصیلی مباحثت کے لیے دیکھئے: (۱)

### تحفیف کی اقسام

۱..... تحفیف اسقاط: یعنی کسی عمل کو ساقط کر دینا مثلاً کسی عذر کی بناء پر نماز جمعہ، نماز باجماعت، سفر کی وجہ سے روزہ، ایسے ہی خطرناک راستے کی وجہ سے حج وغیرہ کے عمل کا ساقط ہوتا۔

۲..... تحفیف تنقیص: یعنی کسی عمل کو کم کرنا مثلاً سفر کی وجہ سے نماز کا قصر کرنا۔

۳..... تحفیف ابدال: ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل مقرر کر دینا، مثلاً پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے وضو کی جگہ تمیم کا ہونا، مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے نماز کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ کر پڑھنا، اور ایسے ہی رمضان کے روزوں کا فدیدہ دینا وغیرہ۔

۴..... تحفیف تقدیم: کسی فعل کا اپنے وقت سے پہلے انجام دینا، مثلاً زکوٰۃ کی ادائیگی کا سال کے مکمل ہونے سے قبل ادا کرنا، جمع صلوٰۃ عرفات میں، پیشگی ادا یگی فطرہ۔

۵..... تحفیف تاخیر: کسی فعل کا اپنے وقت کے بعد انجام دینا، مثلاً سفر کی وجہ سے یا مرض کی وجہ سے رمضان کے روزے بعد میں رکھنا، جمع صلوٰۃ مزدلفہ میں، کسی ڈوبتے کو

(۱) المستصلحي: الفتن الرابع، الفصل الرابع في العزيمة والرخصة، ج ۱ ص ۷۸ تا ۸۱

بچانے، آگ کو بجھانے کے لیے نماز کو موخر کر دینا۔

۲..... تخفیفِ تخصیص: کسی وجہ سے رخصت کا عطا ہونا مثلاً گلے میں لقمه پھنس جانے کی وجہ سے پانی نہ ملنے کی صورت میں شراب کے ساتھ لقمه نگلنے کی اجازت و رخصت کا ہونا۔

۷..... تخفیفِ تغیر: کسی ہیئت میں تبدیلی کا ہونا، مثلاً حالتِ جنگ میں استقبال قبلہ کا ضرورت کی وجہ سے بدل جانا، صلوٰۃ خوف میں ترتیب صلوٰۃ میں تغیر کا آنا۔<sup>(۱)</sup>

## تفريعات

۱..... اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ اس کو اپنارہائی مکان بیچنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تو وہ اس شرط کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے ”کہ وہ بیع کے بعد بطور کرایہ دار اس میں سکونت رکھے“، حالانکہ عام قاعدے کے مطابق بیع میں ایسی کوئی شرط لگانا جائز نہیں۔

۲..... مشتری کے لیے کپڑے کے ایک طرف کو دیکھ کر بیع کرنا جائز ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مکمل کپڑے کو دیکھ کر بیع کرے:

كذلك اكتفى في الشياب برؤية الشوب من طرفه دون أن يراه  
المشتري جميعه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... شریعت میں طلاق کا جائز ہونا اس لیے ہے کہ بسا اوقات عقدِ زوجیت کو برقرار رکھنے میں بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو چھٹکارے کے لیے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے:

و جوز شرع الطلاق للتسهيل و التوسيع على الناس لأن بقاء

الزوجية حال وجود النفور و الكراهة بين الزوجين مشقة عظمى

(۱) الأشباء والنظائر: الفن الأول، المقالة الثانية، ج ۱ ص ۸۰۵

و بلية كبرى عليهم معا۔<sup>(۱)</sup>

۳..... بغیر دیکھے لڑکی کے ساتھ نکاح کا جائز ہونا اس لیے ہے کہ اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کر دینے سے رک جائیں گے، اس لیے کہ عموماً غیرت کی وجہ سے ہر شخص اس بات سے حیاء کرتا ہے کہ وہ اپنی بچیاں دوسروں کو دکھائے:

وجوز زواج المرأة بدون النظر إليها لأنه لو لم يجز ذلك لا متنع

الكثرون عن تزويج بناتهم غيره عليهم من رؤية الخاطبين۔<sup>(۲)</sup>

۴..... دور دراز ملکوں میں سارا مال بھیجنما مشکل ہوتا ہے اس لیے نمونہ بھیج کر سارے مال کی خرید و فروخت کر لی جاتی ہے اور یہ جائز ہے۔

## قاعدہ نمبر (۱)

آلاَمْرُ إِذَا ضَاقَ إِتْسَعَ۔<sup>(۳)</sup>

جب کسی کام میں شدید تنگی ہو گی تو اس میں وسعت دی جائے گی۔

## شرح

شرعی احکام عامی نوعیت کے ہوتے ہیں ظاہر ہے ہر شخص کے لیے تو قانون نہیں بنایا جاسکتا اس لیے کہ بعض دفعہ کسی شخص کے ذاتی حالات اس طرح ہو جاتے ہیں کہ حکم شرعی پعمل در آمد حرج کثیر کا سبب بننے لگتا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے کچھ ضابطے وضع کر رکھے ہیں جن کی مدد سے تنگی کو دور کرنے کے لیے کچھ وسعت پیدا کر لی جاتی ہے، اور یہ وسعت ایک تو اسی قدر کی جاسکتی ہے جس قدر ضرورت ہو اور دوسرا اس وقت تک باقی رہتی ہے جس وقت تک حکم کی تنگی حرج کثیر کا سبب رہے، اور جب تنگی باقی نہ رہے اور اصل حکم منصوص ذاتی معاملے میں حرج کثیر کا سبب نہ بن رہا ہو تو اصل حکم لوث آتا ہے، اس لیے

(۱) درر الحكم: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۰۵      (۲) درر الحكم: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۳۰۵

(۳) الأشباء والنظائر: الفن الأول، ص ۸۵ / مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

فقهاء کرام حمیم اللہ فرماتے ہیں ”إذا اتسع الأمر ضاق“، یعنی جب معاملہ تنگی سے پاک ہو جائے تو اصل حکم کی تنگی پھر سے نافذ لعمل ہو جائے گی۔

## تفریعات

۱..... مدیون جب نادر ہوا اور اس کی طرف سے کوئی کفیل بھی موجود نہ ہو تو اس کے مالدار ہونے کی حالت کا انتظار کرنا ہو گا، اور اگر وہ پورا دین یکدم ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے ساتھ قبط مقرر کر کے تعاون کیا جائے گا:

ان المديون إذا كان معسراً ولا كفيل له بالمال، بترك الـى وقت الميسرة، وإذا لم يقدر على إيفاء الدين جملة، يساعد على تأديته مقططاً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایسے مقامات و حالات میں جہاں مردوں کی حاضری اور وہ تنیت مشکل یا ممکن نہیں ہوتی ان مقامات پر عورتوں اور بچوں کی شہادت کا مقبول ہونا ہے تاکہ حقوق کے ضائع ہونے کا نقصان لازم نہ آئے، بچے کے نسب اور پرورش کے حق کی حفاظت کے لیے بچہ کی ولادت پر صرف ایک دایکی کی شہادت کا مقبول ہونا:

و منها شهادة النساء والصبيان في الحمامات والمواضع التي لا يحصرها الرجال دفعاً لحرج ضياع الحقوق۔<sup>(۲)</sup>

۳..... زندگی کی حفاظت کے لیے مردار یا غیر شخص کے مال کا خورد و نوش میں استعمال کر لینا اور حالتِ اضطرار دفع ہونے پر اس کا تدارک کر دینا:

و منها إباحة أكل الميتة أو مال الغير على أن يضمنه عند الاضطرار حفظاً للحياة۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱

۳..... وفات کی عدت گذارنے والی عورت کے لیے حصول معاش کے سلسلہ میں  
دن میں مکان سے باہر جانے کی اجازت کا ہونا:

و منها أن المتوفى عنها زوجها يباح لها الخروج من بيته أيام عدتها  
إذا اضطررت للاكتساب۔<sup>(۱)</sup>

۵..... طاعات کی ادائیگی کے لیے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا، مثلًا تعلیم قرآن یا  
اذان دینے کے لیے موذن کو معاوضہ دینا جو کہ متاخرین فقہاء کے مفتی بے قول کے مطابق  
جاائز ہے:

و منها جواز الإجارة على الطاعات كتعليم القرآن والأذان على ما  
هو المفتى به عند المتأخرین، حفظاً للشاعر من الضياء۔<sup>(۲)</sup>

۶..... بچے کو دو دھپلانے کے لئے ماں پر جرنیں کیا جاسکتا لیکن اگر بچہ اپنی ماں کے  
علاوہ کسی دوسری عورت کا پستان منہ میں نہ لیتا ہو اس وقت اس امر پر جبر کیا جانا جائز ہوگا  
تاکہ بچے کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے:

والآم لا تجبر على ارضاء ولدها قضاءً، لكن إذا كان لا يلتقم الا  
ثديها، تجبر لدفع الضيق في إعashaة الصبي۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۱۸)

لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ۔<sup>(۴)</sup>

اصول یہ ہے کہ نہ ضرر پہنچے اور نہ ضرر پہنچایا جائے۔

ماخذ

یہ قاعدہ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جسے حضرت ابوسعید خدری رضی

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱ / برائع الصنائع: كتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة،

ص ۲۰۵ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۱ (۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۲

(۴) المبسوط للسرخسی: كتاب الشفعة، ج ۱۳ ص ۹۱ : مجلة أحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

الله عنہ نے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
 ”لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ“ یہ حدیث آپ کے جو امعن الکلم کلمات میں سے ایک جامع  
 کلمہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

### تشریح

اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ کسی انسان کو خود نقصان اٹھانا روا ہے اور نہ ہی کسی  
 دوسرے کو نقصان پہنچانا درست ہے، اس اصول کے پیش نظر یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ  
 اگر کوئی کسی کو ابتداء نقصان پہنچائے، مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی دیوار گردی تو  
 دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ خود اس سے انتقام لے بلکہ معاملہ کسی ثالث کے  
 سامنے رکھا جائے اور دیوار گرانے کا جو نقصان ہوا ہے وہ لیا جائے یا بذریعہ عدالت اس  
 معاملے کو حل کیا جائے نہ کہ مقابلے میں اس کی دیوار گردی جائے، شریعت نے اس میں  
 اصل طریقہ قضاء قاضی رکھا ہے کہ قاضی کے ذریعے سے فیصلہ کیا جائے، ضرر کے بد لے  
 ضرر پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، وجہ علت یہ ہے کہ اس سے انتقام در انتقام، ہی بڑھتا رہے گا  
 جو شریعت کی مشاہ کے خلاف ہے کیونکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ ضرر کو کلیتاً ختم کیا جائے نہ  
 کہ ضرر کا تبادلہ کیا جائے، اور اگر کسی سے انتقام لینا بھی مقصود ہو تو عدالت خود ہی قانون کے  
 دائرے میں جو سزا انصاف کے تقاضے سے طے کرے گی وہ سزادے گی جس سے دوسری  
 اغراض بھی پوری ہو جائیں گی۔

### ضرر اور ضرار کے درمیان فرق

..... ضرر مطلقاً کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا، اور ضرار مقابلۃ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا  
 یعنی ہر دو جانبین ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے کے درپے ہوں اس سے قطع نظر کہ ایک کا ضرر  
 دوسرے کے مساوی ہے یا نہیں اور یہ کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(۱) سنن الدارقطنی: کتاب البيوع، ج ۲ ص ۱۵، رقم الحدیث: ۳۰۷۹

۲..... ضرر یہ ہے کہ اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو نقصان پہنچانا، اور ضرار یہ ہے کہ اپنی منفعت کے بغیر دوسرے کو نقصان پہنچائے یعنی دوسرے کو ایسی چیز سے روک دے جس سے اس کو نقصان پہنچا اور اپنی ذات کو کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچ۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... مثلاً عیب کی بناء پہنچ کی واپسی کا حق اور دیگر تمام خیارات و ہر قسم کے جمر کے مسائل، شفعہ اور قصاص و حدود کفارات، تلف کردہ اشیاء کا خصان، کسی مشترک شئی کی تقسیم پر جبر کیا جانا جبکہ جنس متحد ہو، اور ائمہ و حکام کا تقرر، حملہ آور کادفعیہ، مشرکین اور باغیوں سے جنگ کرنا وغیرہ تمام امور میں شرعی حکمت دفع ضرر ہی ہے کیونکہ ضرر و ضرار دونوں ممنوع ہیں:

وَيَبْتَسِنُ عَلَيْهِ كَثِيرٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْفَقْهِ، كَالرَّدُّ بِالْعَيْبِ وَجَمِيعِ أَنْوَاعِ  
الْخِيَارَاتِ وَالْحِجْرِ بِسَائِرِ أَنْوَاعِهِ وَالشَّفْعَةِ وَالْقَاصِصِ وَالْحُدُودِ  
وَالْكَفَارَاتِ وَضْمَانِ الْمُتَلِفَاتِ وَالْجَبْرِ عَلَى قَسْمَةِ الْمُشْتَرِكِ إِذَا  
اتَّحدَ الْجِنْسُ، وَنَصَبَ الْأَئِمَّةُ، وَالْقَضَاءُ وَدَفْعُ الصَّائِلِ وَقِتَالُ  
الْمُشْرِكِينَ وَالْبَغَاءُ إِلَى غَيْرِ ذَلِكِ مَمَّا فِي حِكْمَةِ شَرْعِيَّتِهِ دَفْعُ الضرَرِ،  
إِذَا لَا ضَرَرُ وَلَا ضَرَارٌ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک جائیداد و شریکوں کے درمیان مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک کا ارادہ اس کی تعمیر کا ہوا لیکن دوسرے نے اس سے انکار کر دیا، اس صورت میں اس منکر پر فوراً جبر نہ کیا جائے گا بلکہ اگر وہ جائیداد قابل تقسیم ہے تو اس کو دونوں شریکوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ ہر شریک اپنے اپنے حصہ سے اپنے طور پر فائدہ حاصل کر سکے اس لیے کہ منکر شریک پر تعمیر کے لیے جبر کرنا اس میں ضرار ممنوع کا شہبہ موجود ہے، لیکن اگر جائیداد ناقابل تقسیم ہے تو اب مقدمہ حاکم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا تاکہ حاکم تعمیر کی اجازت دینے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۲۲ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۲

کے بعد جائیداد کو اپنی حفاظت میں رکھے جب تک دوسرے شریک کے حصہ کی (قیمت) کا تدارک نہ ہو جائے اس طریقہ کے اختیار کرنے سے وہ شبهہ مذکورہ دور ہو جائے گا:

من فروعها أن أحد الشريكين في الملك المشترك إذا احتاج إلى العمارة وأبى الآخر، لا يجبر بل ينظر: إذا كان قابلاً للقسمة يقسم ويفعل كل منها بنصيبة ما يريده، لأن في إجباره على تعمير ملكه شبهة المضاراة المنهي عنها في رفع الأمر إلى الحاكم حتى يحبس العين بعد التعمير بالأذن إلى أن يستوفى من شريكه قدر ما أصاب حصته، تندفع الشبهة۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر کسی نے اپنی زرعی زمین کسی کوٹھیکے پر دی اور ٹھیکے کی مدت ایسی صورت میں ختم ہو گئی کہ ابھی کھیتی پوری طرح کی نہیں، اس صورت میں اس کا کائنات نقصان کا سبب ہے تو مالک کو یہ حق نہیں ہو گا کہ وہ مستاجر کو فوراً کھیتی کاٹ لینے پر مجبور کرے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ مستاجر کو مہلت دے تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔

۴..... اگر کسی نے پھل بیچنے کا معاملہ کیا مگر مشتری قیمت ادا کرنے اور مال پر قبضہ کرنے سے قبل ہی کہیں لا پتہ ہو گیا، اب اگر مالک کو یہ خطرہ لاحق ہو جائے کہ اگر اس نے انتظار کیا تو پھل خراب ہو کر ضائع ہو جائے گا تو مالک کے لیے ضروری نہیں کہ وہ انتظار کرے بلکہ اس کے لیے جائز ہو گا کہ وہ معاملہ منسوخ کر کے اپنا پھل کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے۔

۵..... اگر زید نے کوئی چیز خریدی پھر اس کو کرائے پر دے دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس چیز میں پہلے سے عیب موجود تھا، تو زید کو اجازت ہو گی کہ وہ از خود کرائے کا معاملہ ختم کر دے تاکہ پہلے مالک کو وہ چیز واپس کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر سکے۔

۶..... اگر کوئی جائیداد دو تیموں کے درمیان مشترک ہے اور وہ محتاج تغیر ہے لیکن

تیموں کے دو وصیوں میں سے ایک اس کی تغیر سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں حاکم اس وصی پر تغیر کے لیے جبراً کے گا اس لیے کہ اس صورت میں یتیم کا ضرر لازم آتا ہے:

إِذَا كَانَ الْمُلْكُ الْمُشْتَرَكُ بَيْنَ يَتِيمَيْنِ مُحْتَاجًا إِلَى التَّعْمِيرِ، فَأَبْيَى

أَحَدُ الْوَصِيْبِينَ وَكَانَ فِي إِبَائِهِ ضَرَرٌ عَلَى الْيَتِيمِ يُجْبَرُ مِنْ قَبْلِ

(الحاکم)-<sup>(۱)</sup>

۔۔۔ خیار بلوغ: نابالغہ لڑکی کے باپ، دادا کے علاوہ اگر کوئی دوسرا نکاح کر دے تو اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو توقیع کا حق حاصل ہے۔

### قاعدہ نمبر (۱۹)

الضَّرَرُ يُزَالُ۔<sup>(۲)</sup>

ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔

### شرح

شریعت میں ضرر سے مراد قانونی ضرر ہے جب کسی شخص کو کوئی حق حاصل ہو اور اس کا یہ حق ضائع ہو رہا ہو تو اسے ضرر پہنچ رہا ہے۔ قرآن کریم میں وصیت کے بارے میں ایک شرط یہ عائد کی گئی ہے وہ ”غَيْرَ مُضَارٍ“ ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں ایک تہائی جائیداد سے زیادہ کی وصیت اور کسی وارث کے حق میں وصیت سے دیگر دارثوں کو ضرر پہنچتا ہے اس لیے ایسی وصیت مضار ہونے کی وجہ سے قرآن کریم کی رو سے ناجائز ہے، ضرر ایک ظلم ہے یہ جہاں کہیں بھی ہواں کا ازالہ ضروری ہے لہذا ضرر کو دور کرنا عین منشاء شریعت ہے۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳

(۲) الأشباء والنظائر: الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص ۸۶ / مجلة الأحكام العدلية: المقالة الثانية، ص ۱۸

## شرائط

۱..... ضرر کا ازالہ اس وقت کیا جائے گا جبکہ اس ازالہ سے اس ضرر کے مثل دوسرا ضرر

پیدا نہ ہوتا ہو:

ان الضرر يزال لكن لاعلى الاطلاق بل بشرط أن لا تكون

ازالته بضرر مثله۔

۲..... ضرر عام کے دفعیہ کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا:

يتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر عام۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... غلام اور کنیز کے آقا پر ان دونوں کے نکاح کر دینے پر جر کرنا جائز نہ ہو گا اگرچہ غلام اور کنیز کو نکاح کرنے کی وجہ سے نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو کیونکہ اس جرم میں آقا کا ضرر موجود ہے، اس لیے (غلام اور کنیز کے ضرر کو دفع کرنے کے لیے) اس ضرر کو اختیار نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ”الضرر لا يزال بمثله“

و لا يجبر السيد على تزويج عبدة أو امته وان تضررا لأن ذلك

ضرر عليه والضرر لا يزال بمثله۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک مجبور شخص دوسرے مجبور شخص کا طعام یا اس کے جسم کے لباس کو اسی قاعدے کی بناء پر استعمال نہیں کر سکتا ہے:

و لا يأكل المضطر طعام مضطر آخر، ولا شيئا من بدن لهذه

العلة۔<sup>(۳)</sup>

۳..... اگر راہ گزر کی طرف اس طرح پر نالہ لگا دیا گیا کہ اس کی وجہ سے گزرنے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳      (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۳ / الأشباه والناظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸

۱۰... اگر کوئی نقصان ہوتا ہو تو اس پر نالے کو ہٹا دیا جائے گا۔

۱۱... کسی گھر کے درخت اس قدر بڑھ جائیں کہ اس کی شاخوں سے دوسرے ساتھ والے گھر میں تکلیف ہونے لگے تو اس کی شاخیں کاٹ دی جائیں گی۔

۱۲... اس اصول کے پیش نظر معاملات میں خیارات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ واقع ہو جانے والے نقصانات کو زائل کیا جاسکے۔

۱۳... با غیوب اور مجرموں کو اس لیے سزا میں دی جاتی ہیں کہ تاکہ وہ لوگوں کو ضرر پہنچانے سے باز رہ سکیں۔

۱۴... جاہل طبیب کو اس اصول کی بنیاد پر طبابت کی اجازت نہیں دی جاسکتی تاکہ لوگوں کو ضرر نہ پہنچے:

جواز الحجر على البالغ العاقل الحر عند أبي حنيفة رحمه الله في

ثلاث: المفتى الماجن، والطبيب الجاهل، والمكارى المفلس، دفعا

للضرر العام۔<sup>(۱)</sup>

۱۵... اگر کسی کے گھر سے متصل کسی نے لوہار کی دکان قائم کر دی یا چکلی لگائی تو لوہار کے ہتھوڑے کی دھمک سے یا چکلی کی حرکت سے مکان کی دیواروں کو ضرر شدید کا اندیشه ہے تو اس ضرر کا ازالہ کیا جائے گا۔

۱۶... اگر کسی شخص کی خالی زمین کسی مکان کے متصل واقع ہو اور وہ اپنی زمین میں نہر کھود دے جس سے پانی پنچکی پر جاتا ہو، اور مکان کی دیوار کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے گا۔

۱۷... اگر کسی نے کپڑے کے بازار میں باور پچی کی دکان لگادی اور اس کا دھواں بزاروں کے مال کو خراب کر رہا ہے تو یہ ضرر شدید ہے اس کا ازالہ کیا جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) الأشباه والناظر: ص ۸۸ (۲) الأشباه والناظر: ص ۸۸

## قاعدہ نمبر (۲۰)

الضرورات تبيح المحرّمات۔ (۱)  
ضرورت ایک ممنوع امر کو مباح کر دیتی ہے۔

ماخذ

یہ قاعدة قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:

وَقَدْ فَصَلَ لَكُمْ مَا حَرَمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطِرَرْتُمْ إِلَيْهِ - (۲)  
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۸ھ) فرماتے ہیں:

إِلَّا فِي حَالِ الاضْطَرَارِ فَإِنَّهُ يُبَاخِ لَكُمْ مَا وَجَدْتُمْ - (۳)

مذکورہ آیت میں تحریم کے بعد استثناء کیا گیا ہے اور تحریم کے بعد استثناء اباحت کے لیے ہوا کرتا ہے:

إِلَّا مَا اضْطَرَرْتُمْ إِلَيْهِ أَيْ دُعْتُكُمْ شَدَّةَ الْمُجَاعَةِ إِلَى أَكْلِهَا وَ

الاستثناء من التحرير إباحة۔ (۴)

نیز اس قاعدے کا ثبوت اس روایت سے بھی ہوتا ہے:

عن جابر بن سمرة: أن أهل البيت كانوا بالحرّة محتاجين قال  
فماتات عندهم ناقة لهم أو بغيرهم فرخص لهم النبي صلى الله  
عليه وسلم في أكلها۔ (۵)

جابر بن سمرة رضي الله عنه سے روایت ہے کہ مقام حرہ میں ایک محتاج خاندان رہتا

(۱) الأشباء والنظائر: ص ۸۸ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۸

(۲) الأنعام: ۱۱۹

(۳) تفسیر ابن کثیر: سورة الأنعام، آیت نمبر ۱۱۹ کے تحت، ج ۲ ص ۲۸۹

(۴) بداع الصنائع: کتاب الاكراء، فصل فی بیان حکم مایقون علیه الاکراء، ج ۷ ص ۱۷۶

(۵) مسنـد احمد: مسنـد البصـريـين، حدـيـث جـابرـ بنـ سـمـرـةـ، جـ ۲۳ـ صـ ۳۱۱ـ، رقمـ الحـديـثـ:

تھا، وہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں ان کی ایک اونٹی مرگئی یا اونٹ مرگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رخصت دی کہ اسے کھالیں (یہ اتنا محتاج خاندان تھا کہ ان کے پاس کھانے کے لیے اس کے سوا کچھ نہیں تھا)

یہ روایت مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہ لوگ بہت غریب تھے اور ان کے پاس کھانے پینے اور جان بچانے کے لیے کوئی اور حلال غذا موجود نہیں تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شدید ضرورت کے پیش نظر ان کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

### اضطرار کا لغوی معنی

الاحتياج إلى الشيء۔<sup>(۱)</sup>

کسی چیز کی حاجت اضطرار کہلاتی ہے۔

علامہ حموی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹۸ھ) فرماتے ہیں:

بلغه حدًّا أن لم يتناول الممنوع يهلكـ.<sup>(۲)</sup>

کسی شخص کا ایسی حالت تک پہنچ جانا کہ اگر وہ ممنوع چیز نہ کھائے تو ہلاک ہو جائے۔

### اضطرار کا اصطلاحی معنی

الاضطرار هو الخوف الهللاك أو خوف الضرارـ.

ہلاکت کا خوف یا ضرر کا خوف اضطرار کہلاتا ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۰۶ھ) اضطرار کے عنوان پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) لسان العرب: فصل: الضاد، الاضطرار، ج ۳ ص ۳۸۳

(۲) غمز عيون البصائر: القاعدة الخامسة، ج ۱ ص ۲۷۷

لما حرم الله تعالى تلك الأشياء استثنى عنها حال الضرورة وهذه  
الضرورة لها سببان أحدهما الجوع الشديد وأن لا يوجد ماكولا  
حلالاً ليسد به الرمق فعند ذلك يكون مضطراً - الثاني إذا كرهه

على تناوله مكره فيحل له تناوله۔<sup>(۱)</sup>

حرام اشیاء کے اس حکم سے حالت ضرورت علیحدہ کردی گئی ہے، اس حالت  
ضرورت کے دو اسباب ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ شدید بھوک ہوا درود یہ کہ جسم کو  
معمولی سے قوت بھی مہیا کرنے کے لیے کوئی حلال چیز نہ پائے اس وقت اس  
کو مضطرب کہا جائے گا۔

ثانیاً یہ کہ جب ان حرام اشیاء کے استعمال پر کوئی شخص مجبور کیا جائے تو اس وقت ان  
حرام اشیاء کا کھانا حلال ہو جائے گا۔

امام رازی رحمہ اللہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اضطرار کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم یہ کہ  
شدید بھوک کی وجہ سے جان جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کی خاطر منوع اشیاء کو استعمال  
کر سکتے ہیں، دوسرا یہ کہ جب کسی شخص کو جبراً مجبور کیا جائے تو جان بچانے کی خاطر وہ بھی ان  
اشیاء کو استعمال کر سکتا ہے۔

## تفریعات

۱..... وضو یاغسل کے لیے پانی کے استعمال سے جان کی ہلاکت کا خدشہ ہو یا مرض  
شدید لاحق ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں تمیم کرنے کی اجازت ہے۔

۲..... نماز ادا کرتے ہوئے دشمن حملہ کر دے یا کوئی مالی نقصان میں یقینی خدشہ  
ہو جائے تو نماز توڑنے کی اجازت ہے۔

۳..... اگر ذبح کرنے کے لیے جانور قابو میں نہ آتا ہو تو اسے کسی بھی جگہ زخم لگا کر ذبح

(۱) التفسیر الكبير: سورة البقرة، آیت نمبر ۱۷۲ کے تحت، ج ۵ ص ۱۹۳

کا عمل مکمل کیا جاسکتا ہے گویا یہ ذبح اضطراری کی شکل ہوگی۔

۳..... روزے کی حالت میں شدید پیاس یا بھوک لگ جائے اور جان کے جانے کا خدشہ ہو یا ایسے ہی حاملہ عورت کو حمل ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو روزہ افطار کیا جاسکتا ہے۔

۵..... فریض حج کے لیے مالی استطاعت رکھنے کے باوجود راستہ خطرناک ہو تو امن ہونے تک حج کے عمل کو ملتوی کیا جاسکتا ہے یعنی جب راستہ پر امن ہو جائے تو حج ادا کیا جائے۔

۶..... اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ قسم کھائی کہ اگر تو گھر سے باہر نکلی تو تجھے طلاق اب اگر اس کی بیوی گھر سے عام حالات میں باہر نکلی تو اس کو طلاق ہو جائے گی، مگر سیالاب کے آنے پر یا گھر میں آگ لگ جانے پر یا زلزلہ کی صورت میں اگر وہ گھر سے باہر نکل گئی تو اس اضطراری صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۷..... حلق میں لقمه پھنس جائے اور کہیں سے بھی پانی نہ ملنے تو شراب کے ایک گھونٹ سے اسے نگاہ کیا جاسکتا ہے۔

۸..... حالت اکراہ میں: بان سے کلمہ کفر کہنا حائز ہے جبکہ ”قَلْبُهُ مُظْمَئِنٌ بِإِلَيْمَانٍ“ ہو۔

۹..... حملہ آور سے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا طریقہ استعمال کیا جاسکتا ہے جس سے حملہ آور کو نقصان پہنچے۔

۱۰..... مقروض اگر قرض ادا نہ کرے تو قرض خواہ کی درخواست پر عدالت مقروض کا مال بقدر قرض لے سکتی ہے:

الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جائز أكل الميتة عند المخصوصة، وإساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه، وكذا إتلاف المال وأخذ مال الممتنع من أداة الدين بغير إذنه، ودفع الصائل ولو أدى إلى قتله۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

## قاعدہ نمبر (۲۱)

الضرورات تقدر بقدرها۔ (۱)

ضرورتوں کو ان کے اندازے کے مطابق اہمیت دی جائے گی۔

## شرح

جو حرام چیز ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے اس کے استعمال کی حد ضرورت کے اندازے سے متعین کی جائے گی۔

مطلوب یہ ہے کہ جو اباحت ضرورت کی وجہ سے ہوئی ہے وہ اتنی ہی مقدار میں مباح ہو گی جتنی کہ اس کی ضرورت ہو گی اس سے زائد مقدار جائز نہیں ہے۔

## تفريعات

۱..... طبیب (وڈاکٹر) قابل پرده مقام کو ضرورت کے اندازے کے مطابق دیکھ سکتا ہے (اس سے زائد نہیں)۔

كذلك الطبيب ينظر من العورة بقدر الحاجة۔ (۲)

۲..... اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں ایسا زینہ بنالے یا کھڑکی نکال لے جس پر چڑھنے کے وقت ہمسایہ کی بے پر دگی ہوتی ہو تو اس شخص پر زینہ منہدم کرنے اور کھڑکی بند کر دینے کے لیے جبر نہ کیا جائے بلکہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ ایسی صورت اختیار کرے جس سے ہمسایہ کی بے پر دگی نہ ہو:

وإذا أحدث رجل في بنائه شيئاً يطل على مقر نساء جارة، لا يorum بهدم الحائط وسد شبابكه كلياً بل بقدر ما يرفع الضرر عن جارة بصورة تمنع النظر۔ (۳)

(۱) مجلة أحكام العدلية: ص ۱۸ / الأشباء والنظائر: ص ۸۷

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶

۳.....اگر حاکم کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مدیون باوجود دین کی ادائیگی کی قدرت رکھنے کے دین ادا کرنے میں لیت و لعل کر رہا ہے، اور قرض خواہوں نے اپنے دیون کی ادائیگی کے لیے حاکم کے پاس مدیون کے مال کو فروخت کرنے کا دعویٰ دائر کر دیا ہے تو حاکم اب مدیون کے مالی تصرفات پر پابندی عائد کر کے اس کو روک دے گا، پھر اگر مدیون اپنے مال کو فروخت کر کے دین ادا کرنے سے انکار کرے تو حاکم کو یہ حق ہو گا کہ مدیون کے دین کی ادائیگی میں اولاً اس مال سے ادائیگی کا حکم دے جو مدیون کے لیے زیادہ ضرر سامنہ ہو، لہذا اولًا نقدین سے ادائیگی کی جائے اگر ان سے پورانہ ہو سکے تو اب سامان کی طرف توجہ کی جائے اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو اب غیر منقولہ جائیداد کا نمبر ہو گا، اس لیے کہ ضرورت کا حکم اس کے اندازے کے مطابق دیا جاتا ہے:

لو ظهر للحاكم مما طلة المديون في أداء دينه حال كونه مقتدرًا  
وطلب الغرماء ببيع ماله وتأدية دينه، حجر الحكم ماله وإذا امتنع  
عن بيعه وايفاء الدين يبدأ الحكم بما هو أهون في حق المديون  
بتقديم النقود أولًا، فإن لم تف فالعرض فإن لم تف فالعقل، لأن  
الضرورة تقدر بقدرها۔<sup>(۱)</sup>

۴.....اس قاعدے کی فروع میں مضاربہ کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ مضارب ایک حیثیت سے ایمن ہوتا ہے اس لیے مضاربہ کا اصل مال اس کے پاس امانت (ودیعت) کے حکم میں ہوتا ہے، چنانچہ جب مضاربہ کا عقد کسی شرط یا قید سے مطلق ہو تو مضارب کو صرف یہ حق حاصل ہو گا کہ اگر اس کو کسی دوسرے مقام کے سفر کی ضرورت پیش آگئی ہو تو مال مضاربہ سے عرف اور رواج کے مطابق سفر خرچ لے لے اس حد سے تجاوز نہ کرے:

ومن فروعها أيضاً أن المضارب من جهة كونه أميناً فرأس المال  
في يده أمانة في حكم الوديعة، المضارب في المضاربة المطلقة إذا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶

ذهب بعمل المضاربة إلى محل غير البلدة التي وجد فيها يأخذن

مصروفة بالقدر المعروف من مال المضاربة ولا يتتجاوزه۔<sup>(۱)</sup>

..... جو عورت اپنے بچے کو دودھ پلارہی ہواں دوران اس کا حمل قرار پا جائے جس کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہونے لگے بچے کے والد کی مالی حالت اس قابل نہیں کہ وہ بچے کے لیے کسی دودھ پلانے والی عورت کو مقرر کر سکے، ساتھ ہی بچے کے ضائع ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو تو فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر جب تک حمل نطفہ یا بستہ خون یا پارچہ گوشت کی حالت میں ہو علاج کے ذریعہ اس کا ساقط کر دینا مباح ہو گا یعنی جب تک اس میں اعضاء کی تخلیق نہ ہوئی ہو، اس کا اندازہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ۱۲۰ یوم کا مقرر کیا ہے، اس سقوط کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس مدت کے اندر حمل انسانیت کی شکل نہیں اختیار کرتا چنانچہ اجراء حیض کے ذریعہ اس کو ساقط کر دینا نفس انسانی کو ضائع کرنا نہیں متصور ہوتا، لیکن ۱۲۰ یوم کے بعد ایسا کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ اب یہ عمل قتل نفس کے درجہ میں شمار ہو گا، لہذا اول حالت میں ایک انسانی نفس کی حفاظت کے لیے غیر انسانی شئی کا ضائع کرنا مباح ہو گا، اور دوسری حالت میں نفس انسانی کو اس کی مثل نفس انسانی کے لیے ضائع کرنا لازم آئے گا (جو کہ جائز نہیں):

والمرضة إذا ظهر بها الحمل وانقطع لبنها، وليس لأب الصغير ما

يستأجر به ظئرا ويحاف هلاك الولد، قالوا يباح أن تعالج في

استنزال الدم ما دام الحمل نطفة أو علقة أو مضغة لم يخلق له

عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً وإنما أباحوا افساد

الحمل باستنزال الدم لأنه ليس بآدمي، فيباح لصيانة الآدمي ولا

يجوز بعد مضي مائة وعشرين يوماً لأنه يكون قتل نفس محترمة

لصيانة نفس أخرى۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۶

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۷

۶.....اگر جنگ کے موقعہ پر کفار مسلمان بچوں کو اپنے لیے ڈھال بنالیں تو کفار پر اس کے باوجود تیر اندازی (وقارنگ وغیرہ) جائز ہوگی اس لیے کہ فرض جہاد قائم کرنے کی ضرورت کا اقتضاء بھی ہے، لیکن اس وقت مسلمانوں کا مقصد و نیت کفار کا مقابلہ قتل کرنا ہوگا نہ کہ بچوں کو نشانہ بنانا، اب یہ سوال باقی رہا کہ کیا ایسی صورت میں (مسلمان بچوں کے قتل ہو جانے پر) دیت و کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ ہمارے زدیک واجب نہ ہوگا اور حسن امین زیاد رحمہ اللہ کے زدیک واجب ہوگا۔

حسن بن زیاد رحمہ اللہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا خون معصوم ہے مناسب یہی تھا کہ تیر اندازی کی اجازت نہ دی جاتی لیکن فرض جہاد کی ادائیگی کی ضرورت نے تیر اندازی کی اجازت پر مجبور کیا ہے، لہذا یہ اجازت اس حد تک صحیح ہوگی جس حد تک ضرورت پوری ہو جائے اور یہ اس طرح ہوگی کہ قتل مسلم کا موآخذہ ساقط متصور کیا جائے لیکن خمان (دیت و کفارہ) ساقط نہ ہوگا:

وَمِنْ فَرَوْعَهَا أَنَّ الْكُفَّارَ حَالَ الْحَرْبَ إِذَا تَرَسُوا بِأَطْفَالِ الْمُسْلِمِينَ  
فَلَا بَأْسَ بِالرَّمِىٍ عَلَيْهِمْ لِضَرُورَةٍ اقْتَامَةٌ فِرْضُ الْجِهَادِ، لَكُنْهُمْ  
يَقْصِدُونَ الْكُفَّارَ دُونَ الْأَطْفَالِ، وَهُلْ تَجْبِ الدِّيَةُ وَالْكَفَارَةُ أَمْ لَا،  
عَنْدَنَا لَا، وَقَالَ الْحَسَنُ أَبْنَ زِيَادٍ: تَجْبِ الدِّيَةُ وَالْكَفَارَةُ۔

وجه قوله أن دم المسلم معصوم، فكان ينبغي أن يمنع من الرمي الا أنه لم يمنع لضرورة فرض الجهاد، فعلى قوله يتقدر بقدر الضرورة في رفع المواجهة لا في نفي الضمان۔<sup>(۱)</sup>

۷.....دارکفر میں غازیوں کے لیے ماکولات و مشروبات جانوروں کا دانہ چارہ لکڑیاں (ایندھن) کا امیر لشکر کی حفاظت میں جمع ہونے سے قبل استعمال کرنا جائز ہے، خواہ نفع اٹھانے والا مجاہد فقیر ہو یا غنی ہو لیکن یہ انتفاع صرف ضرورت کی حد تک جائز ہوگا:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۸۵ / بدانع الصنائع: كتاب السير، فصل في بيان ما يجب على الغزاة الافتتاح به، ج ۷ ص ۱۰۰

ان الغزاة في دار الحرب يباح لهم الانتفاع بالما كول والمشرب والحلف والخطب من الغنائم قبل الاحراز بدار الاسلام، ففيما كان المبتلي أو غنيا لكن بما فيه دفع الضرورة لا غير۔<sup>(۱)</sup>

۸..... شهيد کا خون اس کے لیے پاک ہے لیکن دوسروں کے لیے ناپاک ہے اسی اصول کے پیش نظر:

دم الشهيد ظاهر في حق نفسه نجس في حق غيره لعدم  
الضرورة۔<sup>(۲)</sup>

۹..... سخت بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لیے صرف اس قدر حرام اشیاء کھائی جاسکتی ہیں جس سے جسم و روح کا تعلق باقی رہ سکے۔  
المضطـر لـا يـأكـل مـن الـمـيـتـة إـلـا قـدـرـسـدـ الرـمـقـ۔<sup>(۳)</sup>

۱۰..... اگر کوئی شخص دیکھے کہ کوئی عورت دریا میں ڈوب رہی ہے اور وہاں اس عورت کا کوئی محروم موجود نہیں ہے تو عورت کی جان بچانے کی خاطر اس کو پانی سے نکال سکتا ہے جو نہی ضرورت ختم ہوگی پھر وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لیے کہ ”الضرورة تقدر بقدرهَا“

## قواعد نمبر (۲۲)

مَا جَازَ لِعُذْرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ۔<sup>(۴)</sup>

جو امر کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو وہ عذر کے زائل ہونے پر جائز نہ ہو گا۔

## شرح

چونکہ کسی عذر کی بناء پر کسی امر کا جواز اس لیے ہوتا ہے کہ اصل امر انسان کے لیے

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۵۸ (۲) الأشباء والناظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

(۳) الأشباء والناظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۷

(۴) الأشباء والناظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸ / مجلة أحكام العدلية: ص ۱۹

دشوار ہوتا ہے تو گویا یہ عذر اصل کا ناس متصور ہوتا ہے اب اگر عذر رکھ لیا ہونے اور اصل پر بسیروں عمل ہونے کے باوجود عذر کا حکم جائز رکھا گیا تو لازم آئے گا کہ اصل اور اس کا ناس بیک وقت حکماً جمع ہو جائیں اور یہ صحیح نہیں، جس طرح کہ حقیقت اور مجاز کا وقت واحد میں جمع ہونا صحیح نہیں ہوتا، اور زوالی عذر کے بعد حکم کے باطل ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اب عذر قابل اعتماد نہ رہے گا۔

## تفریعات

۱..... ایک تمیم کیے ہونے شخص کو جب پانی میرا آجائے گا تو اس کا تمیم باطل ہو جائے گا، اور ناپاکی کی اصل حالت واپس لوٹ آئے گی حتیٰ کہ اگر نماز کے درمیان وضو کے پانی پر، قدرت حاصل ہو گئی تو نماز باطل ہو جائے گی اور اب وضو کر کے نماز ادا کرنا فرض ہو گا:

کالمتمیم إذا وجد الماء، ینتقض وضوه بالحدث السابق حتى لو  
وتجده وهو في اثناء الصلوة بطلت، ويفترض عليه الوضوء۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اسی طرح جو شخص خارش کا مرض لاحق ہونے کے عذر سے ریشی لباس استعمال کر رہا ہو تو خارش دور ہونے کے بعد اس پر یہ لباس حرام ہو جائے گا:

ولوجوب الانسلان عنہ کاللبس الحرير لمن في جسدہ حکمة ثم  
زالت عنه۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک نمازی شخص کا لباس جب ایک درہم سے زائد بخس ہو (دوسراؤ کوئی لباس موجود نہ ہو) اور دھونے کے لیے پانی بھی موجود نہ ہو، اس لباس میں اس نے متعدد نمازوں میں عذر کی وجہ سے ادا کیں ہوں، اس کے بعد اس کو اتنا پانی میرا آ گیا جس سے وہ اپنا لباس دھو ڈالے تو اب سابقہ نمازوں کو قضایا کرنے کی ضرورت نہیں تاکہ حرج میں بٹلانا ہو، البتہ اگر آخری نماز کے درمیان میں پانی مل گیا تو یہ نماز باطل ہو جائے گی:

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

ولهذه القاعدة فروع في العبادات والمعاملات: منها المصلى إذا كان على ثوبه نجاسة أكثر من قدر الدرهم ولم يجد ماء ليضله، فلو صلى فيه صلوات عديدة ثم بعد الفراغ منها وجد الماء، لا يعيدها للحرج، لكن إذا وجده في أثناء آخر صلوة يصلحها،  
تبطل۔<sup>(۱)</sup>

۳..... جو شخص قيام سے معذور ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کر رہا تھا اس کو قيام کی قدرت حاصل ہو گئی، قرآن نہ پڑھنے والے کو قرآن پڑھنا آگیا یا برہنہ جسم نماز پڑھنے والے کو کپڑا میرا آگیا، تو ان کا حالت عذر زائل ہونے پر عذر کا حکم باقی نہ رہے گا بلکہ اصل شرمگاہ کا ستر، نماز کا قيام، قرآن کی قراءات ان پر فرض ہو جائے گی، اسی طرح شیخ فانی اور مریض جب روزہ رکھنے پر قادر نہ ہوں اس وقت ان کے لیے فدیہ کا حکم ہو گا:

ومنها المومى فى الصلاة إذا قدر على القيام، والأمى إذا تعلم القراءة، والعارى إذا وجد ثوباً يستر عورته، لأن الطهارة والستر والقيام والقراءة فرض على القادر عليها، والسقوط عن هولاء للعجز وقد زال۔

ومنها الشیخ الفانی إذا فدى عن صومه، والمریض العاجز عنه،  
فهمَا عَلَى هَذَا الْحُكْمِ۔<sup>(۲)</sup>

۵..... جو عورت اپنے متوفی شوہر کی عدت میں ہواں پر واجب ہے کہ اس مکان میں عدت کی تکمیل کرے جس میں اس کا شوہرنوت ہوا ہو اور اس سے باہر نہ جائے، لیکن اگر اپنی معاشی ضرورت کے لیے دن میں باہر جانا پڑے تو اس وقت اس کو اس کی اجازت ہے اور جب بھی یہ عذر زائل ہو گا اس کا باہر نہ کلنا جائز نہ رہے گا:

ومنها المعتدة عن وفاة زوجها يحب عليها المكث في بيتها

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

المعتدة فيه إلى أكمال عدتها، لكن حيث لا نفقة لها إذا اضطررت

للخروج لضرورة الكسب، فمتى حصل لها مال فاستغنت عن

الخروج، فقد زال العذر فليس لها الخروج۔<sup>(۱)</sup>

۶..... وکیل جس کو معزول کر دیا گیا ہو لیکن اس کو اپنے معزول ہونے کی اطلاع نہ مل سکی وہ بدستور اپنا کام کرتا رہا اور اس کا یہ عمل موکل کے حق میں نافذ ہو گا لیکن معزولی کا علم ہو جانے کے بعد کوئی عمل موکل کے حق میں نافذ نہ ہو گا:

و منها الوکیل إذا عزله الموکل ولم یبلغه العزل ثم عمل بالوکالة

جاز على موکله، فإذا زال جهلة وعلم بالعزل فلا یجوز له

التصرف۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی مستاجر نے کسی شئی کو اجارے پر لیا اور اس کے بعد اس شئی میں کوئی عیب پیدا ہو گیا جس سے مستاجر کو اجارے کے فتح کرنے کا حق پیدا ہو گیا لیکن اجارے کے فتح کرنے سے پہلے موجر کے کاریگر نے اس عیب کو دور کر دیا تو مستاجر کے فتح کا اختیار باطل ہو جائے گا:

و منها لو حدث بالما جور عیب یخل بالمنفعة حتى صار للمستأجر

خيار الفسخ لعذر العيب، فقبل الفسخ لو أزاله الموجر، بطل خيار

المستأجر۔<sup>(۳)</sup>

۸..... اضطراری صورت میں حرام اشیاء کا استعمال جائز ہوتا ہے جو نبی اضطراری

کیفیت ختم ہو جائے ان اشیاء کی حرمت لوٹ آئے گی۔

۹..... عرونه زید کے پاس کچھ امانتیں رکھیں اتفاقاً زید کے گھر کو آگ لگ گئی اور

زید نے وہ امانتیں کسی پڑوی کے ہاں رکھ دیں جہاں وہ تلف ہو گئیں، تو زید کو معذور سمجھا

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۰

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۱

جائے گا اور زید ان کے نقصانات کا ذمہ دار نہ ہو گا، اور اگر آگ بجھادی گئی اور پھر بھی وہ امامتی پڑو سی کے ہاں رہیں زید انہیں اپنی حفاظت میں نہیں لایا اور پھر وہ تلف ہو گئیں تو زید ذمہ دار ہو گا اس لیے کہ عذر زائل ہو چکا ہے اور نقصان زید کی غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۰..... اگر کوئی عورت خاوند کے ساتھ اس وجہ سے نہ رہے کہ اس کا مہر ادا نہیں کیا تو مہر کی ادائیگی کے بعد اس کا الگ رہنا جائز نہ ہو گا۔ اسی طرح قانونی پابندیاں جو نابالغ پر عائد نہیں ہوتیں اس کے بالغ ہونے پر عائد ہو جائیں گی۔

## قواعد نمبر (۲۳)

إِذَا زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الْمَمْنُوعُ۔<sup>(۱)</sup>

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع اپنی سابقہ حالت پر قائم ہو جائے گا۔

## تشريع

بعض دفعہ کسی وجہ سے کوئی کام ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جب یہ ممانعت ختم کر دی جائے تو وہ کام اس طرح جائز ہوتا ہے جیسے ممانعت سے قبل تھا، مثلاً کسی مقام پر دفعہ ۱۳۳ یا کسی اور حکم کی بناء پر اجتماع نفوں یا اسلحہ یا کوئی اور چیز ایک خاص مدت کے لیے منع کر دی جائے، تو اس مدت کے خاتمے پر یہ ممانعت ختم ہو جائے گی اور ممنوع اشیاء و افعال جائز ہو جائیں گے، جب کسی خاص دن گوشت کا ناغہ ختم کر دیا جائے تو اس دن جانوروں کا ذبح کرنا خلاف قانون نہیں ہو گا۔

## تفریعات

۱۰..... اگر مشتری (خریدار) کو کوئی شئی خریدنے کے بعد بیع میں کسی ایسے عیب کا علم ہوا جو بالع کے پاس سے ہی موجود چلا آ رہا ہے تو اس مشتری کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ یا

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والعشرون، ص ۱۹۱

مبيع کو واپس کر دے یا یہ کہ مقررہ قیمت پر لینے کی رضامندی کا اظہار کر دے، لیکن اگر مشتری کے قبضہ میں مزید کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو بعیت کی واپسی سے مانع تھا تواب مشتری کا سابقہ خیار باطل ہو جائے گا، اگر مشتری کے پاس پیدا ہونے والا عیب زائل ہو گیا تواب وہ حکم منوع یعنی عدم واپسی کا حکم بھی زائل ہو جائے گا اور مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا:

والمشترى إذا تبين له فى مشريه عيب قدديم كان عند البائع، فله الخيار بين قبوله بالشمن المسمى أو الرد على بايعه لكن إذا حدث عند المشترى عيب يمنع الرد فلا خيار له بل يرجع على البائع بنقصان الشمن لكن إذا زال العيب الحادث يعود الممنوع وهو حق الرد۔<sup>(۱)</sup>

۲.....واہب کے لیے ہبہ پر قبضہ ہونے سے قبل اپنے ہبہ سے مطلق رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اور قبضہ ہو جانے کے بعد موہوب لہ کی رضامندی یا حکم حاکم کے بعد رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر موہوبہ شی میں کوئی متصلة زیادتی پیدا ہو چکی ہو تواب رجوع کرنا جائز نہ ہو گا، پھر اگر یہ زیادتی دور ہو گئی تو حکم منوع واپس آجائے گا یعنی رجوع کرنا جائز ہو جائے گا، مثلًا موہوبہ زمین میں موہوب لہ نے کوئی تغیر کر لی یا درخت لگادیے بعد میں یہ عمارت یا درخت زائل کر دیئے گئے اور خالص زمین رہ گئی تو واہب کا حق رجوع واپس آجائے گا کیونکہ مانع زائل ہو چکا:

منها أن الواهب يسوغ له الرجوع في هبته قبل القبض مطلقاً أو  
بعدة برضي المohoوب له أو حكم الحاكم، لكن إذا حدث في  
المohoوب زيادة متصلة امتنع الرجوع فإذا زالت الزيادة كما لو كان  
المohoوب أرضاً فأحدث فيها المohoوب له بناء أو غرس شجرًا فزال

البناء والشجر حتى صارت أرضاً، يعود الممنوع وهو حق الرجوع،

(١) لزوال المانع وهو الزيادة۔

٣..... اسی طرح اگر کوئی کنیز اپنے شوہر کی وفات کی عدت میں ہواں کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے آقا کی خدمت کے لیے عدت کے مکان سے باہر نکلے، لیکن اگر اس کنیز کو عدت کے درمیان آزاد کر دیا گیا تو اب اس پر حرج (آزاد عورت کا) حکم عائد ہوگا، اور عدت کے اندر مکان سے نکلنا جائز نہ رہے گا اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا اور حکم ممنوع واپس آگیا:

و منها أن الأمة المعتمدة من زوج، لها الخروج من بيت عدتها

لخدمة مولاهـا، فلو اعتقـها يلزمـها فيما بـقى من عـدتها ما يلزمـ الحرـة

من المـكثـ فى بـيتـ عـدتهاـ، لأنـ المـانـعـ قدـ زـالـ فـعـادـ المـمنـوعـ۔ (٢)

٤..... اسی طرح جس کتابیہ عورت کو اس کے مسلمان شوہرنے طلاق دے دی ہواں کے لیے عدت کے دوران عدت کے مکان سے باہر نکلنا جائز ہوگا اس لیے کہ سکونت کا حق ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس طرح یہ ایک عبادت ہے اور کتابیہ عورت اس کی مکلفہ نہیں، البته اگر عدت کے درمیان اسلام لے آئی تو اس پر مسلمہ کی طرح عدت کے احکام جاری ہوں گے اس لیے کہ دین کا اختلاف ان احکام کے اجراء سے مانع تھا اور جب یہ مانع زائل ہو گیا تو اب حکم مرتب ہوگا اور سکونت واجب ہوگی:

كـذـلـكـ الـكتـابـيـهـ الـمـطلـقـةـ مـنـ مـسـلـمـ لـهـاـ أـنـ تـخـرـجـ لـأـنـ السـكـنـيـ حـقـ

الـلـهـ تـعـالـيـ مـنـ وـجـهـ، فـتـكـوـنـ عـبـادـةـ مـنـ هـذـاـ الـوـجـهـ، وـهـيـ غـيرـ

مـخـاطـبـةـ بـذـلـكـ لـكـنـ إـذـاـ أـسـلـمـتـ وـهـيـ فـيـ الـعـدـةـ، لـزـمـهـاـ فـيـمـاـ بـقـىـ مـنـ

الـعـدـةـ مـاـ يـلـزـمـ الـمـسـلـمـةـ، لأنـ المـانـعـ مـنـ الـلـزـومـ هوـ اـخـتـلـافـ الدـيـنـ،

وـقـدـ زـالـ بـالـإـسـلـامـ، فـعـادـ المـمـنـوعـ، وـهـوـ الـلـزـومـ۔ (٣)

٥..... اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی مکاتبہ کنیز کے بچہ کا اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا

(١) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ٦٢

(٢) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ٦٢

(٣) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ٦٢

مدعی سے اس بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ کنیر کے بچے کا نسب اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی ملکیت ثابت نہ ہو اور مکاتبہ کنیر مملوک ہونے کا محل نہیں ہوتی اس بناء پر اس شخص کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر یہ کنیر کتابت کے مال ادا کرنے سے عاجز ہوگئی تو اس شخص کا دعویٰ نسب صحیح ہو کر نسب ثابت ہو جائے گا، کیونکہ مانع کے زوال کے بعد حکمِ منوع لوٹ آتا ہے:

ومنها ما لو ادعى ولد مكاتبۃ ابنه لم یثبت نسبة منه لأن النسب لا  
یثبت بدون الملك، والمكاتبۃ لا تحتمل التملك، فلا تصح دعوته  
لكن إذا عجزت تنفذ دعوته لأنها بالعجز عادت قنا، فتصح فقد عاد  
الممنوع وهو الصحة، بزوال المانع وهو الكتابة۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ماں یا جس عورت کی زیر پرورش کوئی بچہ ہو جب وہ کسی مانع کی وجہ سے اپنا حق حضانت ساقط کر بیٹھے مثلاً کسی اجنبی شخص سے نکاح (ثانی) کر لے اس کے بعد یہ ثانی شوہر اس کو طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اس عورت کا حق حضانت واپس آجائے گا:

ومنها أن الأم أو غيرها من أهل الحضانة إذا سقط حقها من حضانة الولد لمانع كان تزوجت من أجنبى مثلاً ثم طلقها الزوج أو مات عنها، عاد حقها لزوال المانع۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی شخص نے اپنے وارث کے غلام کے لیے وصیت کی یہ وصیت صحیح ہونے سے قبل غلام آزاد ہو گیا تو وصیت صحیح ہو جائے گی کیونکہ اس کی غلامی کی حالت مانع تھی اور وہ زائل ہو چکی:

ومنها لو أوصى لعبد و ارثه لا تصح الوصية، سواء كان على العبد  
دين أولاً، فإذا عتق قبل موته صحت، لأن الرقبة كانت مانعاً من  
الصحة، وقد زالت فعاد الممنوع وهو الصحة۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۲

اگر کسی ایسی شئی کو جو تقسیم کی صلاحیت رکھتی تھی غیر منقسمہ حالت میں کرایہ پر دیا گیا تو یہ عقد جائز نہ ہوگا، لیکن اگر اس کے بعد اس کو تقسیم کر دیا گیا تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا اس لیے کہ مانع زائل ہو گیا:

وَمِنْهَا لِوَآجْرٍ مُشَاعًّا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ لَا يَجُوزُ، لَكِنْ إِذَا قِسْمٌ وَسَلِيمٌ  
جائز، لزوال المانع فيعود الممنوع۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۲۳)

أَلَضَرَّرُ لَا يُزَالُ بِمِثْلِهِ۔<sup>(۲)</sup>

کسی ضرر کا اس کے مثل ضرر اختیار کر کے ازالہ کیا جائے گا۔

## شرح

جب ایک ضرر کو دوسرے ضرر سے جو اس کے مثل ہوگا اس سے دور کریں گے تو ایک جانب سے ضرر دور ہوگا اور دوسری جانب ضرر برقرار رہے گا یا اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک جگہ سے ضرر ختم ہوتے ہی دوسری جگہ ضرر شروع ہو جائے گا، اور ضرر جو ایک آدمی کے حق میں ضرر ہے وہ اسی طرح دوسرے کے حق میں بھی ضرر ہے کیونکہ سب انسان شریعت کی نظر میں برابر ہیں تو کسی کو یہ بات رو انہیں کہ وہ دوسرے کو حقیر جان کر اس کو ضرر پہنچائے اس کے لیے ایسا عمل کرنا جائز نہیں ہے، اور اصل میں تو ضرر کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس صورت میں ضرر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ سے ختم ہو کر دوسری جگہ ضرر پیدا ہو جاتا ہے، تو اس سے اصل نشانہ شریعت بھی پورا نہ ہوا کیونکہ ضرر ختم نہیں ہوا۔

ضرر کا ازالہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اس کے ازالہ سے بالکل دوسرے ضرر لازم نہ آئے یا لازم آئے مگر اس ضرر سے کم درجے کا ہو اور اگر صورت حال یہ ہے کہ ایک ضرر کے ازالہ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

(۲) الأشباء والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸ - مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

سے دوسرا اسی کے مثل لازم آتا ہے یا اس سے بڑھ کر لازم آتا ہے تو اس صورت میں ازالہ صحیح نہ ہو گا۔

## تفریعات

۱.....اگر کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دی جائے کہ تم دوسرے مسلمان کو قتل کرو ورنہ تمہیں قتل کیا جائے گا تو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے مسلمان کو قتل کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ اس میں ازالہ ضرر بمشتمل ضرر لازم آ رہا ہے، بخلاف اس صورت کے کہ کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دے کر کسی مسلمان کے مال لینے یا کھانے پر مجبور کیا گیا ہو کہ اس وقت یہ ضرر اول ضرر سے کم درجہ کا ہے:

وَمِنْ فَرُوعِ هَذِهِ الْقَاعِدَةِ مَا لَوْ أَكْرَهَ عَلَى قَتْلِ الْمُسْلِمِ بِالْقَتْلِ مُثْلًا،

لَا يَجُوزُ لِأَنْ هَذَا ازالتُ الضرر بضررٍ مُثْلِهِ، بخلاف أكل ماله، فانه

ازالتُ الضرر بما هو أخفـ<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر ایک شخص بھوک سے ٹھہرال ہو اور دوسرے شخص کے پاس اتنا کھانا ہو کہ بمسئلہ اس کی ضرورت اس سے پوری ہو سکے اور اس سے کھانا لے لیا جائے تو اس کے بچنے کی بھی امید نہ رہے تو ایسی صورت میں پہلے شخص کو بھوکا مرنے سے بچانے کے لیے دوسرے شخص سے کھانا لے کر اس کو نہیں دیا جائے گا۔

۳.....ایک غلام شہر میں آیا اور (تاجریوں سے) بیان کیا کہ اس کے آقا نے اس کو تجارت کی اجازت دے دی ہے، تجارت نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے تجارت کا لین دین اس کے ساتھ شروع کر دیا جس سے غلام کے ذمہ پر (تجار) کا قرضہ واجب ہو گیا، تو اس قرضے کی ادائیگی میں اس غلام کا مال مکسوہہ تو فروخت کیا جاسکے گا لیکن اس کی ذات کو فروخت کرنا جائز نہ ہو گا، کیونکہ اس کی ذات آقا کی ملکیت ہے، اس کے فروخت کر دینے

سے آتا کو اسی طرح کا ضرر پہنچے گا جس طرح قرض خواہوں کو پہنچ رہا ہے، اور یہ ازالہ ضرر بمثلاً ضرراً اول ہو گا جو کہ درست نہیں:

عبد قدم مصراء، وقال أنا عبد فلان مأذون في التجارة، فصدقوا  
وبايوعه حتى صار مديونا، يباع كسبه لا رقبته، لأن الرقبة لمولاها  
فلو بيعت لتضرر بغير حق فيكون ازالة الضرر عن الغرماء بمثله،  
وهو ضرر المولى۔<sup>(۱)</sup>

۳..... کسی تنگ دست کے لیے ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا کہ وہ دوسرے غریب رشتہ داروں کی کفالت کرے۔

۴..... کسی شخص کے کھیت کو ضرورت سے زائد پانی خراب کر رہا ہو یا اس کے مکان کو نقصان پہنچا رہا ہو تو مالک مکان یا مالک اراضی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے کھیت یا گھر کو نقصان سے بچانے کے لیے اس پانی کو دوسرے کے کھیت یا مکان میں بہادے۔

۵..... جب مشتری کے قبضہ میں بیع کے اندر کوئی عیب پیدا ہو گیا پھر ایسا عیب بھی ظاہر ہو گیا جو باعث کے پاس پیدا ہوا تھا تو مشتری کو اس قدیم عیب کی وجہ سے بیع کی واپسی کا حق نہ ہو گا، اس لیے کہ ضرر کا ازالہ اس کے مثل ضرر سے نہیں ہو سکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ضرر قدیم کی بناء پر بیع کی قیمت کے نقصان کی رقم واپس لے کیونکہ یہ ضرراً اول سے کم درجہ کا ہے:

إذا حدث في المبيع عيب عند المشتري ثم ظهر فيه عيب قدديم  
كان عند البائع فليس للمشتري أن يرده على بائعه بالعيوب قدديم  
لأن الضرر لا يزال بمثله، بل له الرجوع بنقصان العيب فقط،  
فيدفع بقدر الامكان وهذا أخف الضررين۔<sup>(۲)</sup>

۶..... کسی شخص کے لیے شدت بھوک میں یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی جان بچانے کے لیے دوسرے انسان کے کسی عضو کو کاٹ کر کھائے اگرچہ وہ اجازت ہی کیوں نہ دے، کیونکہ

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳، ۶۴ (۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۳

شرعاء دون نفوس کا احترام برابر ہے۔

۸..... اگر (کسی شخص کی) مرغی نے (دوسرے کا) موتی کھالیا یا گائے نے ہانڈی میں اپنا سر پھنسادیا یا گائے کا بچہ کسی کے پاس و دیعت رکھا گیا تھا اور وہ مکان میں پلٹا رہا حتیٰ کہ اتنا بڑا ہو گیا کہ دروازے سے نکلا مشکل ہو گیا، دیوار گرائے بغیر مکان سے باہر نہیں آ سکتا، تو جس شخص کو زیادہ ضرر لاحق ہوتا ہواں کے حق میں کم ضرر والا ضامن ہو گا، اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ ”إن الضرر الأشد يزال بالأخف“ کم درجہ کے ضرر سے شدید ضرر کا زوال کیا جاتا ہے:

و منها ابتغلت دجاجة لولوة أو أدخل البقر رأسه في قدر أو أودع

فصيلاً فكبير في بيت المودع ولم يمكن إخراجه إلا بهدم الجدار

ي ضمن صاحب الأكثر قيمة الأقل قال: والأصل ان الضرر الأشد

يزال بالأخف۔<sup>(۱)</sup>

۹..... کسی شخص کے گھر میں پانی کے اخراج کی نالی درست نہ ہو جس سے گھر میں پانی جمع ہو جاتا ہو تو یہ درست نہیں ہے کہ نالی گلی میں، اس طرح نکالی جائے کہ گلی میں پانی جمع ہو جائے اور گزرنے والوں کو دشواری کا سامنا کرنا پڑے۔

## قواعد نمبر (۲۵)

يتحمل الضررُ الخاصُ لِدَفعِ ضَرَرِ عَامٍ۔<sup>(۲)</sup>

ضرر عام کے دفعیہ کے لیے ضرر خاص قابل برداشت ہو گا۔

## تشريع

عمومی طور پر انسانی معاشرے کے اجتماعی مسائل و معاملات کو اس اصول کے تحت

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۲: الدر المختار: كتاب الغصب، مطلب في رد المغصوب وفيما لو أبي المالك قبولة، ج ۶ ص ۱۹۲

(۲) الأشباء والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۸۸: مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

ٹے کیا جاتا ہے، ضررِ عام کی حیثیت و اہمیت ضرر خاص سے بہت زیادہ ہے، اس اصول کے پیش نظر جب کئی افراد کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوا یک خاص فرد کو بچانے کی خاطر تو اس وقت اس خاص فرد کے ضرر کو برداشت کیا جائے گا اور عام لوگوں کو ضرر سے محفوظ رکھا جائے گا، باس معنی کہ ضررِ عام کو حالتِ ضرورت کا درجہ دیا جائے گا اور اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس وقت ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا، اور اس حالتِ خاص کو عام پر قربان کیا جائے گا تاکہ عمومی افراد ضرر سے محفوظ رہیں گویا ضررِ عام کو خاص پر ترجیح ہوگی، اس اصول کے تحت اجتماعی معاملات و مسائل کو تقویت ملتی ہے اور اس سے عمومی فضاء درست رہتی ہے، ورنہ چند افراد کی وجہ سے سارا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو سکتا ہے۔

## تفريعات

۱..... ساحر کا اور ایسے کافر کا جو لوگوں کو کفر کی دعوت دیتا ہو قتل کر دینے کا حکم بھی اس سلسلے سے متعلق ہے اس لیے کہ اول انسانوں کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور دوسرا انسانوں کے دین (ولمٰت) پر حملہ آور ہوتا ہے اس لیے کہ انسانوں کے (نفس و دین) کی حفاظت کے لیے جو کہ ضررِ عام ہے (ان دونوں کے قتل) ضرر خاص کو اختیار کر لیا جاتا ہے:

وَمَنْ هُذَا الْقَبِيلُ قَتْلُ السَّاحِرِ الْمُضْرِرِ وَالْكَافِرِ الْمُضْلِلِ، لَأَنْ هَذَا يُفْتَنُ النَّاسَ، وَهَذَا يُدْعُوهمْ إِلَى الْكُفَّارِ وَيُهَدِّمُ دِينَهُمْ، فَيَتَحَمَّلُ  
الضررُ الْأَخْصُ لِدَفْعِ الْأَعْمَمِ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کفار مسلمان بچوں کو اپنی حفاظت کے لیے اپنی ڈھال بنا لیں تب بھی کفار پر تیر اندازی جائز ہوگی، چونکہ بچوں کا ضرر ضرر خاص ہے اور عامۃ المسلمين پر حملہ ضررِ عام ہے:

وَمَنْ فَرَوْعَهَا أَيْضًا جَوَازُ الرَّمْى إِلَى كَفَارِ تَرَسُوا بِصَبْيَانَ الْمُسْلِمِينَ  
لِدَفْعِ ضَرَرِ زَحْفِهِمْ عَلَى الْعَمُومِ۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

۳..... اگر کسی شخص کی دیوار عام راستے کی طرف جھک گئی ہو اس کو ضرر عام کے دفع کرنے کی خاطر منہدم کر دیا جائے گا:

و منها وجب نقض حائط مملوک إلى طريق العامة على مالكه،  
دفعاً للضرر العام۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اگر غلہ فروخت کرنے والے تاجر ہوں نے نرخ میں ایسا اضافہ کر دیا ہو جو عام لوگوں کے حق میں ضرر کا باعث ہو گیا ہو تو ماہرین تجارت کے مشورے سے غلہ کا بھاؤ حکومت کی طرف سے مقرر کر دیا جائے گا:

و منها التسعير بسعر معتمد بمعرفة أهل الخبرة عند تعدد أرباب الطعام في بيعه بغير فاحش، دفعاً للضرر العام۔<sup>(۲)</sup>

۵..... امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین وجہ سے ایک عاقل بالغ آزاد شخص کے تصرفات پر پابندی لگانا جائز ہو گی، جبکہ مفتی حلیہ ساز ہو، طبیب عطائی ہو، کراچیہ پر اشیاء دینے کا کاروبار کرنے والا بذات خود مفلس ہو، تاکہ عامۃ الناس کو دینی اور جانی و مالی نقصان نہ پہنچے:

و منها جواز الحجر على العاقل البالغ الحر عند الامام الأعظم في ثلاثة: المفتى الماجن والطبيب الجاھل المكارى المفلس، دفعاً للضرر العام في الدين والنفوس والأموال۔<sup>(۳)</sup>

۶..... کسی جگہ اگر آگ لگ جائے تو آگ کو روکنے کے لیے اس کی ملحق جگہ یا مکان میں مناسب توڑ پھوڑ کر کے آگ پر قابو پایا جاسکتا ہے تاکہ زیادہ تباہی سے بچا جاسکے اور آگ پر کنٹرول حاصل کیا جاسکے۔

۷..... ناجربہ کارڈ اکٹر کو آپریشن اور علاج کرنے سے اس وقت تک روکا جاسکتا ہے جب تک کوہ مستند اکٹرنہ بن جائے تاکہ لوگوں کی جانوں کو خطرہ لا جتنہ ہو۔

(۱) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۲) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۷

- ۸..... اگر کسی نے الیکٹریک چکہ کوئی عمارت بنائی جہاں لوگوں کے اجتماعی مفادات میں مثلاً عیدگاہ وغیرہ ہے تو اسے گرا یا جائے گا، اور یہ گرانا اجتماعی مفادات کی خاطر درست ہے۔
- ۹..... کسی کارخانے کے دھویں یا شور سے عوام کو بچانے کے لیے کوئی قدم اٹھانا جائز ہے، خواہ اس میں کارخانے کے مالک کو نقصان اٹھانا پڑے اس لیے کہ ضرر عالم سے بچنے کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جاتا ہے۔
- ۱۰..... کسی مکان سے مسلسل گند اپانی بہہ رہا ہو جس سے راستے میں چلنے والوں کو تکلیف کا سامنا ہو تو مالک مکان کو اس گندے پانی کے غیر ضرر طریقے سے نکالی کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، قومی اور اجتماعی مفادات کو ذاتی اور انفرادی مفادات پر ترجیح دی جائے گی۔

## قاعدہ نمبر (۲۶)

الضَّرُرُ الأَشَدُ يُزَالُ بِالضَّرُرِ الْأَخْفِ۔ (۱)  
شدید ضرر کا ازالہ نسبتاً خیف ضرر سے کیا جائے گا۔

## شرح

اگر دونوں نقصان آپس میں ملکار ہے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو برداشت کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی یا تو دونوں نقصان برابر کی حیثیت رکھتے ہوں گے، اگر یہ صورت ہو تو ”الضرر لا يزال بمثله“، والا ضابطہ لا گو ہو گا کہ جو نقصان ہو چکا ہے اس کو برداشت کیا جائے گا اور اس کو زائل کرنے کے لیے دوسرا اس جیسا نقصان کرنے کی اجازت نہ ہو گی، اور اگر صورت حال یہ ہو کہ دونوں نقصانوں میں سے ایک بڑا ہو تو بڑے نقصان کو ختم کرنے کے لیے چھوٹا نقصان برداشت کیا جائے گا۔

## تفريعات

۱..... اگر کسی شخص کو ایسا خزم ہو جو سجدہ کرنے سے جاری ہو تو اس شخص کو بیٹھ کر

(۱) مجلة أحكام العدلية: ص ۱۹ شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والعشرون، ص ۱۹۹

اشاروں سے نماز ادا کرنی چاہیے اس لیے کہ نماز کو بے خساد اکرنے کے مقابلے میں سجدے کا ترک کر دینا آسان ہے:

فلو کان رجل له جرح، لو سجد سال جرحه يومى ويصلى قاعدا

لأن ترك السجود أهون من الصلاة مع الحدث۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر کوئی بوڑھا شخص کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت نہ کر سکتا ہو، صرف بیٹھ کر پڑھ سکتا ہو تو اس کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہو گی اس لیے کہ نفلی نماز بغیر عذر کے اختیاری شکل میں بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے لیکن قراءت کا ترک کرنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں:

شيخ لا يقدر على القراءة قائماً ويقدر عليها قاعداً، يصلى قاعداً

لأنه يجوز حالة الاختيال في النفل، ولا يجوز ترك القراءة بحال۔<sup>(۲)</sup>

۳.....اگر کسی عورت کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں اتنی پرده پوشی نہیں رہتی جس سے اس کی نماز صحیح ہو سکے لیکن بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں یہ پرده پوشی حاصل ہو جاتی ہے، تو اس کو بیٹھ کر نماز ادا کرنا ہو گی اس لیے کہ قیام کا ترک کر دینا کشف عورت کے مقابلے میں آسان ہے:

ولو أن امرأة لو صلت قائمة ينكشف من عورتها ما يمنع جواز

الصلاوة، ولو صلت قائمة لا ينكشف منها شيء فانها تصلى قاعداً،

لأن ترك القيام أهون وتمامه هناك۔<sup>(۳)</sup>

۴.....اگر کسی شخص کی مرغی دوسرے شخص کا موتی کھا جائے اور موتی کی قیمت مرغی سے زیادہ ہو تو موتی کا مالک مرغی کی قیمت ادا کر کے مرغی کا مالک ہو جائے:

كذلك لو ابتلعت دجاجة لوزة آخر وكانت قيمة اللوزة أكثر،

(۱) شرح المجلة: ص ۶۸ / البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج ۱ ص ۲۸۹

(۲) شرح المجلة: ص ۶۸ / البحر الرائق: كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ج ۱ ص ۲۸۹

(۳) شرح المجلة: المقالة الثانية، ص ۶۸ - الفتاوی الہندیۃ: كتاب الصلاة، الباب الثالث، الفصل الأول، ج ۱ ص ۵۹

يُضمن صاحب الولوة قيمة الدجاجة لصاحبها ويتملكها۔<sup>(۱)</sup>

۵.....اگر کسی مانع عیب کے پیدا ہو جانے سے بیع کی واپسی جائز نہ رہی مثلاً مشتری کے پاس بیع میں کوئی عیب پیدا ہو گیا یا یہ کہ بیع میں ایسی زیادتی کردی گئی جو اس سے جد نہیں ہو سکتی جیسے کہ ٹرائیکس کو رنگ دیا گیا توبہ مشتری (بائع سے) عیب کے نقصان کے حصہ کو اس سے وصول کرے گا اس لیے کہ اگر ہم یہ طریقہ اختیار کریں کہ مشتری پر بیع کا لینا بغیر رجوع نقصان کے لازم کر دیں تو اس سے مشتری کو ضرر پہنچے گا، اور اگر اس جدید عیب کے ساتھ بائع پر جبراً واپس کرنے کا حکم دے دیں یا جو زیادتی پیدا ہو گئی ہے اس کی قیمت ادا کر کے واپس لینے کا حکم دے دیں تو یہ بائع کا ضرر ہو گا، لہذا یہاں یہ دیکھنا ہو گا کہ ان دونوں ضرروں میں سے خفیف ضرر کونسا ہے جو خفیف ہو گا اسی کو اختیار کیا جائے، جس کی یہی صورت ہے کہ مشتری کو بائع کے پاس پیدا شدہ عیب کے نقصان کا معاوضہ دلادیا جائے:

ولو امتنع الرد بالعييب لمانع، كما لو حدث في المبيع عيوب عند

المشتري أو أحدث فيه زيادة متصلة كثوب صبغه يرجع المشتري

بنقصان العيوب، اذ لو اعتبر المانع وألزم به المشتري بدون رجوع

بنقصان العيوب، فهو ضرر عليه ولو أجبر البائع على الرد وقبوله

بالعيوب الحادث أو تضمينه قيمة الزيادة المتصلة فهو أيضاً ضرر

عليه فيختار أخف الضرر بين في حق الجانبيين وهو الرجوع

بنقصان۔<sup>(۲)</sup>

۶.....مال دار قریبی رشته داروں کو پابند کیا جائے گا کہ وہ تنگ دست رشته داروں کی کفالت کریں کیونکہ مال داروں کا کچھ مالی نقصان غریب رشته داروں کی زندگیوں سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۶۸ / تبیین الحقائق: کتاب الغصب، ج ۵ ص ۲۲۹

(۲) شرح المجلة: ص ۶۹

## قاعدہ نمبر (۲۷)

إِذَا تَعَارَضَ مُفْسِدَتَانِ رُوْعِيَّاً أَعْظَمُهُمَا ضَرَراً بِإِرْتِكَابِ أَخْفَهِمَا۔<sup>(۱)</sup>  
جب دو خرابیوں کے درمیان ابتلاء ہو جائے تو ان میں سے آسان کو اختیار کر لیا  
جائے۔

ماخذ

یہ اصول حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم مخالف سے اخذ کیا گیا ہے:  
مَا خُبِّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا  
لَمْ يَأْشِمْ۔<sup>(۲)</sup>

ہر وہ چیز جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو امروں کے بارے میں اختیار دیا  
جاتا تو ان میں سے جو زیادہ آسان ہواں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار  
فرماتے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔

اس حدیث کے مفہوم مخالف سے فقهاء کرام حرمہم اللہ نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ اگر  
دو براہیاں درپیش ہوں اور ان سے مخلص کا کوئی چارہ نہ ہو تو ان میں سے ہلکی برائی کو اختیار کیا  
جائے گا تاکہ برڑی برائی یا برڑے نقصان سے بنجات مل سکے۔

## تفریعات

ا..... کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی جان کو کسی ہلاکت میں ڈالے لیکن اگر  
اس پر دو مصیبتوں آ جائیں جن میں سے ایک دوسرا کی بُنیت آسان ہو مثلاً اس کو قتل کی  
دھمکی دے کر یہ کہا جائے کہ یا تو وہ چارگز بلندی سے اپنے آپ کو نیچے گردے ورنہ اس کو قتل

(۱) الأشباء والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۰ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

(۲) صحيح بخاري، كتاب العدود، باب اقامة العدود والانتقام لحرمات الله، ج ۸ ص ۱۶۰، رقم ۶۷۸۲

کر دیا جائے گا تو اس وقت اس کے لیے یہ ضروری ہو گا کہ اپنے آپ کو مذکورہ بلندی سے گردے کیونکہ اس مصیبت میں نجات کا احتمال موجود ہے لہذا آسان کو اختیار کر لے:

لو هدد بالقتل على أن يرمي بنفسه من مكان مرتفع عن الأرض

مقدار أربعة أذرع مثلاً يجب عليه رمي نفسه لاحتمال النجاة فيختار

(۱) اهون الشرین۔

۲.....اگر ماں فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچے کی موجودگی کا یقینی علم ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا جائز ہے۔

۳.....اگر کسی شخص کے جسم پر ایسا خم ہے جو سجدہ کرتے وقت بہنے لگتا ہے یا شدید درد ہوتا ہے تو اس وقت اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ سجدہ کا ترک کرنا آسان ہے بہ نسبت نماز کو حدث کے ساتھ پڑھنے کے:

رجل عليه جرح لو سجد سال جرحه وإن لم يسجد لم يسل، فإنه

يصلى قاعداً يومى بالركوع والسجود لأن ترك السجود أهون من

(۲) الصلاة مع الحدث۔

۴.....اگر مقروض کسی کا قرض ادا نہ کرے یا خاوند بیوی اور بچوں کا نان نفقہ ادا نہ کرے تو اس کو قید کرنا جائز ہے کیونکہ اس وقت اس کی غفلت سے بیوی بچوں کو جو ضرر ہوتا ہے وہ اس کے قید کے ضرر سے بڑا ہے لہذا اس کا اختیار کرنا درست ہے۔

۵.....کسی مضطرب یعنی شدید بھوک والے آدمی کے پاس مردار کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کا کھانا پڑا ہے تو بغیر اجازت کے اس کو کھا سکتا ہے اس حالت میں مردار سے اجتناب بہتر ہے اور مردار کے مقابلے میں طعام غیر کے کھانے کو ترجیح دے، البتہ بعد میں اس کھانے کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، لیکن اگر یہ کھانا دوسرے مضطرب کا ہو تو پھر اس کا کھانا درست نہیں ہے کیونکہ اس حالت میں وہ بھی اس کی طرح مجبور و مضطرب ہے لہذا ایک مضطرب کو

دوسرے مفطر پر ترجیح نہ ہوگی۔

۶..... اگر کسی شخص نے دوسرے کی لکڑی غصب کر کے اپنے مکان میں لگالی اب لکڑی کے نکالنے سے یا تو وہ صحیح نہیں نکلی یا نقصان ہوتا ہے جو لکڑی کی قیمت سے زیادہ ہے تو اس وقت لکڑی کی قیمت ادا کی جائے گی اور غاصب اس لکڑی کا مالک بن جائے گا۔

## قواعدہ نمبر (۲۸)

يُخْتَارُ أَهُونُ الشَّرَّيْنِ۔<sup>(۱)</sup>

دوبائیوں میں سے کمتر برائی کو اختیار کیا جائے گا۔

### شرح

اگر بیک وقت دو غلط کام سانے ہوں جن میں سے ایک پر عمل ضروری ہو اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں سے جس کام میں غلطی کم ہو اسے اختیار کیا جائے گا اور جس میں شدید نقصان یا برائی ہوگی اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس اصول کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے۔

من ابتدی بیلیتین وہما متساویتان یا خذ بایتهما شاء وإن اختلفتا  
یختار أهونهما۔<sup>(۲)</sup>

اگر کوئی شخص دو برابر کی ضرر ساں چیزوں میں بیٹلا ہو جائے تو اس کو اختیار ہے جس کو چاہے قبول کرے اور اگر وہ دونوں باہم مختلف ہوں تو ایسی چیز قبول کی جائے جس میں نقصان کم ہو۔

بنیادی طور پر کسی بھی ضرر ساں چیز کو اختیار کرنا منوع ہے، مگر زندگی کے گوناگوں معاملات میں ایسی صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ کسی ضرر ساں عمل کو اختیار کیے بغیر چارہ نہیں رہتا ان حالات میں شریعت جو کہ دین فطرت ہے اس نے اصول مرتب کئے ہیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ شرح القواعد النحوية: القاعدة الثامنة والعشرون، ص ۲۰۳

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۰

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کی ملکیت بلا قصد و ارادہ اس کے قبضہ سے نکل جائے مثلاً ایک شخص کا باغچہ پہاڑی پر لگایا ہوا تھا اور دوسرے شخص کا اس پہاڑی کے دامن میں تھا، اور پہاڑی نیچے کے باغچہ پر مع اوپر نکے باغچہ کے گردی تو اس صورت میں جس کی قیمت زیادہ ہو وہ شخص کم قیمت والے کے لیے اس کی قیمت کا ضامن ہو گا، اور یہ زائد قیمت والا دونوں باغچوں کا مالک ہو جائے گا، مثلاً فو قانی باغچہ کی قیمت پانچ سور و پیہ تھی اور تھانی باغچہ کی قیمت ایک ہزار تھی تو یہ دوسرا شخص اول کو پانچ سور و پیہ ادا کرنے کے بعد دونوں باغچوں کا مالک ہو جائے گا:

لو خرج ملك أحد من يده بلا قصد، كما لو سقط جبل بما عليه  
من الروضة على الروضة التي تحته يتبع الأقل في القيمة الأكثر،  
يعنى يضمن صاحب الأرض التي قيمتها أكثر لصاحب الأقل  
ويتملك تلك الأرض، مثلاً لو كان قبل الانهدام قيمة الروضة  
الفوقانية خمس مائة والتھانية ألفاً، يضمن صاحب الثانية لصاحب  
الأولى قيمتها ويتملكها۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی پالتو جانور میں ایسی بیماری پیدا ہو جائے جس کے پھیل جانے کا اندریشہ ہو تو ایسے جانور کو ہلاک کر دیا جائے گا اگرچہ اس کے مالک کو نقصان بھی اٹھانا پڑے۔  
۳..... حرام کی حالت میں بھوک شدت کی ہو تو مردار یا خنزیر کے بجائے شکار کا جانور کھالینا بہتر ہے:

ولو اضطر المحرم و عنده ميته و صيد أكلها دونه على المعتمد،  
وعن محمد الصيد أولى من لحم الخنزير۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۷۵

(۲) الأشباه والنظائر: ص ۹۱

۳..... احرام کی حالت میں بھوک شدت کی ہو اور شکار موجود ہو تو دوسرے کا مال استعمال کرنے کی بجائے شکار کا جانور کھالینا بہتر ہے:

وَعِنْهُ صَيْدٌ وَمَالٌ لِغَيْرِ فَالصَّيْدُ أَوْلَى۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک بھری جہاز تیزی سے جا رہا ہے اچانک اس کے کپتان نے دیکھا کہ سامنے ایک کشتی ہے جس میں چند مسافر سوار ہیں دوسری طرف ایک جہاز ہے جس میں بہت سے افراد سوار ہیں، اور جہاز کو نصف انہی دو اطراف کی طرف موڑا جاسکتا ہے، تو جہاز کو کشتی کی طرف موڑ لینا جائز ہے خواہ کشتی کے مسافروں کو نقصان پہنچ کیونکہ جہاز میں مسافر زیادہ ہیں اس قسم کی صورت حال بس کے ڈرائیور کو بھی پیش آ سکتی ہے۔

۶..... ایک شخص مجبور ہو کر کوئی دوسری راہ نہ پا کر اپنے پاس رکھی ہوئی امانت کو استعمال میں لاتا ہے تو صرف اس قدر خرچ کرے جس قدر سخت ترین ضرورت کا تقاضا ہو، نہیں کہ محض ضرورت کا بہانہ بنایا کر دوسرے کا سارا مال چٹ کر جائے۔

۷..... اگر کسی کے ہاتھ سے ایک موتی اتفاقاً گر گیا اور کسی مرغی نے موتی کو چک لیا تو موتی کا مالک قیمت ادا کر کے مرغی کو لے لے گا، مثلاً موتی کی قیمت تھی پچاس روپے اور مرغی کی قیمت تھی پانچ روپے تو موتی کا مالک مرغی کے مالک کو پانچ روپے دے کر مرغی خرید لے گا۔

## قواعد نمبر (۲۹)

دَرُءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَنَافِعِ۔<sup>(۲)</sup>

مفارد کا درفع کرنا منفعت کے حصول سے اولی ہے۔

## شرط

شریعت کا بنیادی مقصد برائیوں کا خاتمه ہے کیونکہ برائیوں کا خاتمه ہی اچھائیوں کے

(۱) الأشباء والنظائر: ص ۶۱      (۲) الأشباء والنظائر: ص ۶۱      مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

حصول کا اولین اور بہترین راستہ ہے، اس لیے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے کہ معاشرتی زندگی سے برائیاں ختم کر دی جائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَمْرَتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا أَسْتَطِعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدُعُوهُ۔<sup>(۱)</sup>

جب میں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق کر لیا کرو اور جس چیز سے میں منع کروں تو اس سے بالکل رک جایا کرو۔

شریعت نے ممنوعات کو مأمورات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی ہے۔

## تفريعات

ا..... ایک مکان کی تھانی منزل ایک شخص کی ہے اور فوکانی منزل دوسرے شخص کی ہے، فوکانی منزل کے مالک کا یہ حق ہے کہ اس میں سکونت و قیام کرے اور تھانی منزل کا مالک یہ حق رکھتا ہے کہ اوپر کی چھت اس کے حق میں بارش وغیرہ (کے خطرات سے) محفوظ رہے، لہذا ان دونوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ بلا اجازت کوئی ایسا عمل کریں جو دوسرے کے لیے مضر ہو اور نہ یہ کہ عمارت میں (کسی دیوار وغیرہ) کے منهدم کرنے کا اقدام کریں، اس لیے کہ کسی شئی کے مالک ہونے کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ مالک اس میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہیے کرے لیکن جب اس کی ملک سے کسی دوسرے کا حق بھی متعلق ہو گیا ہو تو ایسے تصرف سے منع کیا جائے گا جو دوسرے کے لیے مضر سا ہو:

كُلُّ يَتَصَرَّفُ فِي مُلْكِهِ كَيْفَ يَشَاءُ لَكُنْ إِذَا تَعْلَقَ حُقُوقُ الْغَيْرِ بِهِ،

يَمْنَعُ الْمَالِكُ مِنْ تَصْرِفِهِ عَلَى وَجْهِ الْاسْتِقْلَالِ مَثَلاً: سُفْلُ مُلْكِ

وَاحِدٍ، وَفُوْقَانِيهِ لَاخْرَ، فَلِصَاحِبِ الْفُوْقَانِيِّ حُقُوقُ الْقَرَارِ وَلِصَاحِبِ

التَّحْتَانِيِّ حُقُوقُ السَّقْفِ فِي الْفُوْقَانِيِّ، يَعْنِي بِتَسْتِرِهِ مِنَ الشَّمْسِ

(۱) مسند احمد: مسند المکثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة، ج ۲ ص ۳۵۵، رقم الحديث:

وبتحظفه من المطر فليس لأحدهما أن يفعل شيئاً مضراً إلا باذن الآخر ولا أن يهدم بناء نفسه لأن الملك وإن كان من شأنه أن يتصرف فيه مالكه كيف شاء، لكن إذا كان للغير حق يتعلق به يمنع من التصرف بوجه يضر به۔<sup>(١)</sup>

۲.....جب کسی عورت پر غسل فرض ہو اور اس کے لیے مردوں سے پرداہ کر کے غسل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو وہ نماز کو موخر کر دے:

إذا وجب عليها الغسل ولم تجد سترة من الرجال تو خرها۔ (۲)

۳.....اسی طرح کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے لیکن روزے کی حالت میں یہ عمل مکروہ ہے:

و منها المبالغة في المضمضة والاستنشاق مسنونة و تكره  
للصائم - (٣)

۳..... محرامات کی تجارت مثلاً شراب وغیرہ کی خرید و فروخت منوع ہے، اگرچہ اس میں کسی حد تک مالی نفع ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر مان ہے:  
 وَإِنْتَهِيَّاً أَكْبَرُ مِنْ نَعْلَمْ بِهَا۔ (۲)

۵..... کوئی شخص اپنے گھر میں اس طرح کھڑکی نہیں نکال سکتا کہ اس کی وجہ سے دوسرے گھروں کی بے پرورگی ہوتی ہو، خواہ اس کھڑکی سے گھروں کو کچھ فائدہ بھی ہوتا ہو۔

۶..... موئے زیرِ ناف تراشنا منون ہے لیکن حالت احرام میں یہ مکروہ ہے:

<sup>(5)</sup> و تخليل الشعر سنة في الطهارة ويكره للمحرم.

..... جھوٹ بولنا شرعاً حرام ہے لیکن اگر اس میں کوئی عظیم مصلحت پوشیدہ ہو تو جواز کا درجہ حاصل کرے گا، چنانچہ لوگوں کے درمیان اصلاح کے لیے یا زوجہ کی اصلاح کے لیے

(١) شرح المجلة: ص ٢٠، ٢١

<sup>(٤)</sup> شرح المجلة: ج ١٧ / البحـر الرائق: كتاب الطهارة، بـاب الحـيـض، ج ١ ص ٢٢٢

<sup>٤٢</sup> (٣) شرح المجلة: ص ١٧ - (٤) الأشيهاء والناظار: ص ٩٢ - (٥) البقرة: ٢١٩

۱۰۰۰ میلیون دلار را در سال ۲۰۱۷ خواهد داشت.

جائز ہوگا:

الکذب مفسدة محرمة وهو متى تضمن جلب مصلحة تربو عليه

جاز كالکذب للإصلاح بين الناس وعلى الزوجة لصلاحها۔<sup>(۱)</sup>

۸.....قانون سازی میں اس امر کو ملحوظ رکھانا ضروری ہے کہ مفاسد دور ہوں، منافع کے حصول کی کوشش میں کسی ایسے قانون کو نافذ نہ کیا جائے جس سے مفاسد پھیلنے کا اندیشہ ہو، مثلاً ٹیکس کی متوقع آمدنی کی خاطر شراب سازی اور شراب کی تجارت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۹.....اس طرح زیادہ آمدنی کی لائچ میں جوئے، قمار بازی، زنانہ رقص و سرور اور غیر ملکی سیاحوں کو بے حیائی کی حرکتیں کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

۱۰.....مالي مشکلات اور اساتذہ کی کمی کی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر مخلوط تعلیم کو رواء نہیں رکھا جاسکتا، کیونکہ مخلوط تعلیم سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ان مفاسد کو دور رکھنا اور دور کرنا، ہم سے اہم مصلحتوں کو پس پشت ڈالنے سے بہتر ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۰)

الضرر يُدفع بقدر الامكان۔<sup>(۲)</sup>

ضرر کو بقدر امکان دفع کیا جائے گا۔

## شرح

یہ قاعدہ کسی نقصان کے واقع ہونے سے قبل اس کو روکنے کے بارے میں احتیاطی تدابیر سے متعلق ہے کیونکہ پرہیز علاج سے بہتر ہوتی ہے، وہ نقصانات جن کا عام احتمال رہتا ہوں کو روکنے کے لیے احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں، ایسا کرنا بہتر نہیں ہوتا کہ پہلے اس

(۱) الأشیاء والنظائر: ص ۹۲

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة ثلاثة، ص ۵۰۷

نقضان کے واقع ہونے کا انتظار کیا جائے جب واقع ہوں پھر کچھ نہ کچھ کر لیں گے، ضرر کو دور کرنا باب شبه نہیں منشائے شریعت ہے لیکن اس کو صرف ممکن حد تک دور کیا جا سکتا ہے۔ ممکن سے مراد یہ ہے کہ ضرر دور کرنے میں صرف اس حد تک کوشش اور کام کیا جا سکتا ہے جس حد تک مالی اور مادی وسائل اجازت دیں، اور جس حد تک دوسرے افراد کی نفع ضرر کا شکار نہ ہو سکیں۔

## تفریعات

۱.....اگر کوئی باپ اپنے بچے پر خرچ کرنے سے احتراز کرے تو اس کو بچہ کے نفقہ کے سلسلہ میں قید کر دیا جائے گا تاکہ بچے سے ہلاکت کے ضرر کو دفع کیا جاسکے، لیکن بچے کے دین کی (عدم ادائیگی) کی وجہ سے والد کو قید کر دینا جائز نہیں:

لَوْ أَمْتَنَعَ الْأَبُّ مِنِ الْإِنْفَاقِ عَلَى وَلَدِهِ يَحْبَسُ لِدَفْعِ ضَرَرِ الْهَلَكَةِ  
عَنِ الْوَلَدِ، مَعَ أَنَّهُ لَا يَحْبَسُ لِأَجْلِ دِينِهِ۔<sup>(۱)</sup>

۲.....فَقِهَاءُ كَرَامِ رَحْمَةِ اللَّهِ فَرِمَاتَهُ ہیں کہ جو لوگ علی الاعلان مسلمانوں پر تلوار اٹھائیں تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ ضرورت پیش آنے پر ان کو قتل کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی اس نے اپنے خون کو مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا، اور اس لیے بھی کہ ایسے لوگ باغی کہلاتے ہیں ان کے دفع ضرر کے لیے ان کی عصمت ساقط ہو جاتی ہے:

مِنْ شَهْرٍ عَلَى الْمُسْلِمِينَ سِيفًا فَعَلَيْهِمْ أَنْ يَقْتُلُوهُ إِذَا مَسْتَ الْضَّرُورَةَ،  
لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مِنْ شَهْرٍ عَلَى الْمُسْلِمِينَ سِيفًا فَقَدْ أَحْلَ  
دَمَهُ وَلَا نَهَا بَاغِي فَلِضَرُورَةِ دَفْعِ الضَّرَرِ سَقَطَتْ عَصْمَتْهَ۔<sup>(۲)</sup>

۳.....اسی طرح حالت اضطرار میں ایک مضطرب دوسرے کے مال کو ( بلا اجازت و

رضامندی) استعمال کر سکتا ہے لیکن (قدرت حاصل ہونے پر) اس کا ضمان ادا کرے گا، اس لیے کہ ضرر کا ازالہ بقدر امکان کیا جاتا ہے:

ومن فروعها أن للمضطر أن يأكل مال الغير، لكن عليه الضمان  
لأن دفع الضرر بقدر الامكان۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر مشتری کے پاس مبیع میں کوئی قدیم عیب ظاہر ہوا، ساتھ ہی اس میں ایسا عیب بھی پیدا ہو گیا ہو جو خود مشتری کے اپنے قبضہ میں پیدا ہوا ہے، تو مبیع کی واپسی منوع ہو گی لیکن مشتری کے لیے بقدر امکان دفع ضرر کے لیے عیب قدیم کی وجہ سے قیمت کے نقصان کو باائع سے واپس لیا جائے گا:

لو ظهر في المبيع عيّب قدیم، وقد طرأ عليه عيّب آخر عند المشتري امتنع رده، لكن لدفع الضرر بقدر الامكان يرجع بنقصان العيّب۔<sup>(۲)</sup>

۵.....ایک لوٹڈی کے آقانے اس کو اس شرط پر آزاد کیا کہ آزادی کے بعد وہ آقا سے نکاح کرے، تو لوٹڈی کو بذریعہ کسب اپنی قیمت آقا کو ادا کرنا ہو گی اور نکاح کے لیے اس کو مجبور نہ کیا جائے گا تاکہ بقدر امکان آقا کے ضرر کو دفع کیا جاسکے:

أمةً أعتقدها سيدها على أن تتزوجه فقبلت، ثم أبت، فإنها تسعي في  
قيمتها، ولا تجبر على التزوج دفعاً للضرر المولى بقدر الامكان۔<sup>(۳)</sup>

۶.....اگر کسی ایسے دستکار کو اجرت پر لیا گیا جس کی دستکاری سے شئی کی ذات میں دستکاری کا اثر باقی رہتا ہو، مثلاً رنگ ریز کے رنگنے کا اثر کپڑے میں باقی رہتا ہے، اگر یہ دستکار مالک کی شئی کو اپنی اجرت وصول کرنے کے لیے اپنے قبضہ میں روکے رہے اور اس درمیان میں وہ ضائع ہو جائے تو دستکار کو اس کا ضمان ادا کرنا ہو گا، لیکن متاجر کو اس کی اجرت ادا کرنا ہو گی، لدفع الضرر بقدر الامكان۔

(۱) شرح المجلة: ص ۷۲ (۲) شرح المجلة: ص ۷۲ (۳) شرح المجلة: ص ۷۲

ان الأجير الذى لعمله أثر فى العين كالصبغ مثلًا إذا حبسها للقبض  
الأجرة فهلكت، يلزم منه الضمان، لكن له الأجر لأن الضرر يدفع  
بقدر الامكان۔<sup>(۱)</sup>

۷..... غاصب پر واجب ہے کہ وہ شئی مخصوص کو اسی مقام پر مالک کے سپرد کرے  
جہاں سے اس نے غصب کیا تھا، لیکن اگر شئی مخصوص غاصب کے قبضہ میں خالع ہو جائے  
یا خالع کر دی جائے تو اس وقت غاصب پر ضمان واجب ہو گا، اگر مخصوص مثلی اشیاء میں  
سے ہے تو مثل دینا پڑے گی اور قیمتی اشیاء میں سے ہے تو قیمت ادا کرنا ہو گی، اس لیے کہ  
جب مخصوص کا واپس کرنا ممکن نہ رہا تو اس طریقہ پر ضمان کی ادائیگی دفع ضرر بقدر امکان  
قرار پائی:

أن الغاصب يلزم عليه رد المخصوص إلى صاحبه في مكان الغصب،  
إذا هلك المخصوص في يده أو استهلكه يلزم عليه ضمان مثله إن  
مثلياً وقيمة يوم الغصب إن قيمها، لأنه حيث لم يمكن رد عينه، ففي  
الضمان بهذا الوجه دفع للضرر بقدر الامكان۔<sup>(۲)</sup>

۸..... اس ضابطے کے پیش نظر وہ مالِ مشترک جس کی تقسیم ہو سکتی ہو اگر کوئی ایک  
شریک مطالبة کرے تو عدالت اس مال کو تقسیم کر سکتی ہے تاکہ شرکاء کے درمیان فساد نہ ہو۔

### قواعد نمبر (۳)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة۔<sup>(۳)</sup>  
حاجة عامة ياحت خاصة ضرورة كدرجات پاجائے گی۔

### شرط

حاجت یہ بھی ضرورت کی طرح ہی ہے البتہ اس کی کیفیت اور نوعیت میں کچھ فرق

(۱) شرح المجلة: ص ۴۳

(۲) شرح المجلة: ص ۵۳

(۳) الأشباء والنظائر: القاعدة الخامسة، ص ۹۳ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹

ہے حاجت ایسی صورت حال کو کہتے ہیں جس میں تنگی، مشقت اور تکلیف اس حد تک پہنچ جائے کہ ضرر پہنچنے کا نظر غالب ہو جائے۔

حاجت اور ضرورت میں عموم خصوص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے، اس لیے کہ حاجت عام ہے اور ضرورت خاص ہے لیکن جب حاجت سخت ہو جائے اور ضرورت کے درجے تک پہنچ جائے تو اس صورت میں حاجت شدیدہ پر بھی ضرورت کے احکام لاگو ہوتے ہیں، حاجت کی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر بہت سارے مسائل کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے، اور حاجت کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس پر عمل کیا جائے گا خواہ وہ عمل قیاس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مثلاً اجارہ یہ خلاف قیاس ہے لیکن لوگوں کی شدید حاجت کی خاطر اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔

### حاجت کی اقسام

۱..... حاجت عامہ۔ ۲..... حاجت خاصہ۔

۱..... حاجت عامہ سے مراد وہ حاجت ہے جس کے تمام لوگ محتاج ہوتے ہیں مثلاً مصالح عامہ، زراعت، صنعت، تجارت اور دیگر عام معاشرت کبھی لوگ ان حاجتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔

۲..... حاجت خاصہ سے مراد ایسی حاجت ہے کہ جس میں خاص لوگوں کو ضرورت پڑتی ہو یا کوئی خاص طبقہ اس حاجت کا محتاج ہو، مثلاً کسی خاص صنعت و حرف سے تعلق رکھنے والے افراد یا کسی خاص شہر و گاؤں یا ایسے ہی خاص طبقے کے لوگ جس کام کے محتاج ہوں وہ حاجت خاصہ ہے۔

### حاجت اور ضرورت میں فرق

۱..... حاجت کے پورانہ ہونے کی صورت میں انسان کے لیے تنگی، سختی اور مشقت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جبکہ ضرورت کے پورانہ ہونے کی صورت میں ضرر اور جان کے

لیے خطرہ بن جاتا ہے۔

۲..... ضرورت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو ناگزیر ہو، جبکہ حاجت ایسے فعل پر مبنی ہوتی ہے جو وسعت اور سہولت پر مبنی ہو۔

۳..... سب سے بنیادی فرق ضرورت اور حاجت کے درمیان یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے مباح ہونے والے افعال نصوص شرعیہ سے مستثنیٰ کر کے جائز فراردیے جاتے ہیں جو عام حالت میں اصول کے صریح خلاف ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کو جائز فراردیا جاتا ہے۔ جبکہ حاجت کی وجہ سے مباح ہونے والے افعال اصول کے صریح مخالف نہیں ہوتے بلکہ خلاف قیاس وارد ہوتے ہیں۔

## تفريعات

۱..... حمام کے حمام میں لوگ غسل کرتے ہیں اور ہر ایک کو ایک مقررہ شرح سے قیمت دینی پڑتی ہے حالاں کہ بعض لوگ زیادہ وقت لگاتے ہیں، زیادہ پانی خرچ کرتے ہیں، اور بعض کم وقت اور کم پانی خرچ کرتے ہیں، اب اس کا انتظام کرنا کہ ہر شخص کا وقت اور خرچ کیا ہوا پانی معلوم کیا جائے اور اس حساب سے قیمت لی جائے تو بڑی پریشانی کا سبب بنے گا، اس لیے فقهاء کرام حبهم اللہ نے عام حاجت کے پیش نظر اس کو جائز رکھا ہے:

وَكُذا دخول الحمام، لِمَا كَانَ زَمَانُ الْمَكْثِ فِيهِ وَمَقْدَارُ مَا يَصْبَبُ

مِنَ الْمَاءِ غَيْرِ مَعْلُومٍ، فَالْقِيَاسُ يَقْتَضِي عَدْمَ الْجَوَازِ، وَقَدْ جُوْزَ لِحَاجَةِ

(۱) الناس۔

۲..... باہمی معاملات میں کسی شخص کے حق میں کمی کرنا جائز نہیں ہے لیکن صلح کی غرض سے حاجت کی بناء پر باہمی رضامندی سے کمی کی جاسکتی ہے۔

۳..... عقدِ بیع میں اصول یہ ہے کہ بیع معدوم ناجائز ہے لیکن حاجت کی بناء پر عقدِ بیع سالم

اور عقد استصناع جو بیع معدوم کی سی حیثیت رکھتے ہیں حاجت کی بناء پر یہ جائز ہیں۔

۳..... دین (قرض) کے بد لے میں دین منسون ہے لیکن حاجت کی بناء پر حوالہ جائز

ہے جس میں ایک دین کو دوسرے دین کے بد لے میں قبول کیا جاتا ہے۔

۴..... اگر غیر شادی شدہ نے زنا کیا اور ان پر حد زنا ثابت ہو گئی یا انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو ان کو کوڑے لگائے جائیں گے، اب یہ سنگار کرنا اور کوڑے لگانا یہی، ہی قصاصاً قتل کرنا یہ سب حاجت اور ضرورت کی بناء پر ہے تاکہ حدود کے قائم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پاسداری ہو اور کسی دوسرے مسلمان کا خون رایگاں نہ جائے، اور ایسے ہی معاشرے میں سے فائدہ ہو اور ہر شخص باعزت رہے اس لیے ضرورت اور حاجت کے پیش نظر ایسے جرائم کرنے والے افراد کو سزا دی جائے گی تاکہ یہ افراد جرائم سے باز رہیں اور کوئی دوسرا بھی ایسی جرأت نہ کرے۔

## قواعد نمبر (۳۲)

أَلَا ضُطِرَ أَرْ لَا يُبْطِلُ حَقَّ الْغَيْرِ۔ (۱)

اضطرار کسی دوسرے کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

## شرح

انسانی زندگی میں مجبوریاں درپیش آتی ہیں اضطراری کیفیتیں طاری ہوتی ہیں، شریعت نے ان کو پورے طور پر محوظر کھا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغِرٌ وَلَا عَادِ فَلَا إِثْمٌ عَلَيْهِ۔ (۲)

اس آیت میں قانون اضطرار کیوضاحت ہوتی ہے کہ مجبور شخص واقعی مجبور ہو کہ اس کے لیے عام قانون کے مطابق جائز چارہ کارنہ ہو اور وہ شدید خطرات میں گر گیا ہو، دوسری

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۱۹ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والثلاثون، ص ۲۱۳

(۲) البقرة: ۱۷۳

بات یہ ہے کہ وہ باغی نہ ہو خدا کے قانون کا احترام اس کے دل میں ہو، تیری بات یہ کہ وہ بغیر اضطرار کے محمرات کے استعمال کا عادی نہ ہو تو بقدر ضرورت اس کو گنجائش دی جاسکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کی اضطراری کیفیت اس پر عائد و سروں کے حقوق کو باطل کر سکتی ہے، حقوق اللہ معااف ہو سکتے ہیں مگر حقوقِ عبد خود اس عبد کی رضامندی اور اختیار سے معاف ہو سکتے ہیں۔

پھر یہ اضطرار کبھی سماوی ہوتا ہے، جیسے قحط سالی، کبھی انہائی درجہ اکراہ سے پیدا ہوتا ہے جیسے قتل یا عضو جسمانی کے قطع کرنے کی دھمکی کے ساتھ جبر کیا جائے، کبھی معمولی درجہ کی ایذاء رسانی کی دھمکی سے جیسے مارنا پینا یا جس بے جا سے دھر کانا، چنانچہ انہائی درجے کے اکراہ میں ضمان کا حکم، حکم دینے والے پر ہو گا فاعل پر نہ ہو گا، اور معمولی قسم کے اکراہ میں ضمان فاعل پر عائد ہو گا۔

## تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں کسی دوسرے شخص کا (اس کی اجازت کے بغیر) کھانا کھالے گا تو قدرت حاصل ہو جانے پر اس کا ضمان ادا کرے گا، مثلی اشیاء میں مثل ادا کرنا ہو گا اور قیمتی اشیاء میں قیمت۔

۲..... اگر کسی شخص پر اونٹ نے حملہ کیا اس شخص نے اونٹ کو قتل کر دیا، یہ شخص اونٹ کے مالک کے لیے قیمت کا ضامن ہو گا اس لیے کہ اضطرار دوسرے حق دار کے حق کو باطل نہیں کرتا۔

۳..... اضطراری کیفیت میں بھوک سے نڑھاں کسی شخص نے کسی اور کے باغ میں گھس کر پھل توڑ کر کھائے تو بغیر اجازت پھل توڑنے کا جرم تو معاف ہو سکتا ہے مگر ان پھلوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی ”لأن الا ضطرار لا يبطل حق الغير“

۴..... اگر دودھ پلانے والی عورت کی دودھ پلانے کی مدت ختم ہو گئی اور بچے کی

صور تحال یہ ہے کہ وہ اس عورت کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ نہیں پیتا اور نہ ہی وہ دودھ کے علاوہ کسی اور چیز کے کھانے پینے کے قابل ہے، تو ایسی صورت میں عورت کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ پچے کی جان ضائع نہ ہو، اور عورت کو اس دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی اس لیے کہ اضطرار غیر کے حق کو باطل نہیں کرتا:

كذلك لو انتهت مدة الإجارة الظاهر وقد صار الرضيع لا يأخذ  
ثدي غيرها ولم يستغن بالطعام فإنها تجبر على ارضاعه ولكن  
بأجر مثل۔<sup>(۱)</sup>

### قاعدہ نمبر (۳۳)

مَا حَرُمَ أَخْذُهُ حَرُمٌ إِعْطَاوٌ۔<sup>(۲)</sup>  
جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

### تفریعات

۱..... رشوت جس طرح اس کا لینا حرام ہے اسی طرح کسی کو دینا بھی حرام ہے۔

۲..... گانے والی یا مرثیہ خواں عورت کا اپنے گانے اور میت کی نوحہ پر اجرت لینا حرام ہے اس طرح ان کو اجرت دینا بھی حرام ہے۔

۳..... سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

۴..... کہانت نجومی کی اجرت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

۵..... زنا کی اجرت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔

ما حرم أخذذه حرم إعطاؤه كالربا ومهر البغى وحلوان الكاهن  
والرشوة وأجرة النائحة والزامر۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح القواعد الفقهية: ص ۲۱۳

(۲) الأشباه والناظائر: القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۵۵ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰

(۳) الأشباه والناظائر: ص ۱۵۵

## قاعدہ نمبر (۳۲)

مَا حَرُمَ فِعْلُهُ حَرُمٌ طَلَبَهُ۔<sup>(۱)</sup>

جس امر کا کرنا حرام ہے اس کا حکم دینا بھی حرام ہے۔

## تفریعات

- ۱..... ظلم کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۲..... رشوت لینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۳..... جھوٹی گواہی دینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۴..... جھوٹی قسم کھانا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۵..... زنا کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۶..... چوری کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۷..... قتل کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۸..... دھوکہ دینا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۹..... خیانت کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔
- ۱۰..... کسی دوسرے کا مال تلف کرنا جس طرح حرام ہے اس کا دوسرے سے مطالبه کرنا بھی حرام ہے۔

## قاعدہ نمبر (۳۵)

الْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ۔<sup>(۲)</sup>

عادت یعنی عرف کی بناء پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الرابعة عشرة، ص ۱۵۵ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰

(۲) الأشباه والنظائر: القاعدة السادسة، ص ۹۳ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰

## ماخذ

عرف کی جھیت پر بعض اہل علم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ<sup>۱</sup>  
بِالْعَرْفِ“، عفو و رُگزرنے کا مطلب یہی اور عرف کا حکم دیجیے۔

ایک مرتبہ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوسفیان کے بخل ہونے کی شکایت کی کہ وہ گھر کا خرچہ پورا نہیں دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذی ما یکفیک و ولدك بالمعروف۔ (۱)

عرف و عادت کے مطابق جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہو اتنا لے لو۔  
اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الوزن وزن أهل مكة والمكيال مكيال أهل المدينة۔ (۲)

یعنی خطہ عرب کے اندر تولی جانے والی اشیاء میں مکہ والوں کے وزن کا اعتبار ہو گا اور ناپ کر دی جانے والی چیزوں میں اہل مدینہ کے ناپ کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماراہ المسلمين حسنا فهو عند الله حسن۔ (۳)

جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے زد دیک بھی اچھا ہے۔

## تشريع

عرف وہ عادت ہے جو عقل کی رو سے دلوں میں جنم جائے اور اس کو سلیم فطرتیں قبول

(۱) صحیح بخاری: کتاب النفقات، باب اذا لم ينفق الرجل فللمرأة ان تأخذ بغير علمه، ج ۷ ص ۶۵، رقم الحديث: ۵۳۶۳

(۲) سنن أبي داود: کتاب البيوع، باب فی قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم المكيال مكيال المدينة، ج ۳ ص ۲۲۶، رقم الحديث: ۲۲۳۰

(۳) مسند احمد: مسند عبد الله بن مسعود، ج ۲ ص ۸۳، رقم الحديث ۲۶۰۰

کریں، فتویٰ دیتے وقت لوگوں کے عرف و عادت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لیے عرف کا شریعت میں بھی اعتبار کیا گیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

العرف في الشرع له اعتبار لذا عليه الحكم قد يدار<sup>(۱)</sup>  
عرف کا شریعت میں اعتبار ہے اسی وجہ سے کبھی اس پر حکم کا مدار کھا جاتا ہے۔

## عرف و عادت کی تعریف

العادة والعرف ما استقر في النفوس من جهة العقول وتلقته الطياع  
السليمة بالقبول۔<sup>(۲)</sup>

عرف و عادت وہ ہے جو ذہنوں میں راسخ ہو جائے اور جسے فطرت سلیمانیہ قبول کرے۔

## عرف و عادت کے درمیان نسبت

جمهور علماء کے ہاں عرف و عادت دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثم ذهب الجمهور إلى أن العادة والعرف مترادفان وفرق بعضهم  
بينهما بأن العادة أعم من العرف۔

جمهور علماء کے ہاں عرف و عادت مترادف الفاظ ہیں، اور بعض نے ان کے درمیان فرق کیا ہے کہ عادت عرف سے عام ہے۔

العادة و العرف بمعنى واحد من حيث المصداق و ان اختلافاً من  
المفهوم۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح عقود رسم المنشئی: ص ۸۱ کتبہ: بیت القلم

(۲) رسائل ابن عابدین: نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف، ص ۱۱۲۔ تبلیغ اکیڈمی لاہور

(۳) رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۱۲

عادت اور عرف مصدقہ کے اعتبار سے ایک ہی معنی میں ہیں اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے دونوں مختلف ہیں۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ عرف اور عادت کے الفاظ ہم معنی ہیں بعض دفعہ اس مفہوم کے لیے استعمال (اور تعامل) کے الفاظ بھی بولے جاتے ہیں، رسم و رواج کے الفاظ بھی عرف اور عادت کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں، یہ سب الفاظ اس قدر قریب المفہوم ہیں کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ انہیں مترا دفأ استعمال کرتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

لیس للمفتش ولا للقاضی أن يحکما على ظاهر المذهب ويترک  
العرف۔<sup>(۱)</sup>

مفتش اور قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی معاملہ میں عرف کو چھوڑ کر ظاہر مذهب پر فتویٰ دیں۔

### عرف صحیح و عرفِ فاسد

اولاً عرف کی دو قسمیں ہیں: ا..... عرف صحیح - ۲..... عرفِ فاسد۔

### ا..... عرف صحیح

وہ عرف ہے جو نصوص شارع کے معارض نہ ہو، یا شریعت فی الجملہ اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے رہی ہو:

العرف الصحيح، فإنه يؤخذ به ويعتبر الأخذ به أخذًا بأصل من  
أصول الشرع۔<sup>(۲)</sup>

اس عرف کو اختیار کرنا اور لینا معتبر ہے، چون کہ یہ اصولِ شرع میں سے ایک اصل ہے۔

(۱) رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۱۵      (۲) اصول الفقہ لأبی زهرة: العرف، ص ۲۷۳ دار الفکر

## ۲..... عرفِ فاسد

وہ عرف ہے جس سے لوگ متعارف ہوں (یعنی اس کا وہ عرف رہا ہوا اور اس پر تقابل بھی رہا ہو) لیکن وہ شریعت کے مخالف ہوا اور قواعد شرع سے متصادم ہو:

عرف فاسد لا یؤخذ به و هو الذی یخالف نصاً قطعیاً۔<sup>(۱)</sup>

عرفِ فاسد کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ متروک العمل ہے۔

## عرف کی اقسام

جو عرف شرعاً معتبر ہے، (یعنی عرفِ صحیح) اور وہ احکام پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: ۱..... عرفِ عام - ۲..... عرفِ خاص۔

## ۱..... عرفِ عام

جس عرف پر لوگوں کا تقابل ہو چکا ہوا اور لوگ اس سے متعارف ہوں اور وہ اتنا عام ہو گیا ہو کہ کسی خاص قوم اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہ رہا ہو، مثلاً حمام میں اجرت دیکر غسل کرنا یہ عمل اتنا عموم اختیار کر گیا ہے کہ یہ کسی خاص قوم یا کسی خاص علاقہ میں محدود نہ رہا، ہر جگہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو گئے، حالانکہ اس میں ٹھہرنے کی مدت، پانی کے استعمال کی مقدار اور اجرت کی کوئی تعین نہیں ہوتی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ناجائز قرار دیا جائے لیکن ان سب چیزوں کی تعین روایج کے حوالہ کردی گئی اور عرف درواج کے مطابق اس عمل کو جائز قرار دیا گیا۔

اسی طرح عرفِ عام عقدِ استصناع کے جواز کا ہے، استصناع کا مطلب ہے کسی چیز کے بنانے اور تیار کرنے کا آڈر کسی کمپنی یا فرد کو دینا، عقدِ بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ بیع فی الحال موجود ہو لیکن استصناع کے اندر بیع فی الحال موجود نہیں ہوتی ہے، لہذا شرط مذکور کے منقول ہونے کی وجہ سے اس عقد کو صحیح نہیں ہونا چاہیے، لیکن عرف اور تقابل یہ رہا

(۱) اصول الفقه لأبی زہرا: ص ۲۷۸

ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں عقد استصناع کا معاملہ کرتے رہے ہیں، اس لیے فقہاء کرام حبیم اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے:

العرف العام هو الذي اتفق عليه الناس في كل الأمصار كدخول  
الحمام واطلاء الناس بعضهم على عورات بعض أحياناً فيه، وعقد  
الاستصناع۔<sup>(۱)</sup>

## ۲.....عرف خاص

وہ عرف ہے جو کسی خاص شہر یا ملک یا لوگوں کی ایک جماعت کا عرف ہو اور انہی کے  
یہاں وہ متعارف و راجح ہو، مثلاً بخاری کا عرف یا مصر و قاہرہ کا عرف یا تاجریوں اور  
کاشتکاروں کا عرف وغیرہ وغیرہ، عرف کی اس قسم میں عرف عام کے مقابلہ میں قوت کم ہے،  
لیکن اس کے باوجود یہ فتاویٰ اور احکام پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہو گا  
جبکہ نص موجود نہ ہو:

العرف الخاص، وهو العرف الذي يسود في كل بلد من البلدان  
أو إقليم من الأقاليم أو طائفة من الناس، كعرف التجارة، أو عرف  
الزراعة، ونحو ذلك فإن هذا العرف لا يقف أمام النص۔<sup>(۲)</sup>

عرف عام وخاص کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ عرف عام میں یہ قید ہوتی ہے کہ ایک  
زمانہ کے تمام لوگوں کا تعامل کسی عمل پر ہو اور علماء کی طرف سے اس پر نکیرناہ کی گئی ہو، لیکن  
عرف خاص کے اندر تمام لوگوں کا تعامل نہیں ہوتا ہے، بلکہ کسی مخصوص شہر کے لوگوں کا تعامل  
ہوتا ہے اور وہاں کے علماء نے اس پر نکیر بھی نہ کی ہو، اول کی مثال عقد استصناع ہے اور ثانی  
کی مثال عقد کے اندر غالب نقد بلد کا اعتبار ہے۔

## عرف کی شرائط

ا..... جو عرف منصوص احکام کے خلاف ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا البتہ اگر عرف

(۱) أصول الفقه لأبي زهرة: العرف، ص ۲۶۳

(۲) أصول الفقه لأبي زهرة: ص ۲۷۳

نص کی بنیاد پر ہو تو عرف کے بد لئے سے نص کی خلاف ورزی متصور نہ ہوگی۔

۲..... صرف اس عرف کا اعتبار ہوگا جو عام ہوا اور غلبہ کے ساتھ نافذ ہو، عام سے مراد یہ ہے کہ عادۃ اس کے خلاف نہ ہوتا ہو، اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ اکثر حالات و معاملات میں اس کے مطابق عمل ہوتا ہو۔

۳..... عرف معقول ہوا اور طبائع سلیمانیہ کے نزدیک پسندیدہ ہو یعنی قرینہ عمل ہوا اور ذوق سلیمانیہ اس کی تائید کرتی ہو۔

۴..... عرف پر عمل کی حیثیت اختیاری نہ ہو بلکہ لازمی ہو۔

۵..... عرف پیش آمدہ معاملات کے وقت موجود ہو۔

## تفریعات

۱..... قرآن کریم کی تعلیم، اذان، امامت، یہ سب عبادتیں ہیں جس کی ادائیگی آدمی آخرت کے اجر و ثواب کے لیے کیا کرتا ہے، لہذا اصل کی رو سے ان فرائض کی ادائیگی پر اجرت لینا جائز نہیں ہونا چاہیے، چنانچہ فقہاء یہی فتویٰ دیا کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ سیاسی تبلیغیوں کی وجہ سے بیت المال کا دروازہ دینی کام کرنے والوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے، اور امامت اور تعلیم قرآن کے فرائض انجام دینے والوں کو اگر اپنی معاش کے لیے زراعت، تجارت، صناعت وغیرہ میں مشغول ہو جانا پڑا تو اس سے دین کا ضیاع ہوگا اور دینی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے کوئی نہیں ملے گا، چنانچہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت لینا جائز ہے:

فمن ذلك افتاؤهم بجواز الاستيجار على تعلم القرآن ونحوه

لانقطاع عطایا المعلمین اللتی كانت في صدر الأول ولو اشتغل

المعلمون بالتعليم بلا اجرة يلزم ضياعهم وضياع عيالهم ولو

اشتغلوا بالاكتساب من حرفة وصناعة يلزم ضياع القرآن والدين

فأفتوا بأخذ الأجرة على التعليم وكذا على الامامة والآذان۔<sup>(۱)</sup>

۲..... دھوپی اور درزی وغیرہ کو جو کپڑے ڈرائی کلن یا سلائی کے لیے دیے جاتے ہیں، چوں کہ وہ اجیر مشترک ہیں اس لیے وہ ان کے ہاتھوں میں امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، امانت اگر بغیر تعددی کے ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان نہیں ہوا کرتا، لیکن پیشہ وروں کی طرف سے اہماں اور بے احتیاطی رونما ہونے لگی اور وہ بکثرت اس طرح کے دعے کرنے لگے کہ مال ضائع ہو گیا ہے جس میں مالکین کی کھلی حق تلفی تھی، چنانچہ فقہاء کرام حمہم اللہ نے اس صورتِ حال کے پیش نظر تاوان واجب ہونے کا فتویٰ دیا تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے، چنانچہ شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی عمومی قسم کی مصیبت اور حادثہ رونما نہ ہو جیسے زلزلہ یا عمومی آتش زدگی وغیرہ تو اجیر مشترک ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے گا:

وَمِنْ ذَلِكَ تضمينُ الْأَجِيرِ الْمُشْتَرِكِ حِيثُ شَاعَ الْفَسَادُ وَعُمُّ وَخَانُ

الْأَمْنَاءَ فَأَصْبَحَ الْاحْتِيَاطُ يُوجَبُ تضمينِهِ لِيَحْفَظَ مَا تَحْتَ يَدِهِ،

وَلَكِيلًا يُغْتَالُهُ بِدُعَوِيِّ هَلَاكَهُ، وَإِنْ ذَلِكَ مُخَالِفٌ لِقَاعِدَةِ الْيَدِ

الْأَمِينَةِ مِنْ حِيثُ لَا تضمينُ إِلَّا بِالْتَّعْدِيِّ۔<sup>(۲)</sup>

۳..... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں چونکہ حق گوئی اور صداقت تھی اور دروغ گوئی کا زیادہ چلن نہیں ہوا تھا، کیونکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اس لیے گواہوں کی ظاہری عدالت کو وہ کافی قرار دیا کرتے تھے، گواہوں کے ثقہ ہونے کی شہادت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، لیکن امام ابویوسف اور امام محمد حمہما اللہ نے جب اس بارے میں لوگوں کی بے احتیاطی دیکھی تو انہوں نے شاہدوں کے ثقہ ہونے کے لیے تزکیہ و شہادت ضروری سمجھی کیونکہ عملی طور پر قضاۓ وابستگی کی بناء پر ان لوگوں کو بے احتیاطی اور دروغ گوئی کا زیادہ تجربہ تھا، چنانچہ حالات کی تبدیلی نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فتویٰ میں تبدیلی کریں:

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَمَامِينَ بِعَدْمِ الْاِكْتِفَاءِ بِظَاهِرِ الْعِدْلَةِ فِي الشَّهَادَةِ

(۱) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۲۶ (۲) أصول الفقه لأبی زهرة: ص ۲۷۶

مع مخالفته لما نص عليه أبو حنيفة بناء على ما كان في زمانه من  
غلبة العدالة لأنَّه كان في الزَّمن الذي شهد له رسول الله صلَّى اللهُ  
عليه وسلَّمَ بالخيرية وهو ما أدرَّ كَا الزَّمن الذي فشَّى فيه الكذب وقد  
نصَّ العلماء على أنَّ هذا الاختلاف اختلاف عصر واؤان لا  
اختلاف حجة وبرهان۔ (۱)

۳..... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ با دشائے کے علاوہ کسی اور کی طرف سے جبراً "اکراہ" قرار  
نہیں دیتے تھے، کیونکہ ان کے زمانہ میں قوت کا مظاہرہ صرف با دشائے کی طرف سے ہوا کرتا  
تھا، لیکن بعد میں جب ڈاکہ زندگی اور جبراً اکراہ کے واقعات کی عالم لوگوں کی طرف سے  
زیادتی ہو گئی تو امام صاحب رحمہ اللہ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ  
نے یہ بات تسلیم کی کہ اکراہ کا معاملہ سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی  
ہو سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا:

وَمِنْ ذَلِكَ تَحْقِيقُ الْأَكْرَاهِ مِنْ غَيْرِ السُّلْطَانِ مَعَ مُخَالَفَتِهِ لِقُولِ  
الإِمَامِ بِنَاءً عَلَى مَا كَانَ فِي زَمَانِهِ مِنْ أَنَّ غَيْرَ السُّلْطَانِ لَا يُمْكِنُهُ  
الْأَكْرَاهُ ثُمَّ كَثُرَ الْفَسَادُ فَصَارَ يَتَحْقِيقُ الْأَكْرَاهِ مِنْ غَيْرِهِ فَقَالَ مُحَمَّدٌ  
رَحْمَةُ اللَّهِ بِاعْتِبَارِهِ وَأَفْتَى بِهِ الْمُتَأْخِرُونَ لِذَلِكَ۔ (۲)

۵..... صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں  
عورتیں عام طور پر مساجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جایا کرتی تھیں، لیکن جب معاشرہ میں  
خرابی پیدا ہوئی تو خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی ان کو مسجد میں نماز کی ادائیگی  
سے روک دیا گیا:

وَمَنْعِ النِّسَاءِ عَمَّا كَنَّ عَلَيْهِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ  
حُضُورِ الْمَسَاجِدِ لِصَلَاةِ الْجَمَاعَةِ۔ (۳)

(۱) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۲۶      (۲) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۲۶

(۳) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۲۶

## عرف پر مبنی بعض اہم فروعات کا ذکر

”عرف“ پر مبنی تمام احکام کا احاطہ تو یہاں ممکن نہیں ہے، خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ ”عرف“ کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی بھی ایک مسلسلہ حقیقت ہے، تاہم بطور مثال چند ایسے احکام کو ذکر کیا جاسکتا ہے جس سے مزید اندازہ کیا جاسکے کہ فقہی اور شرعی احکام میں عرف کا اثر کہاں تک ہوتا ہے۔

۱..... شادی بیاہ کے موقع پر عورت کو جو مال و اسباب جہیز کے طور پر دیا جاتا ہے، وہ شوہر کی ملکیت ہوگی یا بیوی کی؟ اور شادی کا رشتہ اگر کسی وجہ سے برقرار نہ رہ سکا تو اس پر کس کا حق تسلیم کیا جائے گا؟ اس بارے میں ”عرف“ ہی کا لحاظ کیا جائے گا شوہر کا دعویٰ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، لیکن فیصلہ ”عرف“ کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... مکان کی خریداری کے بعد اس کی چھت سے اوپر کا حصہ ”حق علو“، یعنی حق تعلق کے بارے میں بالع اور مشتری کے درمیان نزاع کا فیصلہ بھی ”عرف“ ہی کی بنابر کیا جائے گا، خواہ حقوق و مراقبت کا ذکر عقد میں نہ کیا گیا ہو۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ضرورت کی مختلف چیزیں جواب بھی وجود میں نہ آئی ہوں اور عقد کے وقت عملًا معدوم ہوں، آرڈر دے کر تیار کرانا اور کسی شخص یا کارخانہ سے ایسے مال کا سودا کرنا، جن کا تیار کرنا تو اس کارخانہ کا کام ہو، لیکن مال ابھی تیار شد نہ ہو اور جسے فقہاء کی اصطلاح میں ”استصناع“ کہا جاتا ہے، عرف ہی کی بناء پر اس کے جواز کا حکم دیا گیا ہے ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک ایسی چیز کی بیع جواب بھی وجود میں نہ آئی ہو شرعاً درست نہیں ہونی چاہیے۔<sup>(۳)</sup>

۴..... تربوز، بیگن، انگور اور اس طرح کے دوسرے پھل اور ترکاریاں جن میں سے بعض تو درخت پہ ہوں اور بعض ابھی ظاہر ہی نہ ہوئی ہوں ان کی خرید و فروخت کی فقہاء مالکیہ اور احناف میں شمس الاممہ حلوانی رحمہ اللہ نے اجازت دی ہے، کیونکہ ”عرف“ میں یہ

(۱) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۲      (۲) مجموعۃ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۲

(۳) أصول الفقه لأبي زهرة: ص ۲۱۲

لوگوں کی ضرورت اور ان کے تعامل کا ایک حصہ ہے، جبکہ شوافع، حنبلہ اور اکثر حنفی نے اس طرح کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

متاخرین میں سے علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی عرف و عادت کے پیش نظر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

**نوٹ:** عرف و عادت کے متعلق تفصیلی مباحثت کے لئے بندے کی کتاب ”فقہ اسلامی کے ذیلی آخذ“ کا مطالعہ فرمائیں۔

### قواعدہ نمبر (۳۶)

إِسْتِعْمَالُ النَّاسِ حُجَّةٌ يََجِبُ الْعَمَلُ بِهَا۔<sup>(۳)</sup>  
لوگوں کا عملی روایج واجب لعمل ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔

### شرح

یہ قاعدہ اور سابقہ قاعدہ اپنے مقصد کے اعتبار سے متحدد ہیں یعنی جب لوگوں کی عادات شرع کے نصوص کے مخالف نہ ہوں تو وہ جحت و دلیل ہوں گی اور ان پر عمل کرنا واجب ہو گا اس لیے کہ عادت ایک مضبوط فیصلہ ہوتا ہے۔

### تفريعات

ا..... کسی شخص نے صنعت گر سے کہا کہ میرے واسطے فلاں چیزاتنے قرش پر بنادو اور صنعت کار نے قبول کر لیا تو بع استصناع منعقد ہو گئی، مثلاً کسی نے اپنا پیر و کھا کر کار گر سے کہا کہ فلاں قسم کا ایک جفت موزہ میرے واسطے اتنے قرش میں بنادو اور کار گر نے قبول کر لیا:  
إِذَا قَالَ شَخْصٌ لِأَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الصَّنَاعَةِ اصْنِعْ لِي الشَّيْءَ الْفَلَانِي

(۱) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۹ (۲) مجموعہ رسائل ابن عابدین: ج ۲ ص ۱۳۰

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والثلاثون، ص ۲۲۲

بکذا قرشاً، وقبل الصانع ذلك انعقد البيع استصناعاً مثلاً لو أرى المشترى رجله لخفا ف وقال له اصنع لي زوجي خف من السختيان  
الفلاني بکذا قرشاً وقبل الصانع۔ (۱)

۲..... کسی نے ایک کارخانہ دار کو کہا کہ میرے لیے ایسی ایسی (پوری تفصیلات بتائیں) کہ بندوق اتنے قرش میں بنادو اور کارخانہ دار نے قبول کر لیا تو بیع استصناع کا معاملہ منعقد ہو گیا:

تناول مع نجار على أن يصنع له زورقا وأوصافها الازمة وقبل  
النجار انعقد الاستصناع۔ (۲)

۳..... ایک شخص نے قسم کھائی کہ فرش پر نہیں بیٹھے گا یا قسم کھائی کہ چراغ روشن نہ کرے گا اس وقت زمین پر بیٹھنے یا دھوپ میں جانے سے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) زمین کو فرش اور سورج کو چراغ (لفظوں) سے تعبیر کیا ہے:

إذا تعارض العرف مع الشرع، قدم عرف الاستعمال، خصوصاً في  
الأيمان، فإذا حلف لا يجلس على الفراش أو على البساط أو لا  
يستضي بالسراج، لم يحث بجلوسه على الأرض، ولا بالاستضاءة  
بالشمس وإن سمها الله تعالى فراشاً وبساطاً أو سمي الشمس  
سراجاً۔ (۳)

۴..... اگر یہ قسم کھائی کہ گوشت نہ کھائے گا تو مچھلی کا گوشت کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے گوشت کو بھی گوشت کہا ہے، اور اگر یہ قسم کھائی کہ چھت کے نیچے نہ بیٹھے گا تو آسمان کے نیچے ہونے سے قسم باطل نہ ہو گی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو چھت کہا ہے:

وإن حلف لا يأكل لحم المالم يحث بأكل لحم السمك وإن سماء الله

(۱) شرح المجلة: ص ۸۷ (۲) شرح المجلة: ص ۸۷ (۳) شرح المجلة: ص ۸۷

تعالیٰ حمماً، ولو حلف لا يجلس تحت سقف فجلس تحت السماء لم

يحدث، وان سماها الله تعالى سقفا۔<sup>(۱)</sup>

۵.....اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ مکان میں داخل نہ ہو گا اس کے بعد وہ گرجے یا مسجد وغیرہ میں داخل ہوایا کعبہ یا حمام یا دروازے کی دہلیز یا دروازے کے سامان کے نیچے داخل ہوا تو اس کی قسم پوری رہے گی باطل نہ ہو گی اس لیے کہ یہ مقامات عرف و عادة مکان نہیں کہے جاتے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں کعبہ کو بیت (مکان) فرمایا ہے ارشاد ہے ”إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لِلَّذِي بِبَكَّةَ“، اور مساجد کو بھی ایسا ہی فرمایا ہے ارشاد ہے ”فِي بَيْوَتٍ اذْنَ اللَّهُ ان ترْفَعْ وَيَذْكُرْ فِيهَا اسْمَهُ“، اس لیے کہ قسموں کی بنیاداً ہل لسان کی عرف و عادة پر بنی ہوتی ہے نہ کہ محض الفاظ کے استعمال پر:

لو حلف لا يدخل بيتاً فدخل مسجداً أو بيعة أو كنيسة أو بيت نار

أو دخل الكعبة لو حماماً أو دهليزاً أو ظلمة باب دار، لا يحدث لأن

هذه لا تسمى بيتاً على الاطلاق عرفاً أو عادة وان سمى الله عز

وجل الكعبة بيتاً في كتابه العزيز في قوله تعالى ”ان اول بيت

وضع للناس للذى بيكة و سمى المساجد بيوتاً“ قال الله تعالى ”في

بيوت اذن الله ان ترفع و يذكر فيها اسمه“ لأن مبنى الايمان

على العرف و العادة، لا على نفس اطلاق الاسم۔<sup>(۲)</sup>

۶.....اسی طرح انسان کا بیٹا یا اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اقارب کے لفظ میں شامل نہ ہو گی کیونکہ عرف میں ان پر اقارب کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا:

كذلك لا يدخل الولد والوالدان لعدم استعمال لفظ الأقارب

فيها عرفا۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۳)

الْمُمْتَنِعُ عَادَةً كَالْمُمْتَنِعِ حَقِيقَةً۔ (۱)

جو امر عادۃ ممنوع ہو گا وہ حقیقی ممنوع کی طرح متصور ہو گا۔

### شرح

جو شئی ممتنع ہو متكلمین کے نزدیک اس کی متعدد اقسام ہیں:

۱..... ممتنع حقیقی: اس کو ممتنع لذاتہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا شریک اور اجتماع نقیضین (منفی و ثابت) اور جمع بین الضدین ۲..... ممتنع لغیرہ یہ وہ ممتنع ہے جس کے عدم و قوع سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہو چکا ہو جیسے کہ ابو جہل کا ایمان، چنانچہ یہ ایمان اگرچہ فی نفسہ ممکن ہے لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ ابو جہل سے وجود میں نہ آئے اس لیے یہ ممتنع لغیرہ قرار پایا، چنانچہ ممتنع کی اول قسم یعنی ممتنع لذاتہ کے سلسلہ میں اہل سنت اور معتزلہ کا اتفاق ہے کہ اس سے بندے کو مکلف نہیں کیا جاتا جس طرح کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ ممتنع لغیرہ سے مکلف کیا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک منفی امر ہے جس پر بندے کا اطلاع پانا اس وقت ممکن ہے جبکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مطلع کیا جائے اور یہ عام انسانوں کے لیے ممکن نہیں یا یہ کہ وہ عادۃ ممتنع ہو گا مثلاً آہان پر چڑھ جانا، اس کے متعلق جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس کا مکلف نہیں کیا جاتا۔ (۲)

### تفریعات

۱..... اگر کوئی شخص اپنی عمر سے بڑے عمر والے کے حق میں یا کسی ایسے شخص کے حق میں جس کا نسب لوگوں میں مشہور اور معروف ہے یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو مدعا سے

(۱) مجلة الأحكام: ص ۲۰ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والثلاثون، ص ۲۲۵

(۲) شرح المجلة: ص ۸۸

نسب ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ دونوں حالتوں میں ایسا ہونا عقلًا ممنوع ہے:

إِذَا أَدْعَى أَحَدٌ فِي حَقِّ مَنْ هُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ سِنًّا أَوْ فِي حَقِّ مَنْ نَسْبَهُ  
مَعْرُوفًا، بِأَنَّهُ أَبْنَاهُ، لَا تَكُونُ دُعَوَةٌ صَحِيحَةٌ لَا سَتْحَالَةٌ ذَلِكَ عُقْلًا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جو امر عادۃ محال ہواں کی مثال جیسے ایک ایسا شخص جس کا تھی دست ہونا اور اس کا فقر لوگوں میں معروف ہے دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کیا کہ ایک لاکھ روپیہ اس دوسرے نے اول سے یک دم قرض لیا تھا یا یہ کہ اس سے غصب کیا تھا حالاں کہ مدعاً اس (دعوے کی وقت تک) نہ کسی مال کا کسی سے وارث ہوا اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کے پاس مال آیا تو یہ دعویٰ مدعاً کا قابل سماعت نہ ہوگا اس لیے کہ ایک ایسے امر کا دعویٰ ہے جو عادۃ محال ہے:

وَمَثَلُ الْمُسْتَحِيلِ الْعَادِيِّ مِنْ أَدْعَى مَعْرُوفًا بِالْفَقْرِ أَمْوَالًا عَظِيمَةً  
عَلَى آخِرِ أَنْهَى أَقْرَضُهَا مِنْهُ دَفْعَةً وَاحِدَةً أَوْ غَصِبَهَا مِنْهُ، حَالٌ كَوْنِهِ لَمْ  
يَرِثْ وَلَمْ يَصْبِ مَالًا، لَا نَسْمَعُ لِأَنَّهَا مُسْتَحِيلَةٌ عَادَةً۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اس قاعدے میں وہ تمام اشیاء داخل ہوں گی جن کا وجود عادۃ بعید متصور ہوتا ہو جیسا کہ سابقہ تقریر میں زوجہ کا دخول کے بعد مہر بحقیل پر قبضہ نہ کرنے کا دعویٰ یا اہمسایہ کا مکان فروخت کرنے کی اطلاع پر خاموشی سے عدم سماعت کا دعویٰ یا ایک شخص کو مکان میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھ کر خاموشی کے بعد دعوے کا ناقابل سماعت ہونا:

يَدْخُلُ تَحْتَ هَذِهِ الْقَاعِدَةِ كُلُّ شَيْءٍ مُسْتَبِعًا فِي الْعَادَةِ، حَتَّى إِنَّهُمْ  
أَفْتَوُا بَعْدَ تَصْدِيقِ الزَّوْجَةِ بَعْدَ الدُّخُولِ بِهَا بِأَنَّهَا لَمْ تَقْبِضْ  
الْمُشْرُوطُ تَعْجِيلَهُ مِنَ الْمَهْرِ، مَعَ أَنَّهَا مُنْكَرَةٌ لِلْقَبْضِ، وَقَاعِدَةُ  
الْمَذْهَبِ أَنَّ الْقَوْلَ لِلْمُنْكَرِ، لَكِنَّهَا فِي الْعَادَةِ لَا تَسْلُمُ نَفْسَهَا قَبْلَ  
قَبْضِهِ، وَأَفْتَوُا بَعْدَ سَمَاعِ الدَّعْوَى مِنْ سَكْتٍ أَيْضًا بَعْدَ اطْلَاعِهِ  
عَلَى بَيْعِ جَارَةٍ أَوْ قَرِيبَهُ دَارًا مُثْلًا، وَبَعْدَ سَمَاعِهَا مِنْ سَكْتٍ أَيْضًا  
بَعْدَ رُؤْيَتِهِ ذَا الْيَدِ يَتَصَرَّفُ فِي الدَّارِ تَصْرِيفُ الْمَلَكِ۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۳۸)

لَا يَنْكُرْ تَغْيِيرُ الْأَحْکَامِ بِتَغْيِيرِ الْأَزْمَانِ۔ (۱)

زمانے کے بدل جانے سے احکام کے بدل جانے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

### تشريع

بہت سارے احکام جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر رکھ کر بیان کیے تھے وہ زمانہ بد لئے کی وجہ سے بدل گئے ہیں، اور زمانہ کی تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاؤ پیدا کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عام ضرورت پیش آنے کی وجہ سے ہوتی ہے بہر صورت اصل مقصد مصالح کا حصول اور مفاسد کا مٹانا ہوتا ہے اور جو حکم اس مقصد کے لیے مفید ہو وہی نافذ کیا جاتا ہے۔

### تفريعات

ا..... شریعت نے اس شخص کے لیے جس نے بغیر دیکھے ہوئے کوئی چیز خریدی ہو خیار روئیت کا حق دیا ہے کہ (دیکھنے پر اگر کوئی عیب موجود پائے تو اس کو واپسی کا اختیار ہوگا) چنانچہ فقهاء متقدیں کے عہد میں لوگ اپنے مکانوں کی تعمیر اس طرز پر کرتے تھے کہ ان کے کمروں اور دیگر طرز تعمیر میں تفاوت نہیں ہوا کرتا تھا اس لیے ان حضرات نے یہ حکم دیا تھا کہ کسی مکان کے ایک کمرے کو دیکھ لینے کے بعد خیار روئیت ساقط ہو جائے گا اور مکان کے تمام کمروں کا معاشرہ ضروری نہ ہوگا، لیکن بعد کے دور میں جب لوگوں نے مکانوں کی تعمیر میں جدت اختیار کی اور کمرے ایک دوسرے سے مختلف تعمیر کرنا شروع کئے (دیگر ضروریات کے لحاظ سے تعمیر میں مختلف اضافہ کیا جانے لگا) تو اس عہد کے فقهاء نے حکم دیا کہ خیار روئیت کے ساقط ہونے کے لیے تمام مکان کا دیکھ لینا ضروری ہے اس کے بغیر خیار روئیت

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰ / درر الحكم: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۷

ساقط نہ ہو گا چنانچہ یہ حکم کا اختلاف دراصل کسی دلیل و جدت کے اختلاف سے نہیں واقع ہوا بلکہ اس کی وجہ زمانے اور عہد کے عرف کا اختلاف قرار پایا:

أثبَتَ الشَّرْعُ خِيَارَ الرُّؤْيَا لِمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا وَلِمْ يَرِهِ، فَالْفَقَهَاءُ  
الْمُتَقْدِمُونَ كَانُوا فِي عَصْرِهِمْ اعْتِيَادُ النَّاسِ عَلَى بَنَاءِ الدُّورِ عَلَى  
نَسْقٍ وَاحِدٍ لَا تَفَاوْتَ بَيْنَ بَيْوَتِهَا، فَقَالُوا إِنَّ رُؤْيَا بَيْتٍ وَاحِدٍ مِن  
الْدَارِ، يَغْنِي عَنْ رُؤْيَا الْجَمِيعِ فِي اسْقَاطِ الْخِيَارِ، وَأَخْيَرًا لَمَّا اخْتَلَفَ  
طَرَزُ الْأَنْشِئَاتِ، وَكَانَ الدَّارُ يَخْتَلِفُ بَعْضُ بَيْوَتِهَا عَنْ بَعْضٍ بِحَسْبِ  
عَادِتِهِمْ أَفْتَى الْمُتَأْخِرُونَ بِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رُؤْيَا جَمِيعِهَا، فَهَذَا لَيْسَ  
إِخْتِلَافُ خَجَةٍ وَبَرْهَانٍ، بَلْ إِخْتِلَافُ عَصْرِ زَمَانٍ۔ (۱)

۲..... یا یہ کہ ہمارے زمانے میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز کے اوقات کے علاوہ مساجد  
کے دروازوں کو مقفل کر دینا جائز ہے، حالانکہ مسجد عبادت گاہ ہے جس کے لیے بند کیا جانا  
غیر مناسب ہے لیکن مسجد کا سامان چوری ہو جانے کے پیش نظر بند رکھنے کا حکم دے دیا گیا ہے:  
وَكَغْلَقَ بَابَ الْمَسْجِدِ فِي غَيْرِ وَقْتِ الصَّلَاةِ فِي زَمَانِنَا، مَعَ أَنَّهُ مَكَانٌ  
مَعْدُلٌ لِلْعِبَادَةِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَغْلَقَ جُوزُوا ذَلِكَ صِيَانَةً عَنِ السُّرْقَةِ۔ (۲)  
لَا بَأْسَ بِالْغَلْقِ فِي زَمَانِنَا فِي غَيْرِ أَوَانِ الصَّلَاةِ صِيَانَةً لِمَتَاعِ  
الْمَسْجِدِ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْحَكْمَ قَدْ يَخْتَلِفُ بِإِخْتِلَافِ  
الْزَّمَانِ۔ (۳)

۳..... عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد ائمہ میں مختلف ممالک میں آنے جانے کے لیے  
پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی غیر ملکیوں کے لیے غیر منقولہ جائیداد کی خرید و  
فروخت پر پابندی عائد تھی جبکہ آج کل یہ پابندیاں موجود ہیں اس لیے کہ اب جائیداد کی

(۱) شرح العجلة: ص ۹۱

(۲) شرح المجلة: ص ۹۲

(۳) تبیین الحقائق: کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیها، ج ۱ ص ۱۴۸

منتقلی برائے غیر ملکیاں اور تجارت و سیاحت کے قوانین بدل گئے ہیں۔

اس طرح سائنسی، تکنیکی، مواصلاتی، تہذیبی، تمدنی، علمی، معاشی، ادبی اور فلکری لحاظ سے تبدیلیاں واقع ہونے پر قانون کے تقاضے بدل جاتے ہیں اس لیے قوانین میں تبدیلی آتی ہے۔

## قواعدہ نمبر (۳۹)

**الْحَقِيقَةُ تُتَرَكُ بِدَلَالَةِ الْعَادَةِ۔ (۱)**

عادت کی دلالت کرنے پر حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا۔

### شرح

عادت اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے، اگرچہ بنیادی اصول یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ کا حقيقی معنی مراد لیا جائے گا مگر جب قرآن اور دلائل موجود ہوں کہ صاحب کلام کی مراد حقيقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے تو ان قرائن اور دلائل کی روشنی میں مجازی معنی مراد لیا جا سکتا ہے، یہ قرآن کبھی تلفظی ہوتے ہیں کہ نفس کلام میں ایسے لفظ موجود ہوں جن سے پتہ چلتا ہو کہ حقيقی معنی نہیں مجازی معنی مراد ہے اور کبھی یہ قرآن خالی ہوتے ہیں یعنی حالات بتلا دیتے ہیں کہ مجازی معنی مراد ہے۔

### تفريعات

..... ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کے مکان میں قدم نہ رکھے گا تو اس سے مکان میں داخل ہونا مراد لیا جائے گا خواہ سوار ہو کر داخل ہو یا پیداہ چل کر، خواہ جوتے کے ساتھ ہو یا برهنہ پا اس لیے کہ (ایسے کلام سے) متعارف معنی یہی ہے حقيقی معنی یعنی

(۱) البحر الرائق: كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب، ج ۳ ص ۳۲۸ / رد المحتار: كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب، ج ۳ ص ۳۲۲

پاؤں کا رکھنا مراد نہیں ہوتا یہ معنی عرف نے ترک کر دیا ہے اور عرف لفظ کی وضع پر بھی حاکم ہوا کرتا ہے:

وقد لا يتعذر المعنى الحقيقي، لكنه مهجوز عرفاً وعادتاً فالحكم في ذلك أنه كالمتعذر، وهذا صريح المادة، كما لو حلف لا يضم قدمه في دار فلان، ينصرف إلى الدخول بأى وجه كان راكباً أو مشياً، حافياً أو منتلاً، لأنه هو المتعارف، لا المعنى الحقيقي وهو مباشرة القدم، دخل أولم يدخل، لأنه مهجوز عرفاً، والعرف قاض على الوضع۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اقرار کا شرط پر متعلق کردیانا صحیح نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی ایسی شرط ہے جو انسانوں کے عرف میں کسی عقد کی مقررہ میعاد کے تعین اور پورا ہو جانے کی وضاحت کی صلاحیت رکھتی ہے تو ایسی صورت میں اس پر متعلق کردیانا جائز ہو گا۔  
مثلاً یہ کہہ دے کہ جب فلاں ماہ شروع ہو تو میں تمہارا اتنے مال کا مقروض رہوں گا، تو پھر یہ اقرار اس کا دین موجل پر محمول ہو گا اور اس ماہ کے آنے پر اس کو اقرار کے مطابق وہ مال ادا کرنا ہو گا:

ان الإقرار لا يصح تعليقه بالشرط، لكن إذا كان معلقاً بشرطٍ صالح لحلول الأجل في عرف الناس نحو ان اتي شهر كذا فاني مديون لك بذلك، يحمل على الإقرار بالدين المؤجل، ويلزم تأدية المبلغ عند حلول ذلك الوقت۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے دوسرے سے کہا اس درخت میں سے جو مرضی آئے کھالو اور پھر اس شخص نے اس درخت میں سے پھل توڑ کر کھائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ درخت کھانے کی اجازت تھی پھل کھانے کی اجازت نہ تھی، کیونکہ عام استعمال عرف اور عادت یہی ہے

کہ درخت سے مراد پھل ہوتا ہے کیونکہ درخت تو کھایا نہیں جاتا۔

۲..... شادی کے لغوی معنی خوشی کے ہیں لیکن آج کل اس سے مراد نکاح کے لیے جاتے ہیں لہذا آج کل جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے شادی کی تو اس کا صرف یہی مطلب لیا جائے گا کہ اس شخص نے نکاح کیا۔

۵..... آج کل ہمارے عرف میں اولاد کے مفہوم میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہوتے ہیں جبکہ اس (کے ولد) لغوی معنی صرف لڑکے کے ہیں، چنانچہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی اولاد کے نام فلاں جاسیدا وقف کرتا ہوں تو اس میں لڑکیاں بھی شامل ہوں گی۔

## قواعد نمبر (۳۰)

*إِنَّمَا تُعْتَبَرُ الْعَادَةُ إِذَا أَطْرَدَتْ أَوْ غَلَبَتْ۔ (۱)*

عادت کا اعتبار اس وقت ہو گا جب وہ پھیل چکی ہو یا غالب اکثریت پر چھا چکی ہو۔

## تفريعات

۱..... اگر کسی شخص نے بازار میں کوئی شئی کسی شخص کے ہاتھ قیمت کی کیفیت کی تصریح کے بغیر فروخت کی یہ نہ بیان کیا کہ قیمت نقد ہو گی یا وقت معین پر ادھار ہو گی اور اہل شہر کا عرف یہ تھا کہ ہر ہفتہ قیمت کی ایک خاص مقدار مشتری کو ادا کرنا ہوتی تھی تواب یہ بیع اسی عرف پر محمول ہو گی بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ عرف میں جو مروج ہو جاتا ہے وہ مشروط کے بمنزلہ ہوتا ہے:

حتى لو باع التجار في السوق شيئاً بشمن، ولم يصرح بحلول ولا تأجيل، وكان المتعارف فيما بينهم أن البائع يأخذ من الشمن كل

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة السادسة، ص ۹۵۔ رد المحتار: كتاب النكاح، باب المهر، مطلب انفق على معتمدة الغير، ج ۲ ص ۱۵۶

جمعة قدرًا معلوماً، انصرف البيع اليه بلا بيان، لأن المعرف

عرفًا كالمشروع شرطًا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر باپ اپنی بیٹی کو (رخصت کرتے وقت) جہیز دے اور پھر دعویٰ کرے کہ وہ جہیز عاریت تھا اور گواہ موجود نہ ہوں تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، فتویٰ اس قول پر ہے کہ اگر عرف میں باپ کا جہیز دینا بطور ملکیت ہوتا ہونہ کے بطور عاریت تو باپ کا یہ دعویٰ قابل ساعت نہ ہوگا، اور اگر عرف میں دونوں عمل جاری ہوں تو باپ کا قول قابل ساعت ہوگا، علامہ قاضی خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اگر لڑکی کا باپ قوم کے معزز اور اشراف میں سے ہے تو اس کا دعویٰ ناقابل ساعت ہوگا، اور اگر درمیانی طبقہ سے ہو تو اس کا قول کیا جائے گا، بہرحال دونوں قولوں میں عرف کا لحاظ کیا گیا ہے مفتی بقول میں شہر کے لوگوں کے عرف کو لمحظہ رکھا گیا ہے، اور علامہ قاضی خان رحمہ اللہ نے باپ کی جانب کے عرف کا اعتبار کیا ہے:

لو جهز الأب ابنته جهازاً ودفعه لها، ثم ادعى أنه عارية ولا بينة،

ففيه اختلاف: والفتوى أنه إن كان العرف مستمراً أن الأب يدفع

ذلك الجهاز ملکاً لا عارية، لم يقبل قوله، وإن كان العرف

مشترٰكًا، فالقول للأب، وقال قاضي خان: وعندى أن الأب إن كان

منَ كرام الناس وأشرافهم لم يقبل قوله، وإن كان من أوساط

الناس كان القول قوله، وعلى كل قول فالمنتظر إليه العرف،

فالقول المفتى به نظر إلى عرف بلدتها، وقاضي خان نظر إلى جانب

الأب في العرف۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی نے کوئی چیز دراہم یاد نہیں کے عوض خریدی یا فروخت کی اور اس شہر میں مختلف قسم کے نقد رانج تھے اور ہر ایک کی مالیت میں بھی اختلاف تھا تو اس صورت میں شہر

کے اندر جو نقد زیادہ رانج ہیں اسی کا اعتبار ہوگا:

إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلت، ولذا قالوا في البيع: لو باع

بدرًاهم أو دنانير وكانا في بلد اختلف فيه النقود مع الاختلاف في

المالية والروابط انصرف البيع إلى الأغلب۔ (۱)

۳.....اگر کسی شخص نے کاتب کو اجرت پر لایا کتابت کے لیے تو سیاہی اور قلموں کالا نا کاتب کی ذمہ داری ہوگی۔

۵.....اگر کسی شخص نے درزی کو اجرت پر کپڑوں کی سلائی کے لیے لایا تو سوئی اور دھاگہ لانے کی ذمہ داری درزی پر ہوگی نہ کہ مستاجر پر کیونکہ عرف میں یہی بات رانج ہے:

في استئجار الكاتب قالوا: الخبر عليه والأقلام، والخياط قالوا

الخيط والإبرة عليه عملاً بالعرف۔ (۲)

## قواعد نمبر (۳۱)

الْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا لِلنَّادِir۔ (۳)

اعتبار اسی عادت کا ہوگا جو عام ہو چکی ہونا درا اور کم واقع ہونے والی صورت

قابل اعتبار نہ ہوگی۔

## تفريعات

۱.....سفر میں نماز کے قصر کرنے کا حکم شریعت کی مقرر کردہ رخصت ہے اس کی علت (حالت سفر کی) مشقت ہے لیکن یہ علت منضبط نہیں، اس لیے کہ انسان کے حالات اور زمانے کے اختلاف سے اس کی مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں اور نہیں بھی آتیں، لہذا سفر ہی کو قصر کی (مستقل) علت قرار دے دیا گیا کہ جب سفر کا وجود ہوگا قصر کا حکم ثابت ہوگا

(۱) الأشباه والنظائر: ص ۹۵ (۲) الأشباه والنظائر: ص ۹۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۰: شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والأربعون، ص ۲۲۵

کیونکہ اکثر حالات میں سفر مشقت کا سبب ہی ہوتا ہے اور بعض حالات میں مشقت کا موجود نہیں ہوتا جیسا کہ بادشاہان اور دیگر امراء و سرمایہ دار لوگوں کے سفر میں پایا جاتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا، اس لیے کہ حکم جیسا کہ ”مجموع الحقائق“ میں ہے جنس شئی پر عائد کیا جاتا ہے افراد پر نہیں، لہذا ایسے مذکورہ حضرات کے حق میں بھی قصر ہی کا حکم ہوگا کیونکہ اعتبار اکثر اور غالب کا ہوا کرتا ہے، شاذ و نادر کا نہیں:

كَقُصْرِ الصلوٰة فِي السَّفَرِ، هُوَ رِحْصَةٌ مُشْرُوعَةٌ وَالْعُلَةُ فِي ذَلِكَ  
الْمُشْقَةُ، لِكُنَّهَا لَمْ تَنْضِبُطْ لَا خِتْلَافُهَا بِحَسْبِ الْأَشْخَاصِ وَالْأَحْوَالِ  
وَالْأَزْمَانِ، أَقِيمَ السَّفَرُ مَقَامَهَا، بِحِيثِ مَتَى وَجَدَ السَّفَرُ وَجَدَ الْقُصْرُ،  
لَانَ السَّفَرُ يَلْازِمُ الْمُشْقَةَ غَالِبًاً، تَخْلُفُهَا فِي الْبَعْضِ كَسْفُ الْمُلُوكِ  
وَالْأَمْرَاءِ الْمُتَرْفَهِينَ لِاعْبُرَةِ لَهُ، لَانَ الْحُكْمَ كَمَا فِي مَجْمِعِ الْحَقَائِقِ،  
يَرَاعِي فِي الْجِنْسِ لَا فِي الْأَفْرَادِ فَيُجُوزُ قُصْرُ الصلوٰة فِي حَقِّهِمْ لَانَ  
الْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعُ لَا لِلنَّادِرِ۔<sup>(۱)</sup>

إِنَّ السَّفَرَ عِلْمَ الْقُصْرِ وَحُكْمَتِهِ الْمُشْقَةُ ثُمَّ السَّفَرُ يَثْبِتُ الْقُصْرَ وَإِنَّ  
لَمْ يَلْحِقْهُ مُشْقَةٌ وَعَدْمُ الْحُكْمِ لَا يَوْجِبُ عَدْمُ الْحُكْمِ وَوُجُودُ الْعُلَةِ  
أَوْجِبُ وَجْدَ الْحُكْمِ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... جس عورت کو حیض آنے کی عمر میں حیض آتے آتے بند ہو جائے وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت پوری نہیں کر سکتی، اس کے (عارضی طور پر) حیض بند ہو جانے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ وجوہ عدت کی علت یہ معلوم کرنا ہے کہ عورت کارہم حمل سے پاک ہے یا نہیں اور حیض آنے والی عورت میں یہ امر تین حیض آنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ یہ عورت اگر اس کا حیض چند سال تک بھی بند رہے اس کو شریعت آئسے یا صغیرہ کا حکم نہیں دیتی، اس کی عدت مہینوں کے شمار سے پوری نہ ہوگی اس لیے کہ حیض آنے کی عمر والی عورت کا اس طرح

(۱) شرح المجلة: ج ۹۸، ص ۹۹ (۲) أصول البذدوی: ج ۳، ص ۲۷۵ ناشر: جاودہ پرنسپرینس

حيض رُك جاناً يك نادر الوجود امر ہے اور اعتبار غالب و شائع کا ہوتا ہے نادر کا نہیں ہوتا:

كذلك نصوا على أن الممتد طهرها، وهي المرأة التي كانت تحيض، ثم ارتفع حيضها ولم تدخل في سن الأياض فلا تعذر بالأشهر، ولا عبرة لانقطاع حيضها وذلك لأن العلة في وجوب العدة هو التوصل لظهور براءة الرحم، وظهوره في ذات الحيض بحيض ثلاث، فهي وإن انقطع حيضها سنين، لكن لما كانت مظنة الحيض لم يجعلها الشرع في حكم الآية والصغيرة حتى تعذر بالأشهر لأن انقطاع الحيض ممن تحيض نادر، والعبرة للشائع لا للنادر۔<sup>(۱)</sup>

۳..... فقهاء كرام نے تصریح کی ہے کہ جو لوگ کابے عقلی کی حالت میں باخ ہوا ہواں کو اس وقت تک اس کا مال سپرد نہیں کیا جائے گا جس وقت تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ دانشمندی کی حد میں داخل ہو گیا، لیکن جب اس کی عمر ۲۵ سال کی مکمل ہو جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زذیک اس کا مال ہر حالت میں اس کے حوالے کر دیا جائے گا، اور امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کے زذیک جب تک رشد ثابت نہ ہو نہیں دیا جائے گا۔

یہ وہ مسائل ہیں کہ جن میں یہ قاعدة صادق آتا ہے کہ اعتبار شائع اور غالب کا ہوتا ہے نہ کہ نادر الوجود کا:

كذلك صرّحوا بأن من بلغ سفيها غير رشيد، لا يسلم اليه ماله حتى يتحقق رشد، لكن إذا بلغ خمساً وعشرين سنة، يسلم اليه مطلقاً، سفيهاً كان أم رشيداً، في قول الإمام الأعظم وعندهما لا يدفع ماله يتحقق منه الرشد، فهذه المسائل يصدق عليها قاعدة أن الاعتبار للشائع الغالب لا للنادر۔<sup>(۲)</sup>

۲..... عورت کے لیے مدت ایاس کا اندازہ پچپن (۵۵) سال کی عمر سے لگایا جائے گا اس لیے کہ عورت جب اس عمر کو پہنچ جائے تو غالب یہی ہے کہ حیض کا خون منقطع ہو جاتا ہے:

وَقَدْرُوا مَدْةُ الْإِيَّاسِ مِنَ الْحِيْضُولِ لِلْمَرْأَةِ بِخَمْسٍ وَّ خَمْسِينَ سَنَةً  
لِأَجْلِ أَنْ تَعْتَدْ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتْ هَذِهِ السَّنَ فِي الْغَالِبِ يَنْقُطُ  
حِيْضُهَا۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۳۲)

الْمَعْرُوفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوطِ شَرْطًا۔ (۲)

جو بات عرف عام میں مشہور و معروف ہو وہ ایسی ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط  
ہوتی ہے۔

## شرح

عرف چونکہ اسلامی قانون کا ایک مأخذ ہے اور اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کی حد بندی کرنے اور اس کے قانونی حدود کو تعین کرنے کے لیے کچھ اصول بنائے جن کا بیان گذر چکا ہے، اور اب ضرورت تھی کہ عرف کی قانونی حیثیت اور طاقت کی وضاحت کر دی جائے تاکہ عرف کی بناء پر فیصلہ شدہ امور کی قانونی حیثیت معلوم ہو سکے، اس ضمن میں پہلا اصول یہی ہے کہ جو چیز عرفًا معروف ہوگی اس کی حیثیت وہی ہوگی جو کسی شرط کے مشروط چیز کے ساتھ ہوتی ہے یعنی شرط و مشروط لازم و ملزم ہوتے ہیں کہ شرط موجود تو مشروط بھی موجود اور شرط مفقود تو مشروط بھی مفقود، اس طرح سے عرف اور معروف لازم و ملزم ہیں، عرف موجود تو معروف بھی موجود، اور اگر عرف ختم ہوگیا تو معروف بھی اپنی قانونی حیثیت کھو دے گا۔

(۱) شرح القواعد الفقهية، ص ۲۳۶

(۲) رد المحتار: کتاب الوقوف، مطلب متى ذکر الواقف شرطین متعارضین، ج ۲ ص ۳۵۰: شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والأربعون، ص ۲۲۷

## تقریعات

۱..... جب کوئی شخص کسی مزدور کو اینٹیں بنانے کے لیے مزدوری پر حاصل کرے بوریاں اور سانچہ اینٹ بنانے کے آلات بنانے والے کے ذمہ ہوں گے اور یہ حکم ان کی عادت پر مبنی ہوگا:

استأجر رجلاً يضرب له لبناً إن الزنبيل والملبن على صاحب  
اللبن و هذا على عادتهم۔<sup>(۱)</sup>

يعتبر العرف في كل بلدة حتى قال في استئجار اللبان أن الزنبيل

والملبن على صاحب اللبن بناء على عرفهم۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر گور کن کو قبر کھونے کے لیے مزدوری پر لیا گیا تو مٹی کا ڈالنا اسی کے ذمہ ہوگا:

وقالوا فيمن استأجر على حفر قبر ان حتى التراب عليه۔<sup>(۳)</sup>

وحتى التراب على الحفار في القبر باعتبار العرف۔<sup>(۴)</sup>

(۳) تنور سے روٹی کا باہر نکالنا تنور والے کے ذمہ ہوگا اس لیے کہ ان کے عمل کی

تمکیل اسی صورت سے ہوتی ہے:

اخراج الخبز من التنور على الخباز لأن ذلك من تمام العمل۔<sup>(۵)</sup>

۲..... دھاگہ درزی کے ذمہ ہوگا کیونکہ عادت یہی جاری ہے، اور وہ لگنگھی جس سے جولاہا کپڑا درست کرتا ہے کپڑے والے کے ذمہ ہوگی، اب اگر کسی شہر کے رہنے والوں کا تعامل اس کے خلاف ہو تو پھر اس تعامل کے مطابق حکم دیا جائے گا:

وقالوا في الخياط، إن السلوك عليه لأن عادتهم جرت بذلك،

وقالوا في الدقيق الذي يصلح به الحائث الثوب أنه على صاحب

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۰ (۲) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجرة الظهر، ج ۱۵ ص ۱۲۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۰۰ (۴) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجرة الظهر، ج ۱۵ ص ۱۲۱

(۵) بدرائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۳ ص ۲۰۹

الثوب، فان كان أهل بلد تعاملوا على خلاف ذلك فهو على ما

يتعاملون۔<sup>(۱)</sup>

۵.....اگر شادی کے موقع پر کھانا پکانے کے لیے باورچی کو اجرت پر لیا گیا تو دیکھوں سے کھانا نکالنا باورچی کے ذمہ ہوگا، لیکن اگر کوئی مخصوص (قلیل) مقدار میں کھانا تیار کرایا گیا تو اس وقت کھانا بہذی سے نکالنا اس کے ذمہ نہ ہوگا، یہ سب اس وقت ہوگا جبکہ اہل شہر میں یہ امر معروف اور شائع ہو چکا ہو، ورنہ ان کے عرف کے اختلاف پر حکم بھی مختلف ہوگا:

وقالوا في الطباخ إذا استوجر في عرس، إن اخراج المرق عليه،

ولو طبخ قدرًا خاصةً ففرغ منها فله الأجر، وليس عليه من اخراج  
المرق شيء وهو مبني على العادة، يختلف باختلاف العادة۔<sup>(۲)</sup>

۶.....کسی شخص نے اپنے مکان تک غلہ لے جانے کے لیے جانور کرایہ پر لیا جب غلہ مکان پر پہنچا تو غلہ کے مالک نے مزدور سے کہا کہ یہ غلہ مکان کے اندر پہنچا دو اور مزدور نے اس سے انکار کیا، تو امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان جیسا تعامل ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جائے:

وقالوا فيمن تکاري دابة يحمل عليها حنطة الى منزلة، فلما انتهى

اليه اراد صاحب الحنطة عليه أن يحمل المكارى ذلك فيدخله في

منزله وأبى المكارى، قال ابوحنيفة: عليه ما يفعله الناس

ويتعاملون عليه۔<sup>(۳)</sup>

۷.....اگر گھوڑا (سواری کے لیے) کرایہ پر لیا گیا تو اس کی زین گھوڑے والے کے ذمہ ہوگی اور رسیاں وغیرہ عرف کے مطابق اسی شخص کے ذمہ ہوں گی جو عرف میں مردوج ہوگا:

وإذا تکاري دابة فلا كاف على صاحب الدابة، فاما الحبال

(۱) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۲ ص ۲۰۹

(۲) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۲ ص ۲۰۹

(۳) بدائع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۲ ص ۲۰۹

والجوالق، فعلی ما تعارفه أهل الصنعة وكذلک اللجام، وأما السرجر،

فعلی رب الدابة۔<sup>(۱)</sup>

۸..... کسی مقام پر یہ رواج ہو کہ خریدار خرید کر دشمن کی بار برداری کا کراچیہ خود ادا کرے تو خریدتے وقت معاہدہ میں اس قسم کی تصریح نہ ہوتی بھی یہ رواج ایک ایسی شرط شمار ہو گا جیسا کہ اس معاہدہ میں شامل ہو۔

۹..... اجارات کے معاملہ میں یہ اصول بہت کام آتا ہے مثلاً سلامی کے لیے یار نگئے کے لیے کپڑا دیا جائے اور اجرت مقرر نہ کی جائے تو عرف کے مطابق اجرت مقرر کی جائے گی۔

۱۰..... مہربوقت نکاح متعین نہ کیا گیا ہو تو عرف کے مطابق تصور کیا جائے گا۔

## قواعد نمبر (۳۳)

الْمَعْرُوفُ بَيْنَ النَّاجِارِ كَا الْمَشْرُوطِ بَيْنَهُمْ۔<sup>(۲)</sup>

تاجروں میں جوبات معروف ہو چکی ہو وہ بمنزلہ شرط متصور ہو گی۔

## تشریح

تاجروں میں عموماً تحریری معاہدات کم ہوتے ہیں زیادہ تر کاروبار مخصوص کاروباری رواجات، معروفات اور روایات کے تحت انجام پاتا ہے، خرید و فروخت کے معاہدات میں یہ رواجات، معروفات مذکور نہیں ہوتے، لیکن معاہدات کی ضروری شرائط کے طور پر تسلیم کیے جاتے اور قابل نفاذ تصور کیے جاتے ہیں مثلاً قیمت کی ادائیگی کا طریق کار اور وقت بار برداری کے ذرائع و طریقے، مال میں عیب نکلنے پر اس کی واپسی کا طریق کار، مال دیکھنے اور پسند کرنے کے موقع کی فرائیمی، مال کی درجہ بندی، نمونہ، قسم اور درجہ کے لحاظ سے مال کی فرائیمی، مشینوں کے ضروری پر زہ جات اور فاضل پر زہ جات کا تعین وغیرہ۔

(۱) بدانع الصنائع: كتاب الاجارة، فصل في حكم الاجارة، ج ۲ ص ۲۰۹

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱؛ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والأربعون، ص ۲۲۹

## تفریعات

۱..... دو تا جروں نے باہم خرید و فروخت کا عقد کیا اور انعقاد کے وقت بیع کی قیمت کے نقد یا معياری ہونے کی کوئی صراحة نہ کی تو اگرچہ عقد بیع یہ چاہتا ہے کہ قیمت کی ادائیگی نقد کی جائے لیکن اگر تا جروں کی عرف میں یہ مقرر ہو گیا ہو کہ اس قسم کے بیع میں قیمت کی ادائیگی ہفتہ وار قسط پر ہوا کرتی ہو یا ماہانہ ادائیگی پر ہوتی ہو تو اب خریدار پر فوری ادائیگی لازم نہ ہو گی بلکہ ان لوگوں کے عرف و عادات کے مطابق عمل ہو گا اس لیے کہ معروف مشروط کا درجہ رکھتا ہے:

فلو تبایع تاجر ان شيئاً ولم يصرحافي صلب العقد ان الثمن تقدُّ  
أو نسيئة، فعقد البيع وان كان مقتضاها نقد الثمن حالاً، الا أنه إذا  
تعارفوا على أن ذلك الشيء ينوي ثمنه بعد أسبوع أو شهر، لا  
يلزم المشترى اداء الثمن حالاً، وينصرف الى عرفهم وعادتهم في  
الأجل، لأن المعروف بينهم كالمشروط۔ (۱)

۲..... ایسے تمام معاملات جو تجارت سے متعلق ہوں جب ان میں کوئی صراحة موجود نہ ہو تو اس کا فیصلہ بھی تا جروں کے عرف و عادات ہی پر مبنی ہو گا مثلاً دو شخص کھیتی باڑی کا پیشہ کرتے ہوں ان میں سے ایک شخص دوسرے سے مضاربہ کا عقد کرے اور دوسرے کو خرید و فروخت کے لیے نقدر قسم پرداز کرے یا شرکت عنان وغیرہ کا عقد کریں جو کہ ایک تجارتی لین دین ہی ہے تو ان میں بھی اگر کسی امر کی صراحة نہ کی گئی ہو تو مضاربہ یا شرکیک کو مال میں ایسے تصرف کا حق حاصل ہو گا جو تا جروں کے مابین متعارف ہوں مثلاً قرض کا لین دین، تجارت کے لیے سفر کرنا، بضاعت یا ودیعت کے طور پر کسی کو مال دینا یا اجارے پر دینا وغیرہ (یہ سب تا جروں کے عرف پر مبنی ہوں گے) کیونکہ شرکت بھی تجارت

کے متعلقات میں سے ہے لہذا اس میں وہی عرف جاری ہوگا جو تجارت کے درمیان قرار پا گیا ہو:

فلو کان رجلان صنعتها الزراعة، ضارب أحدهما الآخر، ودفع له  
نقداً لبيع ويشتري، أو عقداً شركة عنان أو غيرها، فيما أن هذا  
الصنعة من نوع التجارة، فللهمضارب أو الشريك عند عدم التقيد  
بشيء التصرف في المال ادانة أو سفر به أو ابضاع أو ايداع أو  
استئجار على حسب ما هو المتعارف بين التجار لأن الشركة من  
أعمال التجارة، فتنعقد على عادة التجار، وهذه الأمور من

عاداتهم۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اگر کسی شخص کو اس کے لیے وکیل مقرر کیا گیا ہو اور کوئی قید و کالت اس میں  
مذکور نہ ہو تو مطلق وکالت ہو گی، وکیل کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مؤکل کے مال کو نقد و  
ادھار ایک معین مدت پر فروخت کر دے لیکن یہ مدت اس عرف کے خلاف ایسی (طویل)  
نہ ہو جو وہاں کے تاجروں میں معروف ہے:

فللو وکيل المطلق بالبيع أن يبيع مال موكله نقداً ونسبيه لمدّةٍ  
معروفة بين التجار في حق ذلك المال، وليس أن يبيعه لمدّةٍ  
الطويلة مخالف للعرف والعادة۔<sup>(۲)</sup>

۴.....اسی طرح شرکت کا عقد بھی تجارت کے معاملات کا ایک شعبہ ہے اس میں یہ  
شرط ہے کہ رأس المال (اصل مال) نقد ہو کسی قسم کا سامان نہ ہو، لہذا اگر سونا چاندی کے  
ٹکڑے جو سکہ کی شکل نہ رکھتے ہوں اگر عرف میں شرکت کے عقد میں ان کو رأس المال بنایا  
جاتا ہو تو ان کا رأس المال ہونا صحیح ہوگا، اس کے برعکس سامان کا درجہ رکھیں گے نقد متصور نہ  
ہوں گے اور شرکت صحیح نہ ہوگی:

كذلك الشركة لما كانت من أعمال "تجارة، ويشرط فيها أن

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۱، ۱۰۲

(۲) شرح المجلة: عن ۱۰۲

يكون رأس المال من النقود، ولا يصح أن يكون عروضاً غير المسكوك من الذهب والفضة إن جرى العرف باستعماله كالنقود، يصح أن يكون رأس مال في الشركة، والا فيكون في حكم العروض فلا يصح۔<sup>(۱)</sup>

### قاعدہ نمبر (۳۳)

التعین بالعرف کا تعین بالنص۔<sup>(۲)</sup>  
عرف عام کے ذریعے کسی قسم کا تعین ایسا ہی متصور ہوگا جیسا کہ صراحت کے ساتھ تعین کیا گیا ہو۔

### نص کا الغوی، اصطلاحی معنی

لغت میں کسی امر کے اظہار کو نص کہتے ہیں، اور اصطلاح شرع میں اس لفظ کو قرآن و حدیث کی عبارت پر بولا جاتا ہے:

يطلق النص لغة على معنى الاظهار وفي اصطلاح الشرع على النص الشرعي وهو القرآن والحديث۔<sup>(۳)</sup>

### شرح

یہ قاعدہ بھی عرف کے شرعی و قانونی حکم کی وضاحت کرتا ہے نص شرعی کے ذریعے طے شدہ بات تطئی الثبوت اور اس پر عمل ضروری ہوتا ہے، اور فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عرف کے ذریعے طے شدہ بات بھی اس طرح واجب العمل ہے جس طرح نص کے ذریعے طے شدہ بات ہو۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۲

(۲) المبسوط: كتاب البيوع، السلم في المسبق والفراء، ج ۱۲، ص ۱۱۰ - مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۰۲

## تفریعات

۱..... مثلاً ایک شخص نے سواری کے لیے گھوڑا عاریٰ لیا ب عاریت پر لینے والے کو یہ حق ہوگا کہ اس پر جس وقت جہاں چاہے سوار ہو کر جائے، لیکن یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسافت دو گھنٹے میں طے کی جاتی ہو اس کو ایک گھنٹے میں طے کرنے کی کوشش کرے کیونکہ یہ عاریت کا عقد اگرچہ مطلق تھا لیکن عرف و عادت کی دلالت اس کو مقيید کر دے گی:

مثلاً إذا أغار رجل دابة على الوجه المذكور، اعتارة مطلقة، فالمستعير له أن يركبها إلى حيث شاء في الوقف الذي يريد له وإنما ليس له أن يذهب بها إلى المحل الذي مسافة الذهاب إليه ساعتان في ساعة واحدة، فإن العقد وإن خرج مخرج الإطلاق لكن كما في البدائع المطلقة يتقييد بالعرف والعادة دلالة۔ (۱)

۲..... اگر کسی چیز کی قیمت میں رواجا بار برداری کا خرچہ شامل کیا جاتا ہو تو ایسا ہی نافذ کیا جائے گا، رواج اگر وہ قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو تو نص کا درجہ رکھتا ہے۔

۳..... اگر کسی جگہ مختلف کرنیاں رائج ہوں اور ان کی مالیت اور رواج مختلف ہو اور کوئی شخص دراهم اور دناریں کے بد لے کوئی چیز خریدے تو اس معاملے کو اس کرنی کی طرف پھیر دیا جائے گا جس کا رواج وہاں ہوگا:

التعيين بالعرف كالتعيين بالنص كمن اشتري بدر اهم مطلقة  
ينصرف الى نقد البلد۔ (۲)

## قاعدہ نمبر (۲۵)

إِذَا تَعَارَضَ الْمَائِنُ وَ الْمُقْتَضِيُّ يُقْدَمُ الْمَائِنُ۔ (۳)

جب مانع اور مقتضی میں تعارض ہو تو مانع کو مقدم کیا جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۳

(۲) المبسوط: كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ج ۲ ص ۱۵۲

(۳) الأشباه والنظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۱۷ مجلـة الأحكـام العـدلـية: ص ۲۱

## شرط

کسی ایک ہی کام کے سلسلے میں دو باتیں اس طرح نکلا جائیں کہ ایک بات اس کام سے روکتی ہو اور دوسری بات اس کا تقاضہ کرتی ہو تو روکنے والی بات کو اہمیت دی جائے گی ہاں اگر کسی اور دلیل سے مقتضی کی تائید ہو جائے تو پھر اس کی اہمیت بڑھ جائے گی۔

## تفريعات

۱..... ہمارے زمانے میں عورتوں کو جماعت کی نماز میں شرکت کے لیے مساجد میں جانے سے منع کر دینا اسی قباعدے کے پیش نظر واقع ہوا ہے اس لیے کہ فساد زمانہ منع کرنے کا مقتضی ہے، اور (ایک مسلمہ عورت کا) مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اس امر کا مقتضی ہے کہ عورتیں مساجد میں جائیں چنانچہ مانع کو مقدم کر دیا گیا:

وَهذِهِ الْقَاعِدَةُ قَدْ تَجَرَّى فِي الْعِبَادَاتِ، وَيُخْرُجُ عَلَيْهَا مَنْعُ النِّسَاءِ

عَنِ الْمَسَاجِدِ لِصَلْوَةِ الْجَمَاعَةِ فِي زَمَانِنَا، فَإِنَّ الْمَانِعَ وَهُوَ فَسَادٌ

الْزَمَانِ يَقْتَضِيُ الْمَنْعَ، وَأَدَاءُ الصَّلَاةِ فِي الْمَسَاجِدِ مَعَ الْجَمَاعَةِ

يَقْتَضِيُ الْفَعْلَ، فَيُقْدَمُ الْمَانِعُ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جب زوجہ حیض کی حالت میں ہوتواں کی جماعت کا اذیت ہونا منصوص علیہ ہے جو مانع کو چاہتا ہے اور موجودہ زوجیت کا تعلق جماعت کا مقتضی ہے، چنانچہ مانع کو مقدم کیا گیا بھی صورت اس وقت بھی ہوگی جب شوہر اور زوجہ دونوں حالت احرام میں یا ان میں سے کوئی ایک حالت احرام میں ہو:

وَالزَّوْجَةُ إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَالْأَذِي المَنْصُوصُ عَلَيْهِ يَقْتَضِيُ الْمَنْعَ،

وَالزَّوْجِيَّةُ الْقَائِمَةُ تَقْتَضِيُ الْأَنْتِيَانَ، فَيُقْدَمُ الْمَانِعُ، وَكَذَلِكَ كَانَ

أَحَدُهُمَا أَوْ كُلَّهُمَا فِي حَالَةِ الْإِحْرَامِ۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ہر مالک اپنی مملوکہ شی میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لیکن جب غیر کا حق اس سے متعلق ہو تو پھر مالک کو مستقل طور پر تصرف کرنے سے روک دیا جائے گا، مثلاً ایک شخص کسی مکان کی تھتی نزل کا مالک ہو اور دوسرا شخص فو قانی نزل کا، لہذا اس صورت میں ہر شخص کا حق اس بیکان سے متعلق ہے چہت کا محفوظ رہنا تھتی نزل والے کا حق ہے اور استقرار فو قانی نزل والے کا حق ہے اب ان دونوں میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کر سکتا ایک دوسرے کی بغیر اجازت کوئی ایسا تصرف کریں جو دوسرے کے لیے مضر ہو، نہ یہ کر سکتا ہے کہ قصداً عمارت کو نہدم کرے، اب یہاں دونوں شخصوں کا مالک ہونا یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی اپنی ملک میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، لیکن ہر ایک کے حق کو دوسرے کی ملکیت سے متعلق ہونا بلا اجازت ہر قسم کے تصرف سے منع ہے اس لیے منع کو مقدم کیا جائے گا:

ان کلا يتصرف في ملكه كيف شاء، لكن إذا تعلق حق الغير،  
يمنع المالك من تصرفه على وجه الاستقلال، كسفل لرجل  
وفوقانية لآخر، فلصاحب الغوث قانى حق القرار في التھتاني،  
ولصاحب التھتاني حق السقف في الفوقاني بتستره من الشمس  
وتحفظه من المطر، وليس لأحدهما أن يفعل شيئاً مضرًا إلا باذن  
الآخر، ولا أن يهدم بناء نفسه تكل منهما وإن كان اعتبار كونه  
مالكًا يقتضي التصرف كيف يشاء، إلا فعلى حق كل بما في ملك  
الآخر منع فيقدم - (۱)

۴..... عدالت میں پیش ہونے والے شاہدوں کے حق میں ان کے حالات کا جائزہ لینے والوں میں سے بعض نے شاہدوں کو عادل بیان کیا اور بعض نے ان کو مجروح ظاہر کیا، اس وقت حاکم ان کی شہادت پر فیصلہ نہ دے گا، چنانچہ اظہار عدالت کا اقتضاء یہ ہے کہ ان کی شہادت مقبول ہو اور جرح اس سے منع آتی ہے، چنانچہ جرح کو تعديل پر مقدم کیا جائے گا:

إذا عدل بعض المزكين الشهود، وجرحهم بعضهم، يرجح طرف الجرح فلا يحكم الحكم بشهادتهم، فالتعديل يقتضي القبول، والجرح يمنع، فيقدم المانع۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر کوئی شخص اپنی زمین سے گھاس کاٹنے کے لیے کسی دوسرے کی زمین سے گزرنا چاہے اور اس گزرنے والے کے لیے اپنی زمین میں داخل ہونے کا دوسرا راستہ موجود و ممکن ہے تو دوسرا شخص اس کو اپنی مملوکہ زمین میں گزرنے سے روک سکتا ہے جس طرح چشمہ یا کنویں سے پانی لانے کی صورت میں، اس لیے کہ پانی اور گھاس چارے کی ضرورت، ایک امر مباح کی ضرورت ہے جو یہ چاہتی ہے کہ اس کے حصول میں کسی شخص کی زمین سے گزرنا جائز ہو، لیکن جب جانے والوں کے لیے کسی شخص کی مملوکہ زمین سے گزرنے کے مساوا کوئی دوسرا راستہ بھی ممکن ہو تو اب اس زمین سے گزرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جب تک زمین کا مالک اجازت نہ دے دے اس سے گزرنا جائز نہ ہوگا اور مانع کو مقدم کیا جائے گا:

كذلك صرحوا بأنه إذا أراد أحد دخول أرض مملوكة لاحتشاش الكلا فإن كان يجده في مكان آخر، يمنعه صاحبها من الدخول كالماء في الآبار، لأن الضرورة إلى الماء أو الكلام المباح، يقتضي الدخول، لكن وجوده في مكان آخر لا يحوجه إلى الدخول في أرض الغير بدون اذنه يقتضي المنع، فيقدم المانع۔<sup>(۲)</sup>

۶..... باپ کو بیٹے کے قرض میں قید کرنا جائز نہیں اگرچہ قرض کی ادائیگی باپ کے ذمہ لازم ہے جو اس فعل کے جواز کو چاہتی ہے، لیکن ابوت کا حق اور والدین کے ساتھ احسان سے پیش آنا اور صدر حجی اس فعل (قید کر دینے) سے مانع ہے اس کو جواز پر تقدم حاصل ہوگا:

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۵

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۷

والاب لا يحبس بدين ابنته، لأن الحق اللازم أداءه شرعاً وان  
اقتضاء، لكن حق الأبوة في لزوم البر واجتناب العقوق مانعٌ فيقدم  
المانع۔<sup>(۱)</sup>

.....اگر دوآدمیوں نے مل کر کار و بار شروع کیا تو ایک شریک اپنے دوسرے ساتھی  
کی مرضی کے خلاف مال مشترک میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا اگرچہ اس کا حصہ دار ہونا  
اس بات کا مقتضی یہ ہے کہ وہ تصرف کرے مگر ساتھی کا راضی نہ ہونا یا اس کا نقصان ہو جانا  
اس کے لیے مانع ہے اس لیے مانع کو اولیت حاصل ہوگی۔

## قاعدة نمبر (۳۶)

التَّابِعُ تَابِعٌ۔<sup>(۲)</sup>

تابع تابع ہی شمار ہوگا۔

## شرح

جب کسی چیز کو کسی اور چیز کا تابع بنادیا جائے یعنی اس چیز کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو  
یہ تابع اپنے متبع سے جدا نہیں ہو سکتا بلکہ ساتھ ساتھ ہی رہتا ہے، اس اصل سے ایک اور  
اصول واضح ہوتا ہے اگر متبع نہ رہے گا تو تابع بھی نہیں رہے گا اس اصول کے پیش نظر  
فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر اصل باقی نہ رہے تو فرع بھی باقی نہیں رہے گی اور جب اصل  
ذمہ دار شخص بری ہو گیا تو اس کا ضامن (کفیل) بھی بری ہو جائے گا اس سے یہ کلیہ بھی  
ثابت ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبع سے مقدم نہیں ہو گا بلکہ تابع ہی شمار ہو گا یہی وجہ ہے کہ  
نماز میں مقتدی کے لیے ضروری ہے کہ امام کی اتباع کرے اگر کوئی وجود میں یا کسی اور  
معاملے میں مقتدی نے امام سے پہل کی توجیہ نہ ہو گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۱

(۲) الأشياء والنظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۲۰ - مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

## تفریعات

۱.....اگر کوئی ایسا جانور فروخت کیا گیا جس کے پیٹ میں بچہ تھا تو یہ بچہ اس جانور کی بیع میں شامل ہو گا یعنی اپنی ماں کی بیع میں اس کا تابع ہو گا بیع کا عقد مستقلًا بچہ کے حق میں ضروری نہ ہو گا۔

فإذا بيعت الدابة وفي بطنها حمل، يدخل في البيع تبعًا لأمه، ولا  
يجوز افراده بالبيع۔<sup>(۱)</sup>

۲.....حق سیرابی زمین یا حق مرور، زمین کی بیع میں تبعًا داخل ہو جاتے ہیں ظاہر مذهب یہ ہے کہ بیع میں ان کا وجود مستقلًا تصور نہیں کیا جاتا:

الشرب والطريق، أعني حق المرور فيه لا رقبته، يدخلان في بيع الأرض تبعًا ولا يفردان بالبيع على الأظهر۔<sup>(۲)</sup>

۳.....حمل کے قتل کرنے میں کفارہ نہیں ہوتا اسی طرح اس کی کفایت کر دینے سے لعان کا حکم نہیں ہوتا:

ولا كفارة في قتل الحمل، ولا لعان بنفيه۔<sup>(۳)</sup>

۴.....ہر وہ شئی جو کسی شہر کے عرف میں بیع کے مشتملات میں سمجھی جاتی ہے وہ بغیر ذکر کے بیع میں داخل ہو جائے گی، چنانچہ مکان کی بیع میں بیت الحلاع اور باورچی خانہ وغیرہ داخل ہوں گے، اسی طرح زیتون کے باع غیرچہ کی بیع میں تمام زیتون کے درخت داخل ہوں گے:

ان كل شيء جرى في عرف البلدة على أنه من مشتملات البيع،  
يدخل في البيع من غير ذكر، مثلًا في بيع الدار يدخل المطبخ  
والكلار، وفي بيع حديقة زيتون تدخل أشجار الزيتون۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۷۰۷

(۲) شرح المجلة: ص ۷۰۷

(۳) شرح المجلة: ص ۷۰۷

(۴) شرح المجلة: ص ۷۰۷

۵..... جو چیز بیع کا جزء متصور ہوتی ہو یعنی بیع سے اس کا جدا ہونا قابل قبول نہ ہوتا ہو وہ بھی بیع کی بیع میں داخل متصور ہوگی جیسا کہ قفل کی بیع میں کنجیاں یا شیرخوار بچے والی گائے کا بچہ جودو دھکی غرض سے خریدی جائے قفل اور گائے کی بیع میں بغیر ذکر کے داخل ہوں گے، جیسا کہ قائم رہنے والی الماریاں یا کواڑوں میں فٹ کیے ہوئے قفل وغیرہ اور مکان کے فرش میں لگی ہوئی چیزیں مکان کی بیع میں داخل ہوں گے۔

ما کان فی حکم جزء من اجزاء المبیع ای ما لا یقبل الانفکاك  
عن المبیع نظراً الى غرض المشتری، یدخل فی البيع بدون  
ذکرہ كالقفل یدخل مفتاحه، والبقرة الحلوب لأجل اللبن یدخل  
فلوها الرضیع وكذا توابع المبیع المتصلة المستقرة كالاقفال  
المسممة والدفوف المسممة المعدة لوضع الفرش۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ہر وہ شئی جوز میں سے جوڑ دی گئی ہو وہ بیع میں (بغیر ذکر) کے داخل ہوگی اور جو چیز اگرچہ جوڑی گئی ہو لیکن صرف ایک وقت معین تک کے لیے اس کا دوام اور باقی رکھنا مقصود نہ ہو تو وہ بیع میں داخل نہ ہوگی:

والاصل فی هذا کما فی البدائع: ان کل مارکب فی الأرض  
یدخل، وما لم یرکب فیها اور کب للبقاء بل لوقت معلوم، لا  
یدخل۔<sup>(۲)</sup>

۷..... اگر کسی شخص نے کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو وکیل کے لئے جائز نہ ہو گا کہ اصل مالک کی اجازت کے بغیر آگے کسی اور کو وکیل بنائے اس لیے کہ یہ تابع ہے۔

۸..... اگر کسی نے کسی کی بھیڑیں غصب کر لیں پھر ان سے اون اتار لی اور دو دھبھی حاصل کیا تو وہ نہ صرف بھیڑیں واپس کرے گا بلکہ ساتھ ہی حاصل کردہ منافع بھی لوٹائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۰۸

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۸

- ۹.....رہن قرض کا تابع ہے جب قرض ادا ہو جائے تو رہن ختم ہو جائے گا۔
- ۱۰.....مشین یا گاڑی یا موبائل خریدتے وقت اس کے جوازی پر زے ہیں وہ بیع  
میں شامل رہیں گے اس لیے کہ وہ تابع ہیں۔

## قواعد نمبر (۲۷)

الْتَّابِعُ لَا يُفَرَّدُ بِالْحُكْمِ۔<sup>(۱)</sup>  
تابع کافی صلة متبع سے الگ نہیں کیا جائے گا۔

## شرط

تابع ہمیشہ اپنے متبع کے حکم میں شامل ہوتا ہے اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ متبع  
سے جدا کر کے انفرادی طور پر تابع پر کوئی حکم لگایا جائے۔

## تفريعات

۱.....کسی غلام کا کاتب ہونا یا کھانا پکانا جیسی صفات کے مقابلے میں غلام کی قیمت  
میں سے کوئی حصہ قیمت کا شارنة کیا جائے گا حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے اس شرط پر غلام خریدا کہ  
وہ کاتب یا باورچی ہے اس کے خلاف ثابت ہوا تو اب مشتری پوری قیمت ادا  
کرے گا یا یہ کہ اس کو واپس کر دے گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی قیمت میں کچھ کمی کر سکے) :

كذلك الصفات مثل الخبز والكتابة في العبد لما كانت تابعة  
للمبية، غير مستقلة بنفسها، لا يقابلها شيء من الثمن، حتى لو  
اشترى عبداً بشرط انه خباز أو كاتب، فظاهر بخلافه، أخذه بكل  
الثمن أو تركه۔<sup>(۲)</sup>

۲.....گھوڑے کی بیع میں اس کی زین ولگام وغیرہ یا غلام کے جسم کا مستعمل لباس یا

(۱) الأشباء والنظائر: النوع الثاني من التواعد، ص ۱۲۰ - مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱

(۲) شرح المجلة: ص ۱۰۹

زمین کی بیع میں اس میں قائم شدہ درخت کیونکہ یہ تمام چیزیں بغیر ذکر کے ان اشیاء کی بیع میں داخل ہوتی ہیں، اور ان اشیاء کی قیمت کا کوئی جزء ان کے مقابلے میں کم و بیش نہیں سمجھا جاتا، چنانچہ اگر بیع کے سپرد کرنے سے قبل ان میں سے کوئی چیز ضائع ہو جائے تو بیع کی قیمت بدستور قائم رہے گی:

كَأَكْافِ الْحَمَارِ وَثِيَابِ الْعَبْدِ وَالشَّجَرِ فِي الْأَرْضِ، فَإِنَّهَا تَدْخُلُ فِي  
البَيْعِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ، فَلَا يَقْبَلُهَا شَيْءٌ مِنَ الشَّمْنِ لَوْهَلْكَتْ أَوْ سُرْقَتْ  
قَبْلِ تَسْلِيمِ الْمَبَيْعِ۔ (۱)

۳..... کسی کنویں سے پانی پینے کا حق نہیں یچا جا سکتا کیونکہ یہ اس کنویں کے تابع ہے اگر بکے تو کنویں کے ساتھ ہی بکے گا، اس طرح راستے پر گزرنے کا حق جدا طور پر نہیں فروخت کیا جا سکتا۔

۴..... ماں جبکہ لوٹدی ہو تو پیٹ میں بچے کی جدا طور پر خرید فروخت نہیں کی جاسکتی نہ ہی اس کو ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

۵..... اگر کوئی شخص کسی سے کہہ کہ میری گائے یا بکری جو بچہ دے وہ تمہارا ہو گا تو یہ ہبہ نہیں کھلانے گا بلکہ ہبہ کا وعدہ کھلانے گا جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اور دوسرا شخص اس پر قبضہ نہ کرے ہبہ مکمل نہیں ہو گا۔

۶..... اگر کوئی مشین یا گاڑی وغیرہ فروخت کی جائے تو اس کے لازمی پرزوں کو اس میں شامل سمجھا جائے گا اور ان کا معاملہ الگ الگ طبقے نہیں کیا جائے گا۔

## قواعد نمبر (۳۸)

مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ۔ (۲)

جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس چیز کی ضروریات کا بھی مالک ہو جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۰

(۲) البحر الرائق: کتاب المکاتب، باب مایجوز للمکاتب ان یفعله و مالا یجوز، ۷۸ ص ۵۳  
تبیین الحقائق: کتاب المکاتب، باب مایجوز للمکاتب ان یفعله، ۷۵ ص ۱۵۸

## تشريع

کسی چیز کی ضرورت وہ چیز ہے جن کے بغیر مملوک چیز سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، لہذا جو شخص کسی چیز کا مالک ہوگا تو وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک ہو گا تاکہ اس چیز سے فائدہ اٹھایا جاسکے کیونکہ کسی چیز کی ملکیت سے مقصود ہی اتفاق ہے۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے کسی سے تالا خریدا تو اس میں اس کی چاپیاں بھی داخل ہوں گی اسی قاعدے کے پیش نظر۔

۲..... اگر کسی نے دودھ کے لیے گائے خریدی تو بیج میں اس کا رضیع بھی داخل ہو گا اگر چہ بیج میں اس کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اس چیز کی ضروریات کا بھی مالک ہوتا ہے۔

۳..... اگر کوئی زمین خریدتا ہے تو اس زمین کے اندر جو بھی اشیاء ہوں اس طور پر کہ انہیں اس زمین سے جدا نہ کیا جاتا ہو تو خریدار ان سب کا بھی مالک ہو گا۔

۴..... ایک شخص ایک مکان خریدتا ہے تو وہ اس راستہ کا بھی مالک ہو گا جو اس مکان تک جاتا ہو۔

۵..... جب کوئی شخص ایک مشین یا آلہ کا مالک ہو تو وہ اس کے اندر کے لازمی پرزوں کا بھی مالک ہو گا۔

## قاعدہ نمبر (۳۹)

إِذَا سَقَطَ الْأَصْلُ سَقَطَ الْفَرْعُ۔<sup>(۱)</sup>

اصل کے ساقط ہونے سے اس کی فرع ساقط ہو جاتی ہے۔

---

(۱) الأشباء والنظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۲۱ مجلـة الأحكـام العـدلـية: ص ۲۱

## تشريع

فرع وہ چیز ہوتی ہے جس کا اپنا ذاتی کوئی وجود نہیں ہوتا یا اس کے ذاتی وجود کو قانونی اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ اصل پر بنی ہوتا ہے، تو جس چیز پر اس کی بنیاد ہوتی ہے جب وہ ہی باقی نہ رہے تو فرع کا وجود کس طرح باقی رہ سکتا ہے، لیکن اس کے برعکس ہو سکتا ہے کہ فرع باقی نہ رہے اور اصل باقی رہ جائے اس لیے کہ اصل کا وجود فرع کا محتاج نہیں ہوتا۔

## تفریعات

۱..... اصل کے ذمہ کی براءت سے کفیل کے ذمہ کی براءت لازمی ہو جائے گی، چنانچہ اگر دائن نے اپنے مدیون کو دین سے بری الذمہ کر دیا تو کفیل بھی بری الذمہ ہو جائے گا لیکن اگر کفیل کو بری کر دیا گیا تو اصل بری نہ ہو گا اس کے ذمہ دین بدستور باقی رہے گا:

براءة الأصل توجب براءة الكفيل، ولو أبداً ذمة مديونه

تبراذمة كفيله تبعاً فلا حق له في مطالبة الكفيل ولو أبداً الكفيل

لا يبرأ الأصل لأن الكفيل متفرع على الأصل في الوجود، والا

لا نقلب الفرع أصلاً، وهذا لا يجوز۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر اصل شاہد کے لیے شہادت حاضر ہونے سے کوئی عذر لاحق ہو جائے اور وہ کسی دوسرے شخص سے یہ کہہ کہ تم میری اس شہادت پر شہادت ادا کر دو، اس کے بعد کسی وجہ سے اصل شاہد فاسق ہو جائے یا مثلاً گونگا ہو جائے تو اب فرع کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اس لیے کہ اس کی شہادت اصل کی شہادت کی فرع ہے، اور جب اصل ساقط الاعتبار ہو گیا تو اب فرع بھی ساقط الاعتبار ہو جائی گی:

في باب الشهادة على الشهادة، ما لو كان للشاهد الأصل عذر فحمل

غيره شهادته بأن قال الأصل للفرع: اشهد على شهادتي بكل ذلك،

فحرج الأصل عن أهلية الشهادة لفسق أو خرس مثلاً، تبطل شهادة الفرع، لأنها فرع من شهادة الأصل وبسقوط الأصل يسقط الفرع۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اسی طرح وکیل اپنے مؤکل کی موت یاد یوائی سے معزول ہو جائے گا بشرطیکہ اس کی وکالت سے کسی غیر کا حق متعلق نہ ہو، چنانچہ (معزولی کے بعد) اب وکیل کو تصرف کا حق نہ رہے گا بخلاف وکیل کی موت یاد یوائی کے کہ اس صورت میں مؤکل کے تصرف کا حق باطل نہ ہو گا:

کذلک الوکیل ینعزل بموت موکله او جنونه إذا لم يتعلق بوکالته حق الغیر، فلا یبقى له حق التصرف بخلاف موت الوکیل او جنونه فإنه لا یسقط حق تصرف الموکل فيما وکل به۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح قتل عمد کے مقتول کے ولی کو حض قصاص کے مطالبة کا حق حاصل ہے اور جب تک خود قاتل دیت دینے پر راضی نہ ہو تو لی قصاص کے بد لے دیت کا مطالبه نہیں کر سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قصاص کا دیت کی طرف منتقل ہو جانا ذونوں فریق کی رضامندی پر مبنی ہے لہذا اگر قاتل (جس سے قصاص لیا جانا تھا) اس تراضی سے قبل فوت ہو گیا تو محل قصاص فوت ہو جانے کی بناء پر قصاص ساقط ہو جائے گا، اور اب دیت کا امکان بھی ہمارے نزدیک باقی نہ رہے گا اور اگر زندہ رہا تو تراضی کا امکان موجود رہے گا، خلاصہ یہ کہ اصل (قصاص کے) ساقط ہونے سے اس کی فرع (دیت) ساقط ہو جائے گی:

كذلك ولی المقتول عمدًا له على القاتل حق القصاص عيناً لا غير، وليس له طلب الديمة بدل القصاص من القاتل بدون رضاء عندنا اذا العفو عن القصاص الى الديمة لا يكون الا بالتراضي، فلو مات من عليه القصاص قبل اجراء شيء من ذلك سقط القصاص

لفوات المحل، ولا يبقى امكان للدية عندنا، ولو لم يتمت كان من الممكن التراضي عليها، فبسقوط الأصل وهو القصاص لفوات المحل، سقط الفرع وهو الديمة۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اسی طرح اگر کسی شخص کا غلام غلطی سے کسی پر دست اندازی کر بیٹھے تو تمام کتب مذہب میں متفقاً علیہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس صورت میں آقا کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس جرم کے معاوضہ میں یا تو اس غلام کو دے ڈالے یا یہ کہ اس جرم کی سزا میں جو مال دیا جانا ہو اس وقت کے مطابق وہ مال ادا کر دے، اب اگر اس معاملے سے قبل غلام فوت ہو جائے گا تو آقا سے وہ ضمان ساقط ہو جائے گا اس لیے کہ ضمان فرع ہے جو اصل کے ساقط ہونے سے ساقط ہو گئی:

كذلك العبد إذا جنى على أحد خطاء فكتب المذهب طافحةً بأن الحكم في ذلك هو الخيار للمولىٰ إن شاء دفعه بالجناية، وهذا هو الأصل على الصحيح كما في الدر المختار، وإن شاء فداء بارش الجنائية حالاً، فلو مات العبد قبل ذلك، سقط الأرش عن المولىٰ لأنه فرع وقد سقط بسقوط الأصل۔<sup>(۲)</sup>

(۶) کسی فوجداری جرم میں ماخوذ ملزم دوران ساعت ضمانت پر رہا ہو تو مقدمہ میں بری ہونے پر اس کا ضامن بھی بری الذمہ ہو جائے گا۔

## قواعد نمبر (۵۰)

السَّاقِطُ لَا يَعُودُ كَمَا أَنَّ الْمَعْدُومَ لَا يَعُودُ<sup>(۳)</sup>  
جس طرح معدوم کا اعادہ نہیں ہوتا اس طرح ساقط شدہ کا اعادہ نہ ہو سکے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۲

(۲) شرح المجلة: ص ۱۱۷

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الخمسون، ص ۲۶۵

## تشريح

وہ حقوق جو سقوط کو قبول کرتے ہیں جب ساقط ہو جائیں تو دوبارہ نہیں لوٹتے یعنی پھر ان کا مطالبه نہیں کیا جا سکتا البتہ ایسے حقوق جو سقوط کو قبول نہیں کرتے وہ ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتے، مثلاً والد کا ولایت نکاح کا حق، وارث کا حق وراثت، اگر وارث خود اپنا حق وراثت ساقط کر دے تو بھی ساقط نہیں ہوتا۔

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص نے نقد قیمت پر کوئی شئی کسی دوسرے کو فروخت کی تو قیمت کی وصولی تک اس کو میمع کر رکنے کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر بالآخر نے میمع کو مشتری کے قبضہ میں دے دیا تو اب اس کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ میمع کو مشتری سے واپس لے کر قیمت کی وصولی کے لیے اپنے قبضہ میں رکھے:

فلو باع بثمن حال فللبائع حق حبس المبيع حتى يقبض جميع

الثمن لكن لو سلمه للمشتري قبل قبض الثمن سقط حق حبسه،

فليس له أن يسترد له من المشتري ليحبسه حتى يقبض الثمن۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر کسی شخص نے دیکھے بغیر کوئی چیز خریدی اور پھر اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ قطعی فروخت کر دیا یا کرایہ پر دے دیا تو اس کا خیار ساقط ہو جانا چاہیے، اب اگر (اس کی اپنی میمع میں) خیار عیب کی بناء پر وہ شئی واپس کی گئی یا اس نے رہن سے اس شئی کو چھڑا لیا کرایہ کی مدت ختم ہو گئی تو اس کا ساقط شدہ اختیار واپس نہ لوٹے گا، اس لیے کہ ”الساقط لا يعود“ اسی طرح ہر وہ خیار جو کسی شرعی استغاط کے ذریعہ ساقط ہوا ہو، خواہ عقد میمع ہو یا عقد نکاح یا عقد شفعہ یا اور کوئی عقد تو سقوط کے بعد واپس نہ لوٹے گا:

كذلك من اشتري شيئاً قبل أن يرآه إذا باعه بانا أو رهنه أو آجره

سقط خياره فلو حكم عليه بالرد بخيار عيب أو هو افتكه من المرتهن أو انقضت مدة الإجارة لا يعود خياره لأن الساقط لا يعود و هكذا كل خيار إذا سقط بمسقطه الشرعي سواء كان في بيع أو نكاح أو شفعة أو غيرها، لا يعود بعد السقوط۔<sup>(۱)</sup>

۳.....ایک شخص اپنے مدیون سے اپنے دین کے بعض حصہ پر قبضہ کر کے باقی کے حق میں صلح کر لی تو یہاں بعض حق کے وصول کے بعد باقی بعض حصہ سے بری کر دینا تصور کیا جائے گا یا یہ کہ ایک پورے مکان کا دعویٰ کرنے کے بعد مکان کے نصف حصہ کو لے کر باقی کو چھوڑ دینے پر صلح کرے تو یہ بعض جز دعویٰ کو وصول کرنے کے بعد باقی بعض حصہ کا ساقط کر دینا متصور ہوگا، چنانچہ ان دونوں صورتوں میں اسقاط کے بعداب (باقی میں دعویٰ کا) حق واپس نہ لوٹ سکے گا اس لیے کہ قاعدہ ہے، الساقط لا يعود۔

كذلك الصلح الذى فيه معنى الاستقطاع لا المعاوضة، كما لو صالح على أقل من جنس حقه من الدرامم أو الدنانير أو غيرهما من المثلثيات، يعتبر استيفاء لبعض حقه وابراء عن الباقى وكما لو صالح عن دعوى دار على نصفها يكون استيفاء لبعضها واستقطاً وابراء عن الدعوى فى باقيها فهذا النوع من الصلح ليس لأحدهما أو كليهما نقضه لأن الساقط لا يعود۔<sup>(۲)</sup>

۴.....اسی طرح جب طالب (مطلوب پر) ملک کا صدقہ کر دے یا یہہ کر دے خواہ یہ مال کفیل کے ذمہ ہو یا اصل کے ذمہ تو کفالہ ساقط ہو جائے گا اور مال لازم نہ رہے گا؛ كذلك إذا وهب الطالب المال أو تصدق به، سواء كان على الأصل أو الكفيل تسقط الكفالة ويسقط المال۔<sup>(۳)</sup>

۵.....اگر کسی شخص کے پانی جاری ہونے کا یاراستہ گذر نے کا کسی دوسرے کی زمین

(۱) شرح المجلة: ص ۱۱۸ (۲) شرح المجلة: ص ۱۱۹ (۳) شرح المجلة: ص ۱۱۹

میں حق تھا اور اس شخص نے اس حق کو ساقط کر دیا یا میں کے مالک کو اس گذرگاہ پر کسی تعمیر کی اجازت دے دی تو اب اس شخص کا حق ساقط ہو جائے گا:

کذلک لو کان لأحد حق مسیل او مرور فی أرض الآخر فاسقط حقه من ذلك أو أذن لصاحب الأرض أن يحدث بناء على ذلك الممر، سقط حقه۔<sup>(۱)</sup>

۶..... اگر ورثاء اپنے مورث کی وصیت کے ایک تھائی مال سے زائد مقدار میں جاری ہونے کی اجازت دے دیں تو اس زائد میں ان کا حق ساقط ہو جائے گا اور اس اجازت کے بعد ان کو رجوع کرنے کا حق باقی نہ رہے گا:

ان الورثة لو أجازوا الزائد على الثالث من وصية مورثهم سقط حقهم المتعلق بالزائد، فلا يصح رجوعهم عن الإجازة لأن الساقط لا يعود۔<sup>(۲)</sup>

۷..... ایک غلام کسی کے پاس رہن تھا اس کو کسی آزاد شخص نے عمدًا قتل کر دیا، راہن اور مرتہن قصاص کے مطالبہ میں متفق نہ ہوئے یعنی ان دونوں میں کسے ایک شخص نے قصاص کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے اس کی مخالفت کی، چونکہ اس حالت میں یہ اشتباه پیدا ہو گیا ہے کہ غلام کا ولی کون ہے آیا راہن ہے جو کہ غلام کی ذات کا مالک ہے یا مرتہن ہے جس کو ملکیت قبضہ حاصل ہے، اس لیے حاکم یہاں عدم قصاص کا فیصلہ کرے گا پھر فیصلے کے بعد اگر راہن نے دین ادا کر دیا تو اب مرتہن کا حق ساقط ہو گیا، اور قصاص کا ساقط شدہ حکم دوبارہ عودہ کرے گا:

ومن فروعها أن العبد المرهون لو قتله حر عمداً و كان الراهن والمرتهن غير متفقين على طلب القصاص بأن طلب أحدهما القصاص و خالقه الآخر، فللاشتباہ في وليه هل هو الراهن لكونه

المالك رقبة، أم المرتهن لكون ملك اليده، فالحاكم يحكم بعدم

القصاص ثم بعد الحكم لو قضى الراهن الدين حتى زال حق

المرتهن في الرهن، لا يعود القصاص لأن الساقط لا يعود۔ (۱)

۸..... اگر کوئی مقتول کسی محلے میں پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکا ہو تو قسامت اور

دیت اہل محلہ پر ہوگی، اب اگر مقتول کا اولی اہل محلہ سے دیت صراحةً یا دلالۃً معاف کر دے

مثلاً کسی ایسے شخص پر دعویٰ کردے جو اہل محلہ میں سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ عمل اس بات

پر دلالت کرے گا کہ اس کے نزدیک اہل محلہ کو مقتول کے قتل میں کوئی دخل نہیں ہے جس

سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ یہ لوگ قسامت اور دیت سے بری ہیں، تو اب اس کے بعد

مقتول کے ولی کا دعویٰ اہل محلہ پر قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ ”الساقط لا يعود“

ومنها ما صرحو ابه في باب القسامة من أنه لو وجد قتيل في محله

ولم يعلم قاتله أن القسامة والديمة على أهل المحله، فلو أن ولی

القتيل أبراً أهل المحله ابراً صريحاً بقوله أبرات أو عفوت أو

أسقطت صح الدعوى يكون نفياً للقتل عن أهل المحله، فيتضمن

براءتهم عن القسامة والديمة، فلا تسمع دعواه عليهم بعد اسقاطها،

لأن الساقط لا يعود۔ (۲)

۹..... اسی طرح اگر شفیع نے اپنا وہ مکان جس کے ذریعہ اس کو شفعہ کا حق حاصل ہو رہا

تھا کسی شخص کے ہاتھ مکان مشفوعہ کی فروخت کے بعد بیع قطعی کر دی جس سے حق شفعہ ساقط

ہو گیا، اور پھر دوسرے وقت میں شفیع کا اپنا مکان کسی عیب یا خیارِ رویت یا خیارِ شرط کی وجہ

سے اس کی طرف واپس ہوا تو اب شفیع کو اس واپسی کے بعد ساقط شدہ حق کی بناء پر شفعہ کا

حق حاصل نہ ہوگا اس لیے کہ ”الساقط لا يعود“، مگر یہ کہ کوئی جدید سبب پیدا ہو جائے:

کذلک لو باء الشفیع دارہ التي یشفع بها بیعاً باتاً بعد شراء

المشتري حتى سقطت شفعته، ثم رجعت الدار الى ملكه بعيب  
بقضاء او بغير قضاء او بخيار رؤية او شرط للمشتري فليس له ان  
يأخذ بالشفعه لأن الحق قد سقط، فلا يعود الا بسبب جديد۔<sup>(۱)</sup>

۱۰..... جب ایک غلام دو شخصوں کے درمیان مشترک ہوا اور ان میں سے ایک شخص  
اپنا حصہ آزاد کر دے درآ نحاکیہ آزاد کرنے والا مالدار شخص ہے تو اب دوسرے شریک کو یہ  
اختیار ہو گا کہ وہ یا تو اپنے شریک سے اپنے حصے کا ضمان (تاوان) لے لے یا یہ کہ غلام سے  
کہے کہ وہ اپنے کسب کے ذریعہ اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے، ان دونوں صورتوں میں  
سے جس کو وہ اختیار کرے تو اس کے بعد دوسری صورت سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا، اور  
پھر اس کی طرف رجوع کرنا اس کے لیے صحیح نہ ہو گا کیونکہ "الساقط لا يعود"

ومن فروعها أن العبد المشترك بين اثنين، إذا اعتقه أحدهما  
وهو موسر، فللشريك الساكت حقٌ في اختيار تضمين المعتقد  
نصفه أو استبعاد العبد ومتى اختار أحدهما سقط اختيار الآخر فلا  
يصح له الرجوع اليه لأنه حق سقط، والساقط لا يعود۔<sup>(۲)</sup>

## قواعد نمبر (۵۱)

إذا بَطَلَ الشَّيْءُ بَطَلَ مَا فِي ضِمْنِيهِ۔<sup>(۳)</sup>  
جب کوئی چیز باطل قرار پا جائے گی تو اس کے لواحقات بھی باطل ہو جائیں گے۔

## تقریبات

۱۰..... اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے اپنا خون تمہارے ہاتھ فروخت کیا

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۰

(۲) رد المحتار: كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر والزرع والشجر، ج ۳ ص ۵۵۷ مجلـة الأحكـام العـدـلـية: ص ۲۱

اس کا یہ قول حقیقت میں اس امر کی اجازت کا حامل ہے کہ قتل کی اجازت دی گئی ہے، لیکن چونکہ خون کی بیع جائز نہیں بلکہ باطل ہے اس وجہ سے اس کے ضمن میں اذن قتل بھی باطل ہو گیا اب (اگر قتل واقع ہوا تو) قصاص واجب ہو گا:

ان قول الرجل لغيره "بعثك دمي" متضمن حقيقة للاذن بالقتل،  
لکن لما بطل بيع الدم، بطل ما في ضمه وهو الاذن فوجب

(۱) القصاص-

۲.....ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنے غلام فروخت کرنے کا وکیل مقرر کیا، وکیل نے اس غلام کو فروخت کر دیا پھر یہ غلام کسی وجہ سے حکمِ حاکم وکیل کو واپس کیا گیا، تو اب اسی وکیل کو دوبارہ فروخت کرنے کا حق حاصل ہو گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وکیل کی اول بیع سے وکالت کا حکم اپنی انتہاء کو پہنچ گیا لیکن چوب کہ واپسی حاکم کے حکم کی وجہ سے عمل میں آئی تو اس سے اول عقد کا حکم زائل ہو گیا یعنی اصل عقد، ہی جاتا رہا اب اس کے ضمن میں وکالت کا ختم ہو جانا بھی باطل ہو گیا، اس لیے وکیل کو دوبارہ بیع کرنے کا حق حاصل رہا:

ومن فروعها مالو وكله يبيع عبدة، فباعه الوکيل ثم رد عليه  
بقضاء قاض، كان له أن يبیعه ثانیاً لأنه بالبیع الأول وان انتهت  
وکالتہ، لكن لما رد عليه بقضاء ارتفع العقد وبطل الأصل، فبطل  
ما تضمنه وهو انتهاء الوکالة، فله أن يبیعه ثانیاً فلو رد عليه بغير  
قضاء ليس له أن يبیعه ثانیاً إلا بتتجدد الوکالة۔ (۲)

۳.....اسی طرح اگر کسی غیر مسلم پر اسلام ظاہر کرنے کا جر کیا گیا تو اس کا اسلام قابل اعتبار نہ ہو گا، اس لیے کہ جبرا قرار کی صحت کو باطل کر دیتا ہے، چنانچہ اقرار کے ضمن میں جو چیز ہے یعنی صحت اسلام وہ بھی باطل ہو جائے گی:

ومنها لو اكرة غير المسلم على أن يقر أنه أسلم، لا يحكم بأسلامه

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۳ (۲) شرح المجلة: ص ۱۲۵، ۱۲۶

لأن الاكراه يمنع صحة الاقرار، وإذا بطل الشيء بطل ما في

ضمنه۔<sup>(۱)</sup>

۳..... جب مرتبتين را، من کو دین سے بری کر دے اور اس کے بعد مرتبتین کے پاس شئی مرحونہ ہلاک ہو جائے تو یہ ایک امانت ہو گئی جو ہلاک ہو گئی جس کا کوئی ضمان مرتبتین پر عامد نہ ہو گا، اس لیے کہ رہن کی ضمان عائد ہونے کی یہ شرط ہے کہ دین مدیون کے ذمہ پر باقی ہو اور نذکورہ صورت میں دین سے بری کر دیا گیا جس کی وجہ سے دین ساقط ہو گیا، لہذا اس کے ضمن میں ضمان کا عائد ہونا بھی ساقط ہو گیا:

وَمِنْهَا لَوْ أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنَ الرَّاهِنَ عَنِ الدِّينِ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهَنُ فِي يَدِ  
الْمُرْتَهِنِ، يَهْلِكُ أَمَانَةً بِغَيْرِ شَيْءٍ لَأَنَّ شَرْطَ كَوْنِ الرَّهَنِ مَضْمُونًا  
عِنْدَ الْهَلاَكِ قِيامُ الدِّينِ، وَقَدْ سَقَطَ بِالابْرَاءِ فَيَسْقُطُ الضَّمَانُ

المبتنى عليه۔<sup>(۲)</sup>

۴..... جب ایک معاہدہ مسروخ ہو جائے تو اس کی تمام شرائط بھی مسروخ ہو جاتی ہیں، کسی دستاویز کے کا عدم قرار پانے پر اس میں شامل ہر چیز کا عدم ہو جاتی ہے۔

## قواعدہ نمبر (۵۲)

إِذَا بَطَلَ الْأَصْلُ يُصَارُ إِلَى الْبَدَلِ۔<sup>(۳)</sup>

جب اصل باطل قرار پاجائے تو اس کا بدل تلاش کیا جائے۔

## شرح

مطلوب یہ ہے کہ جس شئی کا ادا کرنا اصل قرار دیا گیا ہو جب اس کے فوت ہونے پر ادا ممکن نہ رہے تو اب اس کے بدل کی طرف رجوع کیا جائے گا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۶

(۲) شرح المجلة: ص ۱۲۷

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۱ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والخمسون، ص ۲۸۷

اصل میں جس چیز کی ادائیگی لازم ہوتی ہے وہ ادا نہیں کی جاسکتی تو اگر کچھ بھی ادا نہ کیا جائے تو ضرر رسیدہ فریق کے ساتھ انصاف نہ ہو سکے گا اس لیے لازمی ہے کہ اصل کا کوئی بدل ادا کیا جائے۔

## تفريعات

۱..... ایک شخص نے اپنا مکان مہینے کے شروع میں ایک سال کے لیے کرایہ پر ایک مقرر مقدار ماہواری کے عوض دیا، اس وقت اس مدت کی ابتداء چاند دیکھنے سے ہو گی خواہ کچھ ایام کم ہی کیوں نہ رہ جائیں، اور اگر یہ معاملہ مہینے کے درمیان منعقد ہوا تو پھر تمیں یوم کے حساب سے مہینہ شمار کیا جائے گا کیونکہ مدت کے تقریر کے لیے چاند کا دیکھنا اصل ہے، لیکن جب مہینے کے درمیان میں اجارہ کا عقد منعقد ہوا تو چاند سے ابتداء کرنا ممکن نہ رہا اس لیے اس کے بد لے ایام سے حساب لگایا جائے گا:

لَوْ أَجْرَ دَارَةً سَنَةً كُلَّ شَهْرٍ بِكَذَا وَكَانَ الْعَدْ فِي ابْتِدَاءِ الشَّهْرِ

تَعْتَبَرُ الْمَدْةُ بِالْأَهْلَةِ وَإِنْ نَقَصَ بَعْضُ الشَّهْوَرِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي ابْتِدَاءِ الشَّهْرِ يَعْتَبَرُ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَيْنِ يَوْمًا لِأَنَّ اعْتِبَارَ الْأَهْلَةِ هُوَ الْأَصْلُ، لِكَنْهُ لَمْ يَصَادِفْ الْعَدْ أُولَى الْهَلَالِ فَيُرْجَعُ إِلَى اعْتِبَارِ

الْأَيَّامِ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اسی طرح جب مهر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف واقع ہو جائے تو وہاں مهر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا جو بدل ہے:

وَكَذَا تَحْكِيمَ مَهْرِ الْمَثَلِ لِلأَخْذِ بِقَوْلِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ إِذَا اخْتَلَفَا فِي

مقدار المهر۔<sup>(۲)</sup>

۳..... کسی شخص نے کسی کی بکری غصب کی پھر وہ مرگی یا وہ ذبح کر کے اس کو کھا گیا تو

اس کا بدل دیا جائے گا یا تو اس جیسی دوسری بکری یا اس بکری کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔  
 ۳..... زید نے عمر و کے پاس گھڑی رہن رکھوائی عمر و کے پاس وہ گھڑی ضائع ہو گئی  
 اب اگر وہ مثلی اشیاء میں سے ہے تو مثل لازم ہو گا ورنہ قیمت لازم ہوگی۔

## قواعدہ نمبر (۵۳)

**يُغْتَفِرُ فِي التَّوَاعِدِ مَا لَا يُغْتَفِرُ فِي غَيْرِهَا۔** (۱)

تواعِد میں جو امور قابل نظر انداز ہوتے ہیں وہ غیر تواعِد میں اس قابل نہیں  
 ہوتے۔

## تفريعات

ا..... مسلمان شراب کا نہ تو قصد اماں ک ہو سکتا ہے نہ کسی کو مالک بن سکتا ہے، لیکن کبھی  
 ایسا ہوتا ہے کہ ضمناً ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، مثلاً ایک دار اسلام کے شہری غیر مسلم نے  
 دوسرے اس قسم کے شخص سے شراب یا خزر خریدے اور اپنے لیے تین دن کا خیار شرط رکھا،  
 ہمارے دواموں کے قول پر جب مشتری نے اپنے لیے خیار رکھا تو وہ عقد کے بعد اس مبلغ کا  
 مالک ہو جاتا ہے، اب اگر ان دونوں اشیاء پر قبضہ کرنے کے بعد یہ اسلام لے آیا تو عقد بیع  
 لازم ہو جائے گا اور یہ اشیاء اس کی ملکیت ہوں گی اور اس پر یہ واجب ہو گا کہ ان کا سرکہ  
 بنالے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک مسلم قصد ان اشیاء کا مالک نہیں ہو سکتا لیکن ضمناً ملکیت  
 حاصل ہو جاتی ہے:

كذلك المسلم لا يجوز له تملك الخمر ولا تمليلها قصداً لكن  
 قد يثبت له التملك ضمناً كما لو اشتري ذمي من ذمي خمراً أو  
 خنزيرًا على انه بالخيار ثلاثة ايام، فعلى قول الامامين بأن المبيع

(۱) رد المحتار: كتاب الطلاق، باب تقويض الطلاق، ج ۳ ص ۳۱۸: شرح القواعد، الفقهية: القاعدة  
 الثالثة والخمسون، ص ۲۹۱

يدخل في ملك المشتري إذا كان الخيار له، لو أسلم بعد قبض

المبيع لزم العقد والخمر ملك له وعليه أن يخللها، فقد ثبت

الملك له ضمناً ولا يجوز قصداً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اوں نہیں خریدے گا پھر اس نے بھیڑ خریدی جس کے جسم پر اوں کے بال موجود تھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اس لیے کہ اوں بھیڑ کی خریداری میں تبعاً حاصل ہوئی ہے قصد انہیں خریدی گئی:

كذلك لو حلف لا يشتري صوفاً فاشترى شاة على ظهرها صوف لم

يحيث لأن الصوف دخل في البيع تبعاً للشاة لقصد، فاغتفر فيه،

فإن دخل مقصوداً يحيث۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اینٹیں یا لکڑیاں نہیں خریدے گا پھر اس نے مکان خریدا تو حانت نہیں پہنچا اس لیے کہ بناء (یعنی اینٹیں یا لکڑیاں وغیرہ) بیع میں تبعاً داخل ہیں، یہ عقد بیع میں مقصود اصلی نہیں ہیں:

ومنه لو حلف لا يشتري آجرا أو خشبافاشترى داراً لم يحيث لأن

البناء يدخل تبعاً بدون تسمية فلم يكن مقصوداً بالعقد۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اگر مال مسروقة ایسی شئی ہو جس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن اس کا تابع ایسی اشیاء میں سے ہو جن کی چوری میں قطع یہ ہوتا ہو تو اس صورت میں تابع کی وجہ سے قطع یہ نہ ہو گا اس لیے کہ وہ ایسی شئی کا تابع ہے جس میں قطع نہیں ہو سکتا لہذا یہاں تابع کا حکم معافی میں شمار ہو گا مثلاً ایک شخص نے مصحف چوری کیا جس کی جلد یا قوت وغیرہ سے مرصع تھی (اور اس کی مقدار چوری کے نصاب کو پہنچتی تھی) تو امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ مصحف متبع ہے اور یا قوت (یا سونا چاندی) تابع ہے، متبع میں قطع یہ واجب نہیں، چنانچہ یا قوت اگر منفرد طور پر چوری کیا جاتا تو اس میں قطع یہ

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۲ (۲) شرح المجلة: ص ۱۲۲ (۳) شرح المجلة: ص ۱۲۲

واجب ہوتا لیکن یہاں مصحف کا تابع ہونے کی حیثیت سے قطع یہ معاف کر دیا گیا:  
لو کان المسرور المتبوع لا یوجب القطع، لکن معه تابع یوجب  
القطع، یغتفر فی التابع لتبعته لما لا یوجب القطع فلو سرق  
مصحفًا مرصصًا بالياقوت، لا یقطع عند الطرفين لأن المصحف  
متبوع و سرقته لا توجب القطع، والياقوت وان كان لو انفرد  
یوجب القطع لكن بتبعيته للمصحف اغتفر فيه فلا قطع۔<sup>(۱)</sup>

۵..... جب کوئی غیر مسلم اسلام لائے تو اس کے چھوٹے بچوں پر اس کی اتباع کی بناء  
پر اسلام کا حکم دیا جائے گا، لیکن جب وہ بالغ ہوں اور غیر مسلم ہونے کا اظہار کر دیں تو ان  
لوگوں پر اسلام لانے کے لیے جبر کیا جائے گا، لیکن (مرتد تصور کر کے) قتل نہیں کیا جائے گا  
اس لیے کہ ان کا اسلام ان کے باپ کی اتباع میں ثابت ہوا تھا (مستقلانہ تھا):

کذلک غیر المسلم إذا أسلم وله أولاد صغار حتى حكم بأسلمه  
تبعًا لابيهم، ثم بلغوا غير المسلمين يجبرون على الإسلام ولا  
يقتلون لأن اسلامهم كان بحكم التبعية لا بالاصالة۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اسی طرح درخت اور عمارت شفعہ میں تبعًا داخل ہو جاتے ہیں لیکن مستقلًا ان  
میں شفعہ نہیں ہو سکتا:

كذلك الشجر والبناء يدخلان في الشفعة تبعًا للأرض، ولا شفعة  
فيهما بالانفراد۔<sup>(۳)</sup>

## قواعد نمبر (۵۳)

يغتفرُ فِي الْبَقَاءِ مَا لَا یُغتَفَرُ فِي الْإِبْتِدَاءِ۔<sup>(۴)</sup>  
جو امراء بدایم قابل معافی نہیں وہ انتہاء میں قابل معافی ہوتا ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۳      (۲) شرح المجلة: ص ۱۳۳      (۳) شرح المجلة: ص ۱۳۳

(۴) رد المحتار: کتاب الصلاة، باب الامامة، ج ۱ ص ۵۷۵      مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲

## تشريع

معاملات میں جب کچھ طے کرنا ہو تو بہت سے لوازمات کا لحاظ کرنا ضروری ہوتا ہے، مگر کوئی چیز طے پا جانے کے بعد پھر اس کو باقی رکھنے کا معاملہ ہو تو کچھ نرمی برتی جائے گی تاکہ قائم شدہ چیز کو حتی الامکان باقی رکھا جاسکے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابتداء کرنے سے باقی رکھنا کچھ آسان ہوتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ حالتِ بقاء میں چشم پوشی کری جاتی ہے اور ابتداء میں اپا نہیں کیا جاتا۔

## تفریعات

ا..... سات آدمیوں نے شریک ہو کر قربانی کے لیے اونٹ خریدا، اس کے لیے یہ شرط ہے کہ ان تمام افراد کی نیت تقربہ الی اللہ کی ہو اگر ان میں کسی ایک شخص کی نیت مخفی گوشت حاصل کرنا ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی، چنانچہ اس شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب ان اشخاص نے اونٹ خریدا اس کے بعد قربانی کرنے سے قبل ان افراد میں سے کسی کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد اس کے ورثاء نے اس قربانی کی منظوری دے کر قربانی کر دی، یہ قربانی احساناً جائز ہوگی لیکن قیاساً جائز نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ میت کی جانب سے قربانی صحیح نہیں ہوا کرتی پس جب اس کی طرف سے صحیح نہ ہوئی تو باقی شرکاء کی طرف سے بھی صحیح نہ ہوگی کیونکہ خون بہانے کا تجزیہ نہیں ہو سکتا، اور احساناً کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کی موت تقربہ الی اللہ کے حصول کا مانع نہیں ہوتی لہذا جب اس کی جانب سے جانور کو ذبح کیا گیا یہ میت کے حق میں تقربہ کا ذریعہ بنے گا، اس طرح دیگر شرکاء کے حق میں جواز کا حکم ہوگا اور جو امر ابتداءً جائز نہ تھا انتہاءً جائز قرار پایا گیا، لہذا انتہاء میں جواز قربانی کا حکم ابتدائی حکم کے مقابلے میں چشم پوشی پر مبنی ہوا، جس کے حق میں یہ قاعدہ بھی جاری ہو سکتا ہے کہ ”الدفع أsehn من الرفع“ دفع کرنا رفع (حکم) کی نسبت سہل ہوتا ہے:

لو اشتراك سبعة اشخاص في بدنة للتضحية يشترط اشتراکهم

أيضاً في نية القرابة، فلو كانت نية أحدهم الذبح لأجل اللحم لا تصح الأضحية في حق الجميع، فعلى هذا لو اشتروا بدنية واتفق نيتهم على أنها للأضحية مثلاً ثم مات أحدهم قبل الذبح، فذبح عنه ورثته جاز استحساناً لا قياساً. وجاه القياس أن الأضحية عن الميت لا تجوز فإذا لم تجز لم تجز في حق شركائه لأن اراقة الدم لا تتجزأ، ووجه الاستحسان أن الموت لا يمنع التقرب عن الميت فإذا ذبح عنه صار نصيبيه للقرابة فلا يمنع جواز ذبح الباقيين، فقد جاز في البقاء مالم يجز في الابتداء فكان الاغتفار في البقاء

شبيها بقاعدة "الدفع أسهل من الرفع".<sup>(۱)</sup>

۲..... بحاجةً هوَنَ غلامٍ كَبِيعٍ ابْتِدَاءً جَاءَ ثُنَبِيسْ هُوَنَگِي اب اس کے فاسد ہونے اور باطل ہونے کے متعلق اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن اگر ایک غلام موجود کو فروخت کیا گیا اور بیع کے انعقاد کے بعد غلام بالع کے پاس سے فرار ہوگیا، اب یہ بیع فاسد نہ ہوگی حتیٰ کہ اگر غلام واپس آگیا اور بالع نے مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع تام ہو جائے گی:

وَمِنْ فَرَوْعَهَا أَنْ بَيْعَ الْعَبْدِ الْآبِقِ ابْتِدَاءً لَا يَصِحُّ، وَهُلْ هُوَ فَاسِدٌ أَمْ باطل - قولان: راجح في الفتح الفساد لكن لو طرأ عليه الإباق عند البائع بعد انعقاده صحيحًا لا يفسد ويغتفر في ذلك حتى لو عاد وسلمه تم البيع.<sup>(۲)</sup>

۳..... جو غلام تصرفات میں پابند ہوا اگر وہ اپنے نفس کو اجرت پر دے دے تو عقدِ اجارہ باطل ہوگا، لیکن اگر غلام (اس اجارے میں) اپنا کام مکمل کر چکا تو قیاساً اس کا یہ تصرف باطل ہونا چاہیے کیونکہ اس غلام کے تصرف سے آقا کے حق میں ضرر ہونے کی بنا پر روكا تھا،

لیکن اب چونکہ (غلام اجرت حاصل کر چکا) اور اس وقت اجرت کے حاصل کرنے میں آتا کافائدہ مضر ہے اس لیے اجارہ صحیح قرار دیا جائے گا:

ومنها أن العبد المحجور إذا أجر نفسه فهذا العقد باطل لكن إذا سليم من العمل فالقياس وإن كان يبطل تصرفه لكن في الاستحسان يصح لأن الحكم ببطلان تصرفه نظر للمولى، والنظر هنا في التصحيح دون الإبطال۔<sup>(۱)</sup>

## قواعد نمبر (۵۵)

البقاءُ أَسْهَلُ مِنَ الابْتِدَاءِ۔<sup>(۲)</sup>

بقاء ابتداء سهل ہوا کرتی ہے۔

## تفريعات

۱..... زوجہ ابتداء عقد نکاح میں مہر کو بالکلیہ ختم کرنے کی مالک نہیں ہوتی لہذا اگر عورت نے عقد نکاح اس شرط پر کیا کہ میرے لیے بالکل مہر نہیں ہو گا تو یہ درست نہیں، اس صورت میں مہر مثل واجب ہو گا، اور اگر مہر کی کسی مقدار پر عقد ہو جانے کے بعد عورت نے زوج سے مہر ساقط کر دیا تو اس کا ساقط کرنا صحیح ہے، اور زوج اس کی وجہ سے مہر سے بری ہو جائے گا۔

۲..... اگر تبايعان نے ابتداء بغیر ثمن کے عقد بیع کیا تو بیع فاسد ہو جائے گی اور اگر عقد بالثمن کیا پھر باع نے مشتری سے ثمن ساقط کر دیا تو یہ ساقط کرنا صحیح ہے اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہو گی۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۶

(۲) المبسوط: کتاب المناسک، باب المحصر، ج ۳ ص ۱۱۶      البحر الرائق: کتاب النکاح، باب نکاح الكافر، ج ۲ ص ۲۲۲

۳..... دو بکریوں کی مجموعی قیمت چھ ہزار روپے رکھی گئی اور ان کی جدا جداقتیمت کا تعین نہیں کیا گیا تو کوئی شخص کہے کہ میں ایک بکری خریدتا ہوں اور جو قیمت بنے گی دونوں گاں کا یہ کہنا عقد بیع کی بنیاد نہیں بن سکتا جب تک کہ پہلے ہر بکری کی جدا گانہ قیمت کا تعین نہ کر لیا جائے لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ کسی نے دو بکریاں مجموعی قیمت دے کر خرید لیں مگر بعد میں ان میں سے ایک بکری کا کوئی اور اصل حق دار نکل آیا تو چوں کہ طے شدہ عقد بیع کو باقی رکھنے کا معاملہ ہے اس لیے شرعی طور پر اجازت ہے کہ مشتری واپس کی جانے والی بکری کی قیمت لے لے اور بکری دے دے تاکہ عقد بیع کو فتح نہ کرنا پڑے۔

## قواعدہ نمبر (۵۶)

لَا يَتِمُ التَّبَرُعُ إِلَّا بِقَبْضٍ۔<sup>(۱)</sup>

کوئی تبرع (بلا معاوضہ بطور احسان دینا) بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتا۔

## شرط

مثلاً یہ کہا جائے کہ آئندہ روز میں نے تم کو اس شئی کا مالک بنایا یا فلاں مہینے کی پہلی تاریخ سے تم کو اس کا مالک بنایا، چنانچہ یہ تبرع کافی اپنی تمام اقسام ہبہ، صدقہ، ہدیہ کی شکلؤں میں اس وقت مکمل ہو گا جبکہ قبضہ کر لیا جائے مخصوص ایجاد و قبول سے عقد تام نہ ہو گا۔

## ماخذ

اس قاعدے کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو بیس (۲۰) وقت کھجوریں ہبہ کی تھیں اپنے مقام غابہ کے مال میں سے لیکن نہ تم نے ان کو جمع کیا اور نہ ان پر قبضہ کیا اب وہ وارثوں کا مال ہے، معلوم ہوا کہ اگر قبضہ سے قبل مالک ہو گئی ہوتی ہے تو یہ کھجوریں خاص ان کی ملکیت ہو جاتیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية، ص ۲۲ شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والخمسون، ص ۲۹۹

ان ابابر الصدیق کان نحلہا جاد عشرين وسقا من ماله  
بالغابة۔ و إنی کنت نحلتك جاد عشرين وسقا فلو کنت جددتیه و

احترزتیه کان لک و إنما هو اليوم مال وارث۔ (۱)

نیز خلافے راشدین کا اتفاق ہے کہ ہبہ بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے:

و قد اتفق أبو بکر و عمر و عثمان و علی علی ان الھبة لا تجوز  
إلا مقبوضة۔ (۲)

### فائدہ

لا تجوز الھبة إلا مقبوضة۔

ہبہ بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، بلکہ حضرت  
ابراهیم النخعی رحمہ اللہ کا قول ہے:

لا تجوز الھبة إلا مقبوضة قلت هذا حدیث منکر لا أصل له بل  
هو من قول ابراهیم النخعی۔ (۳)

لا تجوز الھبة إلا مقبوضة قلت غریب ورواہ عبد الرزاق من قول  
النخعی۔ (۴)

### صحیت قبضہ کی چند شرائط

۱..... تبرع مالک کی صریح اجازت سے ہو مثلاً ”اقبضہ یا اذنت لک بالقبض“ اور  
کبھی اذن بالقبضہ دلالت ہوتا ہے باس طور کہ متبرع علیہ مجلس عقد میں متبرع پر قبضہ کرے  
اور متبرع منع نہ کرے۔

۲..... بوقت قبضہ ملک غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو لہذا اگر کسی نے دابہ ہبہ کیا جس پر

(۱) موطا مالک: کتاب الاقضیۃ، باب مالا یجوز من النحل، ج ۲ ص ۱۰۸۹، رقم الحدیث: ۲۷۸۳

(۲) التمهید لما في الموطا من المعانی والأسانید: حرف الميم، الحدیث الحادی والثلاثون، ج ۷ ص ۲۳۹

(۳) عمدة القاری: کتاب العتق، باب من لم یقبل الهدیة لعلة، ج ۱۳، ص ۱۵۶

(۴) نصب الرایۃ: کتاب الھبة، ج ۲ ص ۱۲۱

بوجھ لدا ہو یا ایسا دار ہبہ کیا جس میں سامان ہو اور اس نے اس مشغولیت کے ساتھ متبرع لہ کے پرد کر دیا تو ”لِمْ يَجُزَ الْقَبْضُ“ البتہ اگر وہ سامان متبرع کا ہو تو صحیت قبضہ کے لیے مانع نہیں ہے۔

۳..... متبوض محل قبضہ ہو لہذا اگر بکری کے پیٹ میں جو ہے اس کو ہبہ کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ وہ ولادت کے وقت بچہ اس کے حوالے کرے قبضے کے لئے۔

۴..... متبوض اپنے غیر کے ساتھ مثل جز کے متصل نہ ہو کیونکہ اس صورت میں یہ مشاع کے معنی میں ہو جاتا ہے، لہذا کھیتی بغیر زمین کے اور زمین بغیر کھیتی کے، پھل بغیر درخت کے اور درخت بغیر پھل کے اگر ہبہ کیا و سلمہ جمیعاً لا یجوز القبض۔

۵..... قابض قبضہ کا اہل ہو لہذا مجنون اور صغیر غیر عاقل کا قبضہ جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... جب کسی شخص نے دوسرے کو گاڑی ہبہ کی تو جب تک وہ اس گاڑی پر عملًا قبضہ نہ کرے اس وقت تک مالک نہ سمجھا جائے گا، اگر قبضہ سے قبل فوت ہو گیا تو ہبہ کا المعدوم ہو جائے گا، باقی رہایہ امر کہ کس طرح طے کیا جائے گا کہ اب قبضہ ہو چکا ہے تو اس مقصد کے لیے عرف عام کا لحاظ کیا جائے گا۔

۲..... عاریتاً میں جانے والی چیز کا قبضہ جب تک اصل مالک نہ دے عاریتاً لینے والا اس چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق دار نہیں ہوتا۔

۳..... کسی نے دوسرے شخص کو رقم دے دی کہ میری طرف سے فلاں شخص کو بطور صدقہ دے دو تو جب تک وہ معین شخص اس رقم کو اپنے قبضے میں نہیں لے گا تو اس کا مالک نہیں بنے گا۔

۴..... ایک شخص کسی کو اپنا مکان ہبہ کرے لیکن ہبہ شدہ مکان کا قبضہ نہ دے تو ہبہ تام نہیں ہو گا اس لیے کہ ہبہ کے تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس پر قبضہ دیا جائے۔

(۱) شرح القواعد الفقهیہ: القاعدة السادسة والخمسون، ص ۳۰۰

## قاعدہ نمبر (۵)

الْتَّصَرُّفُ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنْوَطٌ بِالْمَصْلِحَةِ۔ (۱)

رعیت پر تصرف مصلحت عامہ پر بنی ہوگا۔

ماخذ

اس قاعدے کا ماخذ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے جس کو سعید بن منصور نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

میں اللہ تعالیٰ کے اس مال و دولت کا اپنے آپ کو ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں جس طرح یتیم کا سر پرست ہوتا ہے، جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو اس قدر لے لیتا ہوں اور جب خوش حالی ہوتی ہے تو اس کو والپس کر دیتا ہوں، اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے پر ہیز کرتا ہوں:

قال عمر رضي الله عنه انني أنزلت نفسي من مال الله بمنزلة والي

اليتيم و ان احتجت أخذت منه فإذا أيسرت رددته و ان استغنت

استعففت۔ (۲)

شرح

حکمران کو یا انتظامیہ کو عوام پر تصرفات کرنے کا حق ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ حق نہ ہوتا تو زندگی کا کار و بارٹھپ ہو کر رہ جائے، مگر اسلامی نظام قانون کے مطابق نہ تو یہ حق ذاتی ہے کہ کوئی حکمران اس سے محروم نہ کیا جاسکے اور نہ ہی اس میں اتنی وسعت ہے کہ حکمران جو چاہے کرے قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

أطِيعُوا اللَّهَ وَ أطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَئِكُمْ يُنْهَا - (۳)

(۱) الأشیاء والنظائر: النوع الثاني من القواعد، ص ۱۲۲ - مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲

(۲) السنن الكبيرى لمسلمى: كتاب البيوع، باب من قال اذا يقضيه اذا ايسر، بجزء ص ۷، رقم الحدیث: ۱۱۰۱

(۳) النساء: ۵۹

یہ آیت بنیادی اصول بیان کرنے میں جامعیت کی حامل ہے، اس طرح کہ اس میں حکمران کے حق تصرف کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور عوام پر زور دیا گیا ہے کہ وہ اس کے حق تصرف کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے جاری کردہ احکام پر عمل پیرا ہوں۔

اس آیت میں لفظ اللہ اور رسول کے ساتھ لفظ "أطِيعُوا" موجود ہے لیکن "أولِ الأَمْرِ" کے ساتھ لفظ "أطِيعُوا" کا نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اس کو جو حق تصرف حاصل ہے وہ ذاتی نوعیت کا نہیں ہے، بلکہ اگر وہ اللہ اور اس رسول کی شریعت کے مطابق حکم دے گا تو اس کی اطاعت کی جائے گی ورنہ نہیں وہ ذاتی حیثیت میں مطابع نہیں ہے کہ وہ جو کچھ کہہ دے وہی قانون بن جائے اور اس کی پابندی ضروری ہو جائے جیسا کہ سو شلسٹ ممالک میں ہوتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا إِلَيْهِ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ<sup>(۱)</sup>

اس آیت میں لفظ امانت میں وہ تمام ذمہ داریاں بھی مراد ہیں جو کسی ذمہ دار شخص کے سپرد کی جائیں:

ان الأمانات تعم جميع الحقوق المتعلقة بذمهم من حقوق الله

تعالى وحقوق العباد۔<sup>(۲)</sup>

امانت کا لفظ عام ہے جو ان تمام حقوق کو شامل ہے جو ان کے ذمہ ہیں خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں۔

آیت کی تفسیر میں حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان هذا خطاب لولاة الأمر أن يقوموا برعاية الرعية وحملهم على

موجب الدين والشرعية وعدّوا من ذلك تولية المناصب

مستحقها۔<sup>(۳)</sup>

(۱) النساء: ۵۸ (۲) تفسیر ابو السعود: سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۲ ص ۱۹۲

(۳) روح المعانی: سورۃ النساء، آیت نمبر ۵۸ کے تحت، ج ۲ ص ۶۲

یہ حاکموں سے خطاب ہے کہ وہ تمام معاملات میں جمہور کے مفادات کی حفاظت کریں اور انہیں دین و شریعت کے مقتضیات کا پابند بنائیں، امانات میں عہدے بھی شامل ہیں کہ صرف اہل لوگوں کو دیئے جائیں۔

حکمران کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کے نائب، خلیفہ اور امین کی سی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَإِنْ رَأَيْتُمُونِي أَسْتَقْمِطْتُ فَاتَّبِعُونِي وَإِنْ رَأَيْتُمُونِي فَزُغْتُ فَقَوْمُونِي۔<sup>(۱)</sup>  
اگر تم دیکھو کہ میں صحیح کر رہا ہوں تو میری اتباع کرنا اور اگر میری غلطی دیکھو تو  
میری اصلاح کرنا۔

حاکم کا حکم شرعاً اس وقت نافذ العمل ہو گا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو اگر شریعت  
کے خلاف ہو تو نافذ العمل نہ ہوگا:

لَمْ يَنْفَذْ أَمْرًا شَرْعًا إِلَّا إِذَا وَاقَهُ، فَإِنْ خَالَفَهُ لَمْ يَنْفَذْ۔<sup>(۲)</sup>

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو مختلف اعلیٰ مناصب پر مقرر فرمایا تھا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری پر، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عدالت اور خزانے کے لیے اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو زمین کی پیمائش پر مقرر فرمایا، اور روزانہ کا وظیفہ ایک بکری مقرر کیا اور فرمایا میں اللہ کے مال میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ یتیم کا سر پرست ہوتا ہے:

بعث عمار بن یاسر على الحرب وبعث عبد الله بن مسعود على  
القضاء وبيت المال وبعث عثمان بن حنيف على مساحة الأرضيين  
وجعل بينهم شاة كل يوم۔<sup>(۳)</sup>

(۱) المعجم الأوسط: باب الميم، من اسمه منتظر، ج ۸ ص ۲۶۷، رقم الحديث: ۸۵۹۷

(۲) الأشباه والنظائر: ص ۱۲۲

(۳) كتاب الخراج: باب في قسمة الغنائم، ماعمل به في السواد، ص ۳۶

## تفریعات

ا..... ایک شخص کو حکومت کی طرف سے ماہانہ رقم دی جاتی تھی وہ فوت ہو گیا اور اپنے بعد دوڑ کے وارث چھوڑے، ان دونوں لڑکوں نے باہم اس بات پر صلح کر لی کہ محکمہ متعلقہ میں صرف ایک لڑکے کا نام رقم مذکورہ کا اندر ارج کرایا جائے کہ وہ رقم صرف ایک لڑکے کو ملتی رہے اور دوسرا اس میں سے کچھ نہ لے گا بلکہ جس لڑکے کو وہ عطیہ ملے گا وہ دوسرے لڑکے کو (اس کے عوض) کوئی متعین مال دے دے گا تو یہ صلح باطل ہو گی، اور بدل صلح اس کو واپس کر دیا جائے گا اور امام کو یہ حق ہو گا کہ جس کو چاہے وہ عطیہ کی رقم دے دے، اس لیے کہ اس عطیہ کا استحقاق امام کی جانب سے پیدا ہوا تھا اس میں کسی غیر شخص کی رضامندی کو کوئی دخل نہیں ہو گا اور نہ اس کو یہ حق ہو گا کہ اپنی طرف سے کسی کو عطا یا کا حق دار بنادے، البتہ یہ ضرور ہو گا کہ اگر امام یہ رقم کسی غیر مستحق کو دے دے گا تو اس کا یہ فعل ظلم پر ظلم ہو گا کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ ایک معاملے میں ایک مستحق کو محروم کر دے اور غیر مستحق کو حق دار قرار دے دے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال سے جو عطیہ مقرر کیا جاتا ہے وہ غازی سرحدوں کے محافظین اور فقہاء جیسے مستحقین کے لیے ہوتا ہے، حاکم اعلیٰ یا کسی دوسرے شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس شخص کو چاہے دے دے، بلکہ اس میں اس کو مصلحت عامہ پیش نظر رکھنا ہو گی حتیٰ کہ دونوں صلح کر لینے والے لڑکے اگر حاکم کی نظر میں مستحق نہ ہوں تو پھر اس عطیہ کو کسی مستحق کی طرف منتقل کر دے:

رجل له عطاء في الديوان، مات عن ابنيين فاصطلحا على أن  
يكتب في الديوان له من كان له العطاء مالا معلوماً، فالصلح  
باطل ويرد بدل الصلح والعطاء للذى جعل الإمام العطاء له، لأن  
الاستحقاق للعطاء باثبات الإمام لا دخل فيه لرضاء الغير وجعليه،  
غير أن السلطان إن منع المستحق فقد ظلم مرتين في قضية

بحرمان المستحق واثبات غير المستحق في مقامه وجهه أن هذا  
العطاء من بيت المال إنما يصرف لمن يستحقه كالغزاة  
والمرابطين في الشغور والفقهاء لا يجوز للسلطان ولا لغيره أن  
 يجعل ذلك لمن أن يجعل ذلك لمن شاء وأراد بل ينظر في ذلك  
لمصلحة العامة حتى لو كان المتصالحان غير مستحقين، يحول  
العطاء عنهم لأربابه۔ (۱)

۲..... اگر حاکم وقت نے قوم کو شہر کی کسی زمین میں دوکانیں تعمیر کر کے مسجد پر وقف  
کرنے کی اجازت دے دی یا یہ کہ وہ اس زمین سے اپنی مسجد میں اضافہ کر لیں، فقہاء کرام  
نے فرمایا ہے کہ اگر یہ امر عامۃ الناس کے لیے مضر نہیں ہے اور راستے پر گزرنے والوں یا  
کسی دوسری ضرورت کے پورا کرنے میں حارج نہیں ہوتا تو حاکم وقت کا حکم نافذ ہو جائے  
گا با شرطیکہ شہر غلبہ سے فتح کیا گیا ہو لیکن اگر بطریقہ صلح قبضہ میں آیا تھا تو حاکم کا حکم نافذ نہ  
ہوگا، اس لیے کہ جو شہر غلبہ سے فتح ہوتا ہے اس کی ہر چیز غنیمت کامال ہو جاتی ہے جو غنیمت  
حاصل کرنے والوں کی ملکیت ہوا کرتی ہے، اور جو شہر صلح سے قبضہ میں آتا ہے اس کی اشیاء  
مالکوں کی ملکیت میں باقی رہتی ہیں لہذا ان کے اندر حاکم کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس سے  
لازم آئے گا کہ غیر کی ملکیت کو غصب کر کے اس میں تصرف کیا جائے، اور یہ ظلم ہوگا اور امام  
کا فعل مصلحت پر مبنی ہونا چاہیے اور ظلم کو مصلحت نہیں کہتے:

لو أن سلطاناً أذن لقوم أن يجعلوا أرضاً من أراضي البلدة حوانية  
موقوفة على المسجد أو أمرهم أن يزيدوا في مساجدهم، قالوا: إن  
كانت البلدة فتحت عنوة وذلك لا يضر بالهداة والناس ينفذ أمر  
السلطان فيها، وإن كانت فتحت صلحًا لا ينفذ أمر السلطان، لأن  
البلدة إذا فتحت عنوة تصير ملكاً للغانيين، وإذا فتحت صلحًا تبقى

على ملك ملاكه فلا ينفذ أمر السلطان فيها أى لأنه اغتصاب  
ملك الغير وهو ظلم و فعل الإمام منوط بالصلاح، والظلم ليس  
بصلاحه۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اگر کسی محلے میں آگ لگ جائے اور اس کے بھانے کے لیے حاکم وقت کسی  
عمارت کو مالک کی اجازت کے بغیر منہدم کر دے تو ضرر عام کے دفعیہ کی بناء پر یہ حق حاصل  
ہوگا، اور اس کا فعل مصلحت پر مبنی سمجھا جائے گا، بخلاف کسی دوسرے شخص کے اگر وہ بغیر  
اجازت ایسا کرے گا تو ضامن ہوگا:

لو وقع حريق في المحلة فهدم السلطان أو وكيله داراً بلا اذن  
صاحبها لأجل انقطاع الحريق له ذلك لأن له ولائية عامة في صحة  
لدفع الضرر العام فكان في فعله مصلحة، بخلاف ما لو فعل الغير  
ذلك بدون اذن، فإنه يضمن۔<sup>(۲)</sup>

۴.....اگر راستے کو کشادہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو حاکم کے حکم سے ہر شخص  
کی ملکیت کو خرید کر راستے میں شامل کر دینا جائز ہوگا، اس حالت میں اگرچہ غیر پر جبر کرنا  
لازم آتا ہے لیکن چونکہ اس عمل میں مصلحت عامہ ہے اس لیے جائز ہوگا لیکن یہ نہیں ہو سکتا  
کہ اس ملکیت کی قیمت ادا نہ کی جائے:

انه لدى الحاجة يُؤخذ ملك كائن من كان بالقيمة بأمر السلطان،  
ويلحق بالطريق لكن لا يؤخذ مال لم يُؤد له الثمن فهذا وان كان  
جيئراً على الغير لكن فيه مصلحة۔<sup>(۳)</sup>

۵.....حاکم وقت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ اگر شارع عام کا کوئی حصہ ضرورت سے  
زاں ہے اور عموم کو نقصان نہیں پہنچتا تو اس کو فروخت کر دے اور صحیح قیمت حاصل کر کے بیت  
المال میں داخل کر دے، اس کا جواز بھی مصلحت عامہ کے پیش نظر ہوگا اسی حکم پر حکومت کے

دیگر اموال کو قیاس کر لیا جائے کہ بوقت ضرورت و مصلحت ان کو واجبی قیمت پر فروخت کرد یا صحیح ہو گا لیکن یہ جائز نہ ہو گا کہ ان اموال کو زائد نقصان کے ساتھ فروخت کیا جائے:

للسلطان أن يبيع من فضلة الطريق إذا لم يضر بالعامة، لكن

بشن المثل ويضنه في بيت المال، وإنما جاز ذلك لمصلحة العامة،

وعلى هذا المنوال تصرف ناظر أموال الخزينة في بيع مالها، ولو

باع بغير فاحش فالبيع باطل۔ (۱)

## قواعد نمبر (۵۸)

الولايةُ الخاصةُ أقوىٌ مِنَ الولايةِ العامةِ۔ (۲)

ولايت خاصة ولايت عامه سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

## شرح

اسلامی قانون میں ولايت ایسے حق تصرف کو کہتے ہیں جن کی بناء پر ولی اس شخص سے متعلق معاملات میں فیصلے کر سکتا ہے جس پر اس کو ولايت حاصل ہوتی ہے، اس ولايت کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں بنیادی طور پر یہ ولايت یا تو عام ہوتی ہے یا خاص مثلاً حکمران کو اپنی رعایا پر ولايت عامہ حاصل ہوتی ہے جس کی بناء پر وہ رعایا کے معاملات سے متعلق فیصلے کرتا ہے، مگر باپ کو اپنی اولاد پر جو ولايت حاصل ہوتی ہے وہ ولايت خاصة کہلاتی ہے، اس اصول کے پیش نظریہ بات طے شدہ سمجھی گئی ہے کہ ولايت خاصة زیادہ قوی ہوتی ہے بہت ولايت عامہ کے۔

## تفريعات

..... اگر کسی وقف کا متوالی موجود ہو تو اس کے مقابلے میں قاضی کو وقف میں

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۳

(۲) الأشیاء والنظائر: القاعدة السادسة عشرة، ص ۱۵۷ رد المحتار: كتاب الوقف، مطلب قطع الجهات لأجل العمارة، ج ۲ ص ۳۷۳

تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا، اسی طرح قاضی کو وصی کے یا ولی کے موجود ہوتے ہوئے نابالغ کے مال میں یا اس کے نکاح کر دینے میں تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ اگر ان متولیان کی طرف سے کسی خیانت کا وجود ہو تو قاضی کو ان کے معزول کر دینے کا حق حاصل ہوگا جو مگر ان کا ایک شعبہ ہے:

لِيْس لِلْقَاضِي التَّصْرِيف فِي أَمْوَالِ الْوَقْف مَعَ وُجُودِ مَتَولِيهِ وَلَا  
التَّصْرِيف فِي مَالِ الصَّغِيرِ مَعَ وُجُودِ وَصِيٍّ وَلُوْمَةِ قَبْلِهِ وَلَا إِنْكَاجَ  
الصَّغِيرُ أَوِ الصَّغِيرَةُ مَعَ وُجُودِ وَلِيٍّ إِلَّا إِنْهُ إِذَا وَجَدَ خِيَانَةً فَلَهُ حَقُّ  
الْعَزْل۔<sup>(۱)</sup>

۲..... قاضی کو ولی نکاح کی موجودگی میں بیتیم بچے اور بچی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہاں اگر ولی نکاح نہ ہو تو جائز ہے:

إِنَّ الْقَاضِي لَا يَزِدُ وَجْهَ الْيَتِيمِ وَالْيَتِيمَةِ إِلَّا عِنْدَ عَدَمِ وَلِيٍّ لِهِمَا فِي  
النِّكَاحِ۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ولی خاص کے لیے قصاص لینا، صلح علی المال کرنا اور مفت میں معاف کرنا سب جائز ہے لیکن امام عفو کا مالک نہیں، اسی طرح اگر صغیر کا ولی ہو یا وقف کا کوئی اور متولی ہو تو قاضی کے لیے صغیر کے مال اور مال وقف میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قاضی کی ولایت عامہ ہے جبکہ ولی اور متولی کی ولایت خاصہ ہے جو قوی ہے:

وَلِلَّوْلِيِّ الْخَاصِ اسْتِيْفَاءِ الْقَصَاصِ وَالصَّلْحِ وَالْعَفْوِ مُجَانًا وَالْأَمَامُ  
لَا يَمْلِكُ الْعَفْوَ۔<sup>(۳)</sup>

## قاعدہ نمبر (۵۹)

إِعْمَالُ الْكَلَامِ أَوْلَى مِنْ إِهْمَالِهِ۔<sup>(۴)</sup>  
کلام کو با معنی قرار دینا اس کے ہمیل قرار دینے سے زیادہ ہتر ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۳۷ (۲) الأشیاء والنظائر: ص ۱۵۷ (۳) الأشیاء والنظائر: ص ۱۵۷

(۴) الأشیاء والنظائر: القاعدة التاسعة، ص ۱۳۵ / رد المحتار: كتاب الماذون، ج ۶ ص ۱۷۱

## تشریح

کلام کو مہم قرار دینے سے زیادہ بہتر ہوگا کہ اس کا جو مناسب معنی ہو سکتا ہو وہ مراد لیا جائے، اصل کلام کے اندر یہ ہے کہ اس کا حقیقی معنی مراد لیے جائیں گے، اگر حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہ رہے تو کلام کی صحیح کے لیے مجازی معنی مراد لیے جائیں گے اور اگر مجازی معنی مراد لینا بھی ممکن نہ رہے تو اس قاءرے کی روشنی میں حتی الامکان ایک عاقل کے کلام کو محفوظ رکھا جائے خواہ اس کے لیے کوئی صورت اختیار کرنی پڑی، حقیقت ہو یا مجاز یا کوئی دوسرا طریقہ ہو، مگر یہ کہ کسی طرح کا بھی امکان باقی نہ رہے تو اب سوائے لغو قرار دینے کے کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

## تفریعات

ا..... ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار روپیہ ہیں جو کہ شراب یا خزری کی قیمت میں مجھ پر واجب ہوئے ہیں، تو امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے ذمہ ایک ہزار کی ادائیگی لازم ہوگی (یعنی اقرار قابل قبول ہوگا) اور اس اقرار کرنے والے کی یہ وضاحت کہ یہ شراب یا خزری کی قیمت کے سلسلہ میں واجب ہوئے تھے قابل قبول نہ ہوگا، اور امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس شخص کا اقرار باطل ہوگا ان دونوں حضرات کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کا اقرار کیا گیا ہے وہ ایک مسلم کے ذمہ واجب نہیں ہو سکتی یعنی اس کا واجب ہونا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ یہ شراب اور خزری حرام اشیاء ہیں مسلمان کا ذمہ ان کو برداشت نہیں کر سکتا لہذا اقرار باطل ہوگا، اور امام عظیم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے کلام کا ابتدائی حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک ہزار کا قرض دار ہے اس کے بعد اس کا شراب اور خزری کی قیمت ظاہر کرنا گویا یہ اپنے اول اقرار سے رجوع کرنا ہے اور رجوع کرنا صحیح نہیں ہوتا لہذا اقرار اپنی جگہ قائم رہا۔

آپ غور فرمائیں کہ امام صاحب کا قول کتنی ذیقق فکر پر مبنی ہے اس لیے کہ اقرار کرنے

والے کا یہ کہنا کہ یہ دین میرے ذمہ شراب اور خنزیر کی قیمت کی ادائیگی کے سلسلہ میں لازم ہوا ہے، اس کو اقرار سے رجوع قرار دینا اس کلام کو بامعنی قرار دینا ہے اور یہ طریقہ اس طریقے سے بہتر ہے کہ کلام کو ہمہ اور باطل قرار دیا جائے:

لہ علیٰ ألف ثمن خمر او خنزیر لزمه الألف ولا يقبل تفسيره  
عند الإمام الاعظم، وعنهما لا يلزم شیء۔ وجہ قولهما أن  
المقرر به مما لا يتحمل الوجوب في ذمة المسلم لأن ثمن خمر او  
خنزير، وذمة المسلم لا تتحمله فلا يصح اقراره أصلًا، وجہ قوله  
أن لہ علیٰ ألف اقرار بـألف واجب في ذمته وقوله ثمن خمر او  
خنزير ابطال لما اقر به، لأن ذمة المسلم لا تتحمل ثمن الخمر  
والخنزير فكان رجوعاً فلا يصح، فانظر في دقة نظر الإمام لأن في  
حمل قوله من ثمن خمر او خنزير على الرجوع اعمال الكلام  
وهو أولى من اهماله۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک سے اس نے کہا تھے چار طلاق، عورت نے شوہر سے کہا کہ میرے لیے تین ہی کافی ہیں، شوہرنے اس کو جواب دیا کہ زائد طلاق کو میں فلاں پر واقع کرتا ہوں، اس صورت میں دوسرا زوجہ پر بالکل طلاق واقع نہ ہوگی، اس شخص کا یہ کہنا کہ زائد طلاق میں نے فلاں زوجہ کو دی شرعاً لغو ہو گا اس لیے کہ شریعت میں طلاق کی تعداد تین سے زیادہ مقرر نہیں ہے، لہذا اس کا یہ کلام لغوقرار پایا اور اس شخص کے کلام کی صحیحیت کے لیے کوئی صورت ممکن نہ رہی:

رجلٌ له امرأتان فقال لإحداهما انت طلاق أربعًا، فقالت الثلاثة  
تكتفينى، فقال الزوج أو قعت الزيادة على فلانة لا يقع على  
الأخرى شيء۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۲

(۲) شرح المجلة: ص ۱۵۳ افتاویٰ قاضیخان: کتاب الطلاق، ج ۱ ص ۲۲۶

۳..... ایک شخص جب یہ کہے کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک سوروپیہ کے مساوا ایک سوروپیہ دین ہیں، اس شخص پر ایک سوروپیہ کا دین واجب ہوگا، چنانچہ اس کے سابقہ کلام میں استثناء (مسوا ایک سوروپیہ کے) یہ جملہ قابل تصحیح نہیں، کیونکہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ استثناء کل من الكل جائز نہیں (یعنی جتنی شئی اولًا مذکور ہو، اتنی ہی مقدار کو اس سے خارج کر دینا ممکن نہیں ہوتا) اور اس حالت میں اقرار سے رجوع کرنا لازم آتا ہے اور رجوع عن الاقرار جائز نہیں:

ومن هذا القبيل: له على مائة إلا مائة، لزمه مائة، ولا امكان  
لتصحیح هذا الاستثناء لإطباقةهم على عدم جواز استثناء الكل من  
الكل فيكون رجوعاً، فلا يجوز۔ (۱)

۴..... ایک شخص نے کہا فلاں کو طلاق ہے اور اس کی بیوی کا نام بھی ”فلانہ“ ہی تھا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، اگر یہ شخص اب یہ کہے کہ میں نے اپنی زوجہ کے متعلق نہیں کہا تھا تو یہ قول قابل قبول نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا کلام طلاق واقع کرنے کے لیے ہے اور خود اس شخص کو اپنی زوجہ پر طلاق واقع کرنے کی ولایت بھی حاصل ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ عاقل کا کلام صحیح پر محمول کیا جائے گا لہذا اس کی زوجہ کو طلاق دینا متعین ہوگا:

وان قال فلانة طلاق، وذلك اسم امراته، طلقت امراته، ولا يصدق  
على صرف الطلاق عنها لأن كلامه ايقاع وله ولادة الإيقاع على  
زوجته، وقد بينما ان كلام العاقل محمول على الصحة فتعينت  
زوجته۔ (۲)

۵..... اگر کوئی شخص اپنے ایک غلام اور ایک چوپائے کو جمع کر کے یہ کہے کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جب تک نیت نہ کی ہو آزاد نہ ہوگا:

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۳

(۲) شرح المجلة: ص ۱۵۳ المبسوط: كتاب الطلاق، باب الشهادة في الطلاق، ج ۶ ص ۱۳۶

ومنها: إذا قال لعبدة ولبهيمة "أحد هما حر" أو قال هذا العبد أو  
هذه الدابة حر، عتق العبد عنده نوى أولم ينبو، وعندهما لا يعتقد  
(۱) مالم ينبو۔

## قواعد نمبر (۶۰)

إِذَا تَعَذَّرَتِ الْحَقِيقَةُ يُصَارُ إِلَى الْمَجازِ۔ (۲)  
جب حقيقة پر عمل کرنا مشکل ہو جائے تو مجاز کو اختیار کیا جائے گا۔

### شرح

چون کہ لفظ کا حقیقی معنی اس کا اصل اور موضوع لہ ہوتا ہے اور مجاز اس کی فرع ہوتا ہے  
اس لیے مجاز کو حقیقت کا خلیفہ کہا جاتا ہے، تو جب مجاز حقیقت کا خلیفہ ہے تو جس مقام پر کلام  
کے دونوں معنی مراد لینا ممکن ہوں اور کوئی منرح موجود نہ ہو تو وہاں حقیقی معنی مراد لینا متعین  
ہوگا، لیکن اگر کسی کلام میں حقیقی معنی مراد لینا متعدد ہو جائے تو کلام کو لغو ہونے سے بچانے  
کے لیے مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

### تفريعات

ا..... اگر ایک شخص نے اپنے ایسے غلام سے جوانی عمر کے لحاظ سے آقا کا بیٹا ہو سکتا  
تھا کہا یہ میرا بیٹا ہے حالانکہ اس کا نسب غیر شخص سے مشہور اور معروف تھا تو یہ غلام آزاد  
ہو جائے گا اس کی ماں ام ولد صحیحی جائے گی، چنانچہ اس اقرار کرنے والے کے حق میں اس  
کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی، لیکن اس غیر کے حق میں جس کا یہ بیٹا ہے اس کے نسب  
کے باطل قرار دینے میں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا چونکہ مذکورہ صورت میں حقیقی معنی ممکن نہ تھا

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۵

(۲) رد المحتار: كتاب الأيمان، باب اليمين في الأكل والشرب، ج ۳ ص ۷۶۷ - مجلة الأحكام  
العدلية: ص ۲۳

اس لیے مجازی معنی حریت لیا گیا:

لو قال لعبد له يولد مثله لمثله معروف النسب من الغير "هذا ابني" عتق وأمه أم ولده ، فيصدق في حق نفسه لا في ابطال نسبة من الغير - (۱)

۲..... ایک شخص اپنے بیٹے پر "ولد" کے لفظ سے وقف کرے، اب اگر اس کا اپنا صلبی لڑکا موجود ہو تو ولد کے لفظ سے وہی مراد ہو گا کیونکہ اس لفظ کا حقیقی معنی یہی ہے لیکن اگر ایسا لڑکا موجود نہ ہو تو اب اس لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا ناممکن ہو گا اور اب اس کا مجازی معنی یعنی بیٹے کا بیٹا مراد ہو گا:

فلو وقف على ولده، فإن كان له ولد صلبی يصرف اليه لأنه الحقيقة، والا فلولد ولده وهو المجاز، لتعذر الحقيقة۔ (۲)

۳..... اگر ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ بہانڈی سے نہیں کھائے گا تو اس سے مراد وہ شئی ہو گی جو بہانڈی کے اندر (پکائی یا رکھی گئی) ہو گی، گویا بہانڈی میں حلول کرنے والی چیز پر مجاز بہانڈی کا لفظ استعمال کر دیا گیا (کیونکہ عادۃ بہانڈی کو نہیں کھایا جاتا):

ما لو حلف لا يأكل من هذه القدر، فلما يحلها، تجوزًا باسم المحل  
عن الحال۔ (۳)

۴..... کبھی حقیقی معنی مراد لینا شرعاً ممنوع ہوتا ہے جیسے کہ لفظ نکاح لغوی معنی کے اعتبار سے مجامعت کو کہتے ہیں اور عقد پر اس کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے، لہذا اگر ایک شخص نے کسی اجنبی عورت سے کہا اگر میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو ایسا ہو، یہاں نکاح کا مجازی معنی عقد مراد لیا جائے گا کیونکہ اس کا حقیقی معنی (مجامعت) ایک غیر عورت میں مراد لینا ناممکن نہیں ہے:

وقد يكون التعذر شرعاً لا عقلياً كالنكاح فإنه لغة حقيقةٌ في

الوطء، مجازٌ في العقد كما تقدم، فلو قال لأجنبية "إن نكحتك فكذا" ينصرف إلى المجاز وهو العقد دون الوطء لحرمة وطء الأجنبية۔<sup>(۱)</sup>

۵..... ایک شخص کو خصومت کا وکیل مقرر کیا، اس لفظ (خصومت) کا حقیقی معنی شرعاً متروک ہے اس لیے کہ خصومت جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں اور اڑنا جھگڑنا حرام ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں "وَلَا تَنَازِعُوا" جھگڑانہ کرو، اور جو چیز شرعاً متروک ہو وہ عادۃ بھی متروک سمجھی جاتی ہے، کیونکہ عقل اور دین دونوں اس پر اقدام کرنے کو منع کرتے ہیں اب لامحالہ اس کا مجازی معنی مراد لیا جائے گا یعنی جواب دہی کرنا، خواہ بصورت انکار ہو یا بصورت اقرار ہو، کیونکہ خصومت اس معنی کا سبب ہے اب یہاں اس حیثیت سے مجاز ہو گا کہ سبب کا لفظ مسبب پر بولا گیا ہے یا یہ کہہ لیجیے کہ مقید کا اطلاق مطلق پر کیا گیا ہے:

وكالتوکيل بالخصوصة، المعنى الحقيقي مهجور شرعاً، لأن  
الخصوصة هي المنازعة، وهي حرام بقوله تعالى "ولا تنازعوا"  
والمهجور شرعاً كالمهجور عادة، لأن العقل والدين مانعان من  
الإقدام عليه فيحمل على المجاز وهو الجواب مطلقاً اقراراً كان أو  
انكاراً لأنها سببه، فكان اطلاقاً لاسم السبب على المسبب أو  
المقييد على المطلق۔<sup>(۲)</sup>

۶..... اگر ایک شخص نے کہا "میں اجنبی عورت سے ضرور نکاح کروں گا" تو یہاں بھی نکاح سے مجازی معنی (عقد) مراد لیا جائے گا، چنانچہ اگر زنا کیا جو لفظ کا حقیقی معنی ہے تو حامث نہ ہو گا، البتہ اگر حقیقی معنی کی نیت کی ہو تو حامث ہو گا:

ومثله لو حلف لینکحن أجنبية يحمل على المجاز وهو العقد، ولا  
يحيث بالزنا الا بنية المعنى الحقيقي وهو الوطء۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۷ (۲) شرح المجلة: ص ۱۵۸ (۳) شرح المجلة: ص ۱۵۸

.....اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ ”میں فلاں کے مکان میں قدم نہیں رکھوں گا“، تو اس سے محض داخل ہونا مراد لیا جائے گا، خواہ برهنہ پاؤں، یا جوتا پہنے ہو، یا سوار ہو کر، کسی طرح بھی داخل ہوا تو قسم ثوث جائے گی یہ عموم مجاز کہلاتا ہے، چنانچہ اگر اس شخص نے مکان سے باہر رہتے ہوئے صرف اپنا برهنہ پاؤں مکان میں رکھ دیا تو حانت نہ ہو گا کیونکہ حقیقی معنی (محض پاؤں رکھ دینا) عرفًا متروک ہے:

وَمِنْ الْمَهْجُورِ عَادَةً مَا لَوْ حَلَفَ لَا يَضْعُ قَدْمَهُ فِي دَارِ فَلَانِ، يَحْمِلُ  
عَلَى مُطْلَقِ الدِّخُولِ، حَافِيًّا أَوْ مُتَنَعِّلًا أَوْ رَاكِبًا، فَهُوَ مِنْ بَابِ عُومَ  
الْمَجَازِ حَتَّى لَوْ وَضَعَ قَدْمَهُ فِي الدَّارِ وَهُوَ خَارِجُ الْبَيْتِ لَا يَحْتَنِ،  
لَأَنَّ الْمَعْنَى الْحَقِيقِيُّ مَهْجُورٌ عَادَةً۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۶۱)

إِذَا تَعَذَّرَ أَعْمَالُ الْكَلَامِ يُهْمَلُ۔ (۲)  
جب کسی کلام کو با معنی قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کلام کو مہمل قرار دیا جائے گا۔

## شرح

جب کسی کلام کا حقیقی معنی مراد لینا متعذر ہو تو اس کے مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جائے گا لیکن اگر مجازی معنی مراد لینا بھی متعذر ہو تو پھر کلام یقیناً مہمل قرار پائے گا کیونکہ کوئی کلام بھی ان دو حالتوں سے خال نہیں ہو سکتا۔

## تفریعات

.....ایک شخص دوسرے پر کسی ایسی شی کا دعویٰ کرے جو عقلًا اور عادۃً محال ہو جیسا

(۱) شرح المجلة: ص ۱۵۸

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والستون، ص ۲۱۹

کر ایک شخص اپنے سے زیادہ عمر والے شخص پر یا کسی معروف النسب شخص پر اپنے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ مہمل اور لغو ہوگا کیونکہ اس کا جھوٹا ہونا عقلاء و شرعاً ہر طرح ظاہر ہے:

لو ادعى أحدٌ في حق من هو أكبر منه سناً أو معروفاً النسب من  
الغیر أنه ابنه فهو لغو لظهور كذبه عقلاً أو شرعاً۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے جس کی تکذیب حواس ظاہر سے ہوتی ہو جیسا کہ ایک ایسا شخص جس کے دونوں ہاتھ صحیح و سالم موجود ہیں کسی دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے ہیں لہذا دلایت دلوائی جائے:

أو جاء بدعوى يكذبها الحس كمالاً لو ادعى صحیح البیدین على  
آخر انه قطع يده ويطلب منه الديمة۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اسی طرح اس قسم کا اقرار بھی لغو ہوگا اگر اس طرح اقرار کیا کہ میں نے تیرے ہاتھ کاٹ دیئے، حالانکہ مخاطب کے دونوں ہاتھ صحیح سالم موجود تھے تو یہ کلام لغو ہوگا:  
فلو قال قطعت يدك و يدك صحيحتان و قم الكلام لغوا۔<sup>(۳)</sup>

۴..... اسی طرح مریض کا مرض موت کی حالت میں وارث کے لیے وصیت کرنا یا دین کا اقرار کرنا باطل ہوگا، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ ورثاء کا حق اس کے مال سے متعلق ہو چکا ہوگا اور یہ شخص (مریض) اپنی وصیت کے ذریعہ کسی ایک وارث کو اپنے مال کا زیادہ حصہ بلا کر دوسروں کی حق تلفی کرنے والا متصور ہوگا، اسی وجہ سے اگر باقی ورثاء اس کی وصیت یا اقرار پر رضامندی کا اظہار کر دیں گے تو اس کی وصیت اور دین کا اقرار صحیح المعنی ہو کر قابل عمل ہو جائے گا مہمل نہ سمجھا جائے گا:

كذلك المريض لا يصح اقراره لو ارثه بدمين أو عين ولا الوصية  
له، والمعنى فيه انه آثر بعض الوراثة بشيء من ماله، وقد تعلق  
حقهم به بالمرض فكان متهمًا بهذا الاقرار، ولهذا ان أجازوا  
يعمل بكلامه ولا يهمل۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۳ (۲) شرح المجلة: ص ۱۲۳ (۳) شرح المجلة: ص ۱۲۳

(۱) شرح المجلة: ص ۱۲۳ (۲) شرح المجلة: ص ۱۲۳

## قاعدہ نمبر (۶۲)

ذِكْرُ بَعْضِ مَالًا يَتَجَزَّأُ كَذِكْرِ كُلِّهِ۔<sup>(۱)</sup>  
کسی شئی کے ایسے بعض حصہ کو ذکر کر دینا جو اس شئی سے علیحدہ نہ کیا جاسکے پوری شئی ذکر کرنے کے مثل متصور ہوگا۔

### شرح

ہر وہ شئی جس کی تجزی ناممکن ہو اس میں بعض حصہ کا ذکر کر دینا ایسا ہو گا جیسے کل شئی کا حکم بیان کر دیا گیا ہو اس لیے کہ ایسے موقع پر دو صورتیں ہی ممکن ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بعض کے حکم کو کل کا حکم قرار دیا جائے تاکہ کلام قابل عمل رہے یا یہ کہ ایسا نہ کیا جائے تو کلام مہمل قرار پا جائے۔

تو کلام کو مہمل قرار دینے سے بہتر یہ کہ اس کو با معنی قرار دے کر اس پر عمل کیا جائے، حسب ذیل معاملات میں تجزی نہیں ہو سکتی مثلاً طلاق، قصاص، کفالہ بالنفس، شفعت، ولایت وغیرہ لیکن مالکانہ تصرفات میں تجزی ممکن ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنا نصف مکان یا ایک چوتھائی مکان کا حصہ فروخت کر دیا تو یہ قول صحیح ہو گا اور یہاں بعض حصہ کا حکم کل کے حق میں صحیح نہ ہو گا۔

### تفصیلات

ا..... اگر ایک شخص اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ میں نے تجھے نصف طلاق یا ایک چوتھائی طلاق دی تو ایک پوری رجی طلاق واقع ہو گی، اور یہاں نصف یا ایک چوتھائی کا ذکر ایسا ہو گا جیسا کہ مکمل ایک طلاق کہا ہو، کیونکہ طلاق ایسی اشیاء میں سے نہیں ہے کہ اس کے حصے ہو سکیں ظاہر ہے کہ جو چیز طلاق کا محل ہے اس میں نہیں ہو سکتا کہ اس کے نصف کو حرام اور نصف حصہ کو حلال قرار دیا جاسکے:

(۱) الأشباه والنظائر: القاعدة الثامنة عشرة، ص ۱۵۹ / المبسوط: كتاب النكاح، باب المهر، ج ۵ ص ۸۲

فلو قال لزوجته طلقتك نصف تطلقة أو ربع تطلقة تقع واحدة  
رجعية، وذكر النصف أو الربع كذكر الكل لأن الطلاق لا يقبل  
التجزأ، اذ لا يكون المحل الواحد نصفه على الشيوع حلالاً  
ونصفه حراماً۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر مقتول کا ایک ہی ولی ہوا اور وہ قصاص کا بعض حصہ معاف کر دے اور بعض  
حصہ زیر قصاص رکھے تو کل قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ نہیں ہو سکتا کہ بعض حصہ کو چھوڑ  
کر بعض حصہ سے قصاص لیا جاسکے:

لو کان ولی المقتول واحداً فعفا عن بعض القصاص، سقط لعدم  
تصور استيفاء بعضاً دون بعض۔<sup>(۲)</sup>

۳.....اگر شفیع مشفوعہ کے بعض حصہ میں شفعہ کا ترک کرنا تسلیم کرے گا تو کل مشفوعہ  
میں شفعہ ساقط ہو جائے گا:

بأن الشفيع إذا سلم الشفعة في النصف، بطلت في الكل، لعدم  
تجزئها۔<sup>(۳)</sup>

۴.....ایک شخص نے کسی عورت سے چاندی کے پانچ درہم مہر پر نکاح کیا تو اس  
صورت میں کامل دس درہم مہر مقرر سمجھا جائے گا کیونکہ کم از کم مہراحتاف کے نزدیک دس  
درہم ہیں اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا، لہذا کل مقدار دس درہم کے بعض حصہ کا ذکر ایسا ہو گا  
جیسے کہ کل کا ذکر کیا گیا ہو کیونکہ مہر کے سلسلہ میں دس درہم قابل تجزی نہیں ہیں:

ان من تزوج امرأة على خمسة دراهم فضة، يكمل لها عشرة  
دراهم، وضار ذكر بعض العشرة كذكر كلها، لأن العشرة في باب  
المهر لا تتجزأ۔<sup>(۴)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۶۵ / الأشباء والنظائر: ص ۱۵۹

(۲) شرح المجلة: ص ۱۶۶ / الأشباء والنظائر: ص ۱۵۹

(۳) شرح المجلة: ص ۱۶۸ / المبسوط: ج ۵ ص ۸۲

۵..... جس شخص نے اپنے لیے نماز کی ایک رکعت ادا کرنے کی نذر مانی اس پر لازم ہوگا کہ دور کعین ادا کرے اس لیے کہ یہ امر تجزی کے قابل نہیں، لہذا ایک رکعت کا ذکر کرنا کل نماز کا ذکر کرنا متصور ہوگا یعنی دور کعتوں کا:

ان من أوجب على نفسه ركعةً، لزمه أن يصلى ركعتين لأن ذلك لا يتبعض، فذكر أحداهما كذكر كليهما۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا جب تجھے نصف حیض آئے تو تجھے طلاق ہے، اس وقت تک اس پر طلاق واقع نہ ہوگی جب تک پورا حیض نہ آئے کیونکہ حیض کی تجزی نہیں ہو سکتی، لہذا اس کے کسی جز کا ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسے پورے حیض کا ذکر کرنا ہے:

و منها أنت طالق إذا حضرت نصف حيضة، لم يقع الطلاق مالم تحضر حيضة كاملة، لأنها لا تتجزأ فذكر بعضها كذكر كلهـ۔<sup>(۲)</sup>

## قواعد نمبر (۲۳۳)

الْمُطْلَقُ يَجْرِيُ عَلَى إِطْلَاقِهِ إِذَا لَمْ يَقُمْ دَلِيلُ التَّقْيِيدِ نَصَّا  
أَوْ دَلَالَةً۔<sup>(۳)</sup>

مطلق کا حکم مطلق ہی رہے گا جب تک کہ کسی نص یا دلیل سے اس کے مقید ہونے پر جنت قائم نہ ہو جائے۔

## شرح

مطلق وہ لفظ کہلاتا ہے جو ذات پر دلالت کرے اور صفات کی نقی و اثبات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو، اور مقید وہ لفظ ہے جو ذات پر دلالت کرتے ہوئے کسی زائد صفت کو بھی

(۱) شرح المجلة: ص ۱۶۸

(۲) شرح المجلة: ص ۱۶۸

(۳) المبسوط: كتاب الوکالة، باب من الوکالة بالبيع والشراء، ج ۱۹ ص ۱۳۰ مجلہ الأحكام العدلية: ص ۲۲

ظاہر کرے، مذکورہ قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مقام پر مطلق استعمال کیا جائے اور اس کی تقيید پر کوئی نص یا دلالت موجود نہ ہو جو اس کو کسی عارضی صفت سے مقید کرتی ہو تو مطلق کو اس کے اطلاق پر ہی چھوڑ جائے گا۔

## تفریعات

۱..... اگر ایک شخص نے درزی کو جبہ سینے کے لیے معینہ اجرت پر اس شرط کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ بذات خود جبہ سینے گا، تو اب درزی کو یہ حق نہ ہو گا کہ یہ جبہ کسی دوسرے شخص سے سلوانے اگر اس نے ایسا کیا اور جبہ ضائع ہو گیا تو درزی اس کا ضامن ہو گا، چنانچہ اس مسئلہ میں جبہ کا سینا مطلق تھا جس کو صراحت کے ساتھ ایک خاص شخص کے سینے کے ساتھ مقید کر دیا گیا تھا (یعنی بذات خود سینے) لہذا اس قید پر عمل کرنا درزی کے لیے لازم ہو گیا تھا، اسی پر دیگر دفعات کو قیاس فرمائیں یہ صریح تقيید کی مثال ہے:

فلو استاجر خياطاً لخياطة جبة بأجرة معلومة على أن يخيطها  
بنفسه، فليس للخياط أن يخيطها بغيره، وإن خاطها بغيره وتلفت  
 فهو ضامن، فالطلق وهو خياطة الجبة، تقييد صريحاً بعمل الأجير  
 خاصة، فيلزم العمل بموجب القيد.<sup>(۱)</sup>

۲..... دلالۃ تقيید کے یہ معنی ہیں کہ کلام میں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو تقيید پر دلالت کرتا ہو، مثلاً قربانی کے ایام میں ایک شخص کو جانور خریدنے کا وکیل بنایا تاکہ موکل اس کی قربانی کرے، اور وکیل نے قربانی کے ایام گذرنے کے بعد جانور خریدا تو یہ خریدنا موکل کے حق میں متصور نہ ہو گا، کیونکہ قربانی کا زمانہ وکیل کے فعل کو موکل کے حق میں ہونے کے لیے دلالۃ اس کے فعل کو مقید کرتا ہے:

ومعنى التقييد دلالۃ فإن تكون قرينة تدل على التقييد: كما لو

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۱

وكل رجلاً أيام الأضحية بأن يشتري له شاة ليضحيها، فاشترأه الله

بعد مضي وقتها، لا تنفذ على الموكيل التقييد بالزمان دلالة۔ (۱)

٣..... اگر کسی شخص نے مطلق عاریت کے ساتھ کسی دوسرے شخص سے کوئی جانور  
عاریت پر حاصل کیا تو یہ شخص جس وقت جہاں چاہے سوار ہو کر جا سکتا ہے، لیکن یہ اتنے  
عرصہ کے ساتھ مقید ہو گا جتنے عرصہ اور وقت میں جانے کی اجازت ہو گی جس کی عرف و  
عادت جاری ہو، اس کے خلاف اس سے زیادہ کا حق نہیں رکھے گا کہ دو گھنٹہ کا راستہ ایک  
گھنٹہ میں طے کر لے:

فلو أعاد رجل دابةً أعلاه مطلقة، فالمستعير له أن يركبها إلى حيث  
شاء في الوقت الذي يريد وانما ليس له أن يذهب بها إلى المحل  
الذي مسافة الذهاب إليه ساعتان في ساعة واحدة۔ (۲)

٣..... اگر کسی شخص نے کسی مسافرخانہ میں کوئی کمرہ کراچیہ پر لیا تو اس شخص کو اس میں  
رہنے اور سامان رکھنے کے ہر طریقہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن یہ حق نہ ہو گا کہ  
عادت و عرف کے خلاف اس میں لوہار کا کام شروع کر دے کیونکہ اس طرح استعمال کرنا  
عرف و عادت کے خلاف ہو گا، لہذا مطلق اجارہ اور اعارہ عرف و عادت کے ساتھ مقید ہوں گے:

كذلك إذا استعار شخص حجرة في خان، كان له أن يسكنها وأن  
يضع فيها أمتعة واما استعمالها بما يخالف العادة، كأن يشتغل فيها  
بصنعة الحداد فليس له ذلك أى لأن الاستعمال على هذه الكيفية  
مخالف للعرف والعادة فيتقييد بذلك۔ (۳)

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۱

(۲) شرح المجلة: ص ۱۷۱

(۳) شرح المجلة: ص ۱۷۱

## اطلاق و تقید سے متعلق ایک عمدہ بحث

اگر اطلاق و تقید حکم ثابت میں ہو تو غور کیا جائے گا، اگر واقعہ اور حکم دونوں متعدد ہیں تو مطلق کو مقید پر محول کر لیں گے اور اگر واقعہ اور حکم متعدد ہیں یا واقعہ متعدد ہے اور حکم متعدد ہے یا حکم متعدد ہے اور حادثہ متعدد ہے تو اب ایک کو دوسرے پر محول نہ کریں گے۔

۱..... اتحاد حکم اور حادثہ کی مثال: قسم کے کفارے میں عام قراءت کی یہ قراءت ہے ”فِصَيَّامُ ثَلَاثَةٍ آيَامٌ“ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور قراءت ”ایام متتابعات“ ہے، چنانچہ یہاں اول کو دوسری پر محول کر کے متواتر تین یوم کے روزے رکھنا مراد یہ جائیں گے۔

۲..... حکم و حادثہ کے تعدد کی مثال: جیسے قتل کے کفارے میں روزے کو متواتر رکھنا اور ظہار کے کفارے میں مسکینوں کے کھانا کھلانے کو مطلق رکھنا (خواہ متواتر کھلایا جائے یا درمیان میں وقفہ دیا جائے ہر طرح جائز ہے)

۳..... اتحاد حکم و تعدد حادثہ کی مثال: جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمانا ”فَئْخُرِيزَ رَأْقَبَةً“ کفارہ ظہار اور کفارہ تین میں میں، اور کفارہ قتل میں یہ فرمانا ”رقبۃ مؤمنۃ“ حکم ان دونوں مقام پر ایک ہے، یعنی غلام آزاد کرنا لیکن حادثہ مختلف ہے کیونکہ قتل ایک حادثہ ہے اور ظہار و قسم دوسرے حادثے ہیں۔

۴..... حکم کے متعدد اور حادثہ کے متعدد ہونے کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ”فَصِيَّامُ شَهْرَيْنِ مُشَتَّأِعْيَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَّسَّا“، ظہار کے متعلق یہاں حکم کو متواتر روزہ رکھنے کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے کہ قربت سے قبل متواتر دو ماہ کے روزے رکھے جائیں، لیکن اسی واقعہ میں دوسرा حکم اور بھی ہے وہ یہ کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے لیکن اس میں یہ قید نہیں ہے (کہ متواتر ہو وقفہ نہ ہو)

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک صرف ایک صورت میں مطلق کو مقید پر محول کیا

جسکے گا اور وہ یہ کہ حکم اور حادثہ دونوں متحد ہوں اور حکم اثباتی ہو اور اس کے مساوا دوسرا صورتوں میں مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا مقید پر محمول نہ کیا جائے گا لیکن شافع فرماتے ہیں کہ مطلق کو ہر موقعہ پر مقید پر محمول کیا جائے گا خواہ حادثہ ایک ہو یا متعدد ہوں، یہ کتب اصول فقہ کا خلاصہ تھا جو پیش کیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

## قواعدہ نمبر (۶۲)

**الْوَصْفُ فِي الْحَاضِرِ لَغُوٌ وَفِي الْغَايِبِ مُعْتَبِرٌ۔** <sup>(۲)</sup>

حاضر شئی میں اس کی صفت کا بیان ناقابل توجہ ہوگا اور غائب شئی میں معتبر ہوگا۔

## تشريع

جب کوئی چیز سامنے موجود ہو تو اس وقت خود وہی چیز معتبر ہوتی ہے اس کی تعریف یا اس کی صفات کا لفظی بیان کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، بوقت بیچ اس کی صفت موٹا ہونا، پتلہ ہونا اسی طرح اس کا رنگ کالا ہونا، سرخ ہونا بیان کرنا بغوب ہے یعنی اس بیان پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا البتہ جب چیز موجود نہ ہو اور پھر کوئی اس کی صفات بیان کرے تو ان صفات کا اعتبار ہوگا اور انہی کی بنیاد پر اسی شی کا حکم متعین کیا جائے گا۔

## تفريعات

ا..... جہاں کسی شئی کی جنس کو بیان کیا جائے اور وصف اس سے مختلف ہو، ایک شخص اپنی نشت میں ایک گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ یہ سیاہ رنگ کا گھوڑا میں نے تمہارے ہاتھ فروخت کیا، اور وہ گھوڑا درحقیقت براؤں رنگ کا تھا یہ بیچ صحیح ہوگی اور لازمی طریقہ پر نافذ ہوگی، اور یہ سیاہ یا براؤں کا وصف اس وقت لغو قرار پائے گا اس لیے کہ ہر دو

(۱) شرح المجلة: ص ۲۷۳

(۲) الہدایۃ: کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول والسكنی، ج ۲ ص ۳۸۱ : البحر الرائق: کتاب الأیمان، بباب الیمین فی الدخول والخروج، ج ۳ ص ۳۲۶

وصف کی حالت میں جنس (گھوڑا ہونا) ایک ہی ہے مخصوص وصف کا اختلاف ہے اور وصف کا اختلاف جبکہ شئی کی جنس کی طرف اشارہ حسی کیا جائے قابل اعتبار نہیں ہوتا، کیونکہ موصوف کی ذات ہر حالت میں موجود ہوتی ہے اور وصف جو کہ ذات کے تابع ہے وہ موجود نہیں ہوتا (اور مقصود شئی کی ذات ہوتی ہے)

لیکن جس صورت میں کسی شئی کی جنس ہی مختلف ہو جائے مثلاً یہ کہہ کہ میں نے یہ الماس کا پتھر تمہارے ہاتھ اتنی قیمت میں فروخت کیا اور مشتری قبول کر لے اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کانچ کا مکڑا تھا تو اس حالت میں بیع باطل ہو جائے گی، کیونکہ جس شئی کی طرف اشارہ کیا تھا معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسری جنس تھی، اس لیے یہاں اشارے کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس بیان کردہ جنس کا اعتبار ہوگا کیونکہ عقد (بیع) کا تعلق اس شئی سے ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے اس سے نہ ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ جنس کے اختلاف کی صورت میں نام لینا اشارے کی نسبت سے زیادہ قوی ہو گا نام لینا حقیقت کا تعین کر دینا ہے:

مثال ما إذا ذكر الموصوف بجنسه واختلف الوصف لو قال بعتنك

هذا الفرس الأدهم وأشار اليه في المجلس، والحال هو أشهب، صح

البيع ونفذ على وجه اللزوم ولغاظ ذكر الوصف لأن الأشهب

والأدهم جنس واحد ليس بينهما الا اختلاف الوصف فلا تأثير له

مع وجود الاشارة الحسية للجنس، لأن ذات الموصوف موجود،

والوصف غير موجود بل تابع للذات، فيلغو،

ومثال ذكر الشيء بخلاف جنسه ما لو قال بعتنك هذا الحجر من

اللامس بكذا، وقبل المشترى ثم تبين أنه زجاج، فالبيع باطل

لظهور أن المشار اليه من جنس آخر، فلا عبرة للإشارة حينئذ بل

للجنس المسمى، إذا العقد يتعلق بما سماه لا بما وأشار اليه، فبسبب

اختلاف الجنس كانت التسمية في هذه الصورة أقوى من الاشارة،

لأن التسمية تعين الماهية۔<sup>(۱)</sup>

۲..... عدليہ کے سامنے ایک گاڑی کا جھکڑا لایا گیا، دونوں فریق موجود تھے اور گاڑی بھی سامنے تھی، مدعی نے کہا کہ یہ پیلی گاڑی میری ہے جبکہ گاڑی کارنگ لال تھا، تو اب اس کا اشارہ جو گاڑی کی طرف ہے معتبر ہو گا اس کی صفت پیلی یا لال ہونا معتبر نہ ہو گا، اس لیے محض اس بناء پر کہ اس نے سامنے موجود گاڑی کارنگ غلط بتلایا ہے اس کا دعویٰ خارج نہ کیا جائے گا۔

۳..... زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہیں اپنا وکیل بناتا ہوں اور تم میری طرف سے یہ سبز کپڑا خرید لو حالاں کہ وہ کپڑا کالا تھا اور وکیل نے خرید لیا تو یہ خریداری صحیح ہو گی، اور یہاں بھی اعتبار اشارے کے ساتھ تعین کا ہو گا بیان و صف کا اعتبار نہ ہو گا۔

۴..... باائع نے کہا اپنا یہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں فروخت کرتا ہوں گھوڑا سامنے موجود تھا اور اشہب کی بجائے ادھم تھا، اور مشتری نے کہا میں نے خرید لیا تو یہ بیع صحیح ہو جائے گی چوں کہ گھوڑا سامنے موجود تھا جس کی بیع مقصود تھی اس لیے اس کو اشہب کہنا اور اس کا ادھم ہونا بے معنی ہو گا، ہاں اگر گھوڑا سامنے موجود نہ ہو تو اس کے وصف کا اعتبار ہو گا:

لو أراد البائع بيع فرس أشهب حاضر في المجلس وقال في إيجابه:

بعث هذا الفرس الأدهم وأشار اليه وقبل البائع صاحب البيع ولغا

وصف الأدهم۔<sup>(۲)</sup>

## قواعدہ نمبر (۶۵)

السؤال معادٌ في الجواب۔<sup>(۳)</sup>

کسی سوال کے جواب میں سوال کا اعادہ لازماً تسلیم کیا جائے گا۔

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۳، ۱۷۵

(۲) درر الحكم شرح مجلة الأحكام: المقالة الثانية، ج ۱ ص ۲۳

(۳) الأشباء والنظائر: القاعدة الحادية عشرة، ص ۱۵۰ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۳

## شرط

اصلیین کا یہ قاعدہ کہ ”کسی سوال کے جواب میں سوال کا مضمون موجود ہوتا ہے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کلام کا اپنے ماقبل کلام کے لیے جواب ہونا متعین ہو گیا یہ جوابی کلام اسی سوال کے مطلب کی تصدیق سمجھا جائے گا، اس بنا پر کہ یہ جوابی کلام خود مستقل نہیں ہو سکتا یا کسی ایسے قرینہ کی بناء پر جو اس کلام کا سابق کلام کے جواب ہونے کو متعین کرتا ہے خواہ سوالی کلام طلب خیر ہو یا خود خبر دینے کے لیے ہو یا انشائی کلام ہو یعنی اسی سابق کلام کا اقرار و اعتراض ہو گا۔

## تفریعات

۱..... اگر زید نے حاکم کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میرے عمر و پرفلائشنی کی قیمت کے ایک ہزار درهم واجب ہیں وہ اس شخص سے دلوائے جائیں، اور حاکم نے عمر سے دریافت کیا کہ کیا جس رقم کا یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یہ رقم تمہارے ذمہ ہے؟ اس شخص (عمر) نے جواب میں کہا: ”ہاں“ تو یہ ہاں، کہنا اس بات کی تصدیق ہو گی کہ زید کا دعویٰ صحیح ہے تو یہ اس امر کی اطلاع دینا ہو گی کہ مدعی نے جو کچھ کہا ہے وہی بات ہے:

فَلَوْ أَدْعَى زَيْدٌ أَمَامَ الْقَاضِيَّ بِأَنَّ لِي عَلَى عُمَرٍ هَذَا أَلْفَ درهم ثمن  
مَبْيَعٍ فَأَطْلَبَهَا، فَقَالَ الْقَاضِيُّ لِعُمَرٍ وَهَلْ لَهُذَا عَلَيْكَ مَا يَدْعُيهِ، فَقَالَ  
نَعَمْ، يَكُونُ الْجَوابُ بِنَعْمٍ تَصْدِيقًا لِمَا ادْعَاهُ فَهُوَ أخْبَارٌ بِجَمِيعِ مَا

(۱) أخبر به المدعى۔

۲..... ایک شخص کے قبضہ میں غلام ہوا اور وہ اس شخص اول شخص سے کہے کہ یہ غلام مجھے اجرت پر دے دو یا اس غلام سے جو آمدی ہوتی ہے اس کا مجھے ٹھیک دے دو، اول شخص نے اس سے کہا اچھا یا ہاں، تو یہ (اجرت پر دینے کا) اقرار ہو گا:

ولو أن رجلاً في يديه عبد فقال له رجل استأجره مني أو ادفع إلى

غلة عبدي، فقال الآخر نعم، كان ذلك اقراراً۔<sup>(۱)</sup>

۳.....ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا تھے طلاق ہے کسی نے اس سے سوال کیا، تم نے کیا کہا؟ اس شخص نے کہا میں نے اس کو طلاق دی ہے یا کہا میں نے یہ کہا کہ تھے طلاق ہے تو یہ حکماً ایک طلاق ہو گی، اس لیے کہ اس کا یہ خبر دینا جبکہ اس سے خبر دینے کا مطالبہ کیا گیا اس امر کی طرف رجوع کر جاتا ہے کہ یہ اپنے پہلے عمل کی اطلاع دے رہا ہے، لہذا یہ کلام خبر دینے کی جانب لوٹایا جائے گا (کسی جدید طلاق کا انشاء وجود میں لانے والا تصور نہ کیا جائے گا) :

وقد يكون الجواب من قبيل الاخبار تقريراً لما سبق من انشاء

كلام سابق فيتمحض اخباراً عنه لا انشاء، لما في البدائع وغيره

من الطلاق: قال لأمراته أنت طلاق فقال له ما قلت؟ فقال طلقتها،

أو قال قلت هي طلاق، فهي واحدٌ في القضاء لأن كلامه انصرف

إلى الاخبار بقرينة الاستخبار، فالكلام السابق معادٌ على وجه

الإخبار عنه۔<sup>(۲)</sup>

۳.....ایک شخص نے اپنی زوجہ سے تین طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہا ”تیرا کام تیرے ہاتھ میں ہے“، عورت نے اپنے نفس کو تین طلاق دے دیں یا کہا میں نے اپنی ذات کو طلاق دی یا میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، اور عورت نے اپنے کلام میں تین کا لفظ استعمال نہیں کیا تو اس وقت اس کو تین طلاقیں ہی ہوں گی اس لیے کہ عورت کا کلام مرد کی تفویض طلاق کا جواب ہے (یہ اپنے اندر وہی کیفیت لیے ہوئے ہے جو شوہر کے کلام میں موجود ہے) :

(۱) شرح المجلة: ص ۷۷۱ فتاوى قاضي خان: كتاب الاقرار، فصل فيما يكون اقراراً، ج ۲ ص ۲۳

(۲) شرح المجلة: ص ۷۷۱

لو قال أمرك بيديك ونوى الثلاث، فطلقت نفسها ثلاثة، أو قالت طلقت نفسى أو اخترت نفسى ولم تذكر الثلاث، كان ثلاثة لأنها جواب تفويض الثلاث فيكون ثلاثة۔<sup>(۱)</sup>

۵..... اگر کسی شخص کو یہ اطلاع پہنچی کہ کسی فضولی (غیر مجاز شخص) نے اس کا کوئی مال فروخت کر دیا ہے اور اس شخص نے کہا میں راضی ہوں یا میں نے قبول کیا یا اس شخص سے کہا گیا کیا تم نے اس کی اجازت دی اور اس نے جواباً کہا اجازت دی یا کسی نے کہا مجھے اجازت دینے کا وکیل بنادو، اس نے کہا میں نے وکیل بنایا اور وکیل نے اجازت دے دی، ان تمام صورتوں میں بعج جائز ہوگی کیونکہ دوسرا کلام جواب ہے اور جواب میں وہ بات ملحوظ ہوتی ہے جو سوال میں موجود ہو:

فَلَوْ بَلَغَ أَحَدًا خَبْرًا بِأَنَّ فَضْوِلِيَا بَاعَ مَالَهُ فَقَالَ رَضِيَتْ أَوْ قَبِلتْ أَوْ قِيلَ لَهُ هَلْ أَجْزَتْ ذَلِكَ فَقَالَ أَجْزَتْ، وَأَجْزَتْ أَوْ قَالَ لَهُ أَحَدٌ وَكَلَّنِي بِالإِجَازَةِ فَقَالَ وَكَلَّتِكَ، فَأَجَازَ الْوَكِيلُ صَحَّ الْبَيْعِ فِي الْوِجْهِ كُلَّهَا لِوَقْعَهِ جَوَابًا وَالسُّؤَالُ مَعَادٌ فِي الْجَوابِ۔<sup>(۲)</sup>

## قواعد نمبر (۶۶)

لَا يُنْسَبُ إِلَى سَاكِتٍ قَوْلٌ لِكِنَّ السُّكُوتَ فِي مَعْرِضِ الْحَاجَةِ بَيَانٌ۔<sup>(۳)</sup>  
ساكت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جاسکتا لیکن کلام کی ضرورت کے وقت سکوت بیان مستھور ہوگا۔

## شرح

یہ قاعدة و فقرنوں پر مشتمل ہے اول یہ کہ شرع نے لوگوں کے معاملات کو ان کی ان

(۱) شرح المجلة: ص ۱۷۷ (۲) شرح المجلة: ص ۱۷۸

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲، شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والستون، ص ۲۲۷

عبارتؤں سے مربوط رکھا ہے جو ان کے مقاصد کی مظہر ہوتی ہوں، چنانچہ سکوت پر کسی قسم کا حکم مرتب نہیں ہوتا بلکہ احکام الفاظ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے کہا ہے ”لا ینسب الی ساكت قول“ سکوت اختیار کرنے والے کی طرف کوئی قول منسوب نہ کیا جائے گا۔

دوسرانقرہ بیان ضرورت کا ہے جو اول کے مقابلے میں ایک استثنائی درجہ رکھتا ہے چنانچہ ایک قاعدہ ہے جس کو اصول فقہہ والے حضرات نے ذکر کیا ہے اور اس قاعدے میں ان حضرات نے سکوت کو کلام کا درجہ دیا ہے اور یہ اس مقام پر اختیار کیا جاتا ہے جہاں بیان کی ضرورت پیش آتی ہو اور اس کو بیان ضرورت کے نام سے موسم کرتے ہیں یہ بیان کی اقسام میں سے ایک وہ قسم ہے جہاں سکوت کلام کا درجہ رکھتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر ایک اجنبی شخص نے کسی دوسرے کا مال فروخت کیا اور صاحب مال کے سامنے اس کو مشتری کے سپرد کر دیا، صاحب مال دیکھتا رہا اور خاموش رہا، یا صاحب مال کو اس تبع کی اطلاع پہنچی اور اس نے سکوت اختیار کیا تو یہ صاحب مال کا سکوت تبع کی وکالت کی اجازت کی دلیل نہ ہوگا:

لو باء اجنبى مال أحد فضوليا وسلمه للمشترى، وصاحب المال  
يشاهد البيع والتسليم وهو ساكت أو بلغه ذلك فسكت بلا يغدر  
سکوته توکيلا بالبيع ولا اجازة۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کے ایسے مکان میں سکونت اختیار کی جو کرایہ پر دینے کے لیے نہیں تھا اور مکان والا خاموش رہا تو یہ خاموشی مکان کو کرایہ پر دینے کی علامت نہ ہوگی، اور صاحب مکان کو کرایہ کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا:

ولو سكن داراً الأحد غير معدة للايجار وصاحب الدار ساكت، لا  
يعد سکوته ايجاراً، فليس له حق في طلب الأجرة۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۱

(۲) شرح المجلة: ص ۱۸۲

(۳) شرح المجلة: ص ۱۸۲

۳..... اگر ایک بیوی نے اپنے شہر کے مکان سے ایسی اشیاء لے کر جو مرد یا مردوں کے استعمال کی صلاحیت رکھتی تھیں چند سال تک استعمال کیں، اور شہر سکوت اختیار کیے رہا تو یہ سکوت اس امر کی دلیل نہ ہو گا کہ یہ اشیاء شوہر کی طرف سے زوجہ کو ہبہ ہو گئیں یا یہ کہ زوجہ کی مملوک تھیں حتیٰ کہ اگر مرد نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اشیاء اس کی اپنی ملکیت ہیں تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہو گا کیونکہ صاحب قبضہ وہی ہے:

ولو اخذت از زوجة من بيت زوجها شيئاً يصلح له أولهما واستعملت  
سنوات، والزوج ساكت، لا يكون سكوته هبة منه أو اقراراً بكونه  
مالها حتى لو ادعى أنه له فالقول قوله ببیننه لأنه صاحب اليد۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اگر ایک شخص نے دوسرے کامال ضائع کر دیا اور مال کا مالک خاموشی سے دیکھتا رہا تو یہ سکوت مال کے ضائع کرنے کی اجازت نہ ہو گا بلکہ مالک کو ضمان لینے کا حق حاصل ہو گا:

ولو أتلف مال آخر وصاحب المال يشاهد وهو ساكت، لا يكون  
سكوته إذنا بالاتلاف بل له أن يضمنه۔<sup>(۲)</sup>

۵..... اگر حاکم نے کسی ایسے بچے یا پاگل کو جن کا کوئی ولی نہ تھا خرید و فروخت کرتے دیکھا اور سکوت اختیار کیا تو یہ سکوت ان کی بیع کی اجازت نہ ہو گا، کیونکہ حاکم کی اجازت حکم کے درجہ میں ہوتی ہے اور سکوت حکم نہیں ہوتا، بخلاف ان دونوں کے ولیوں کے:  
ولو رأى القاضى صبياً أو معتوها لاَ ولِيَ لِهِما يبيع ويشتري  
وسكت، لا يكون سكوته إذنا له بالتجارة لأن اذن القاضى حكم  
والسكوت لا يكون حكما بخلاف وليهما۔<sup>(۳)</sup>

وَهُوَ صُورَتِينِ جَنِ مِنْ سَكُوتٍ نَطَقَ شَمَارِ كَيَا جَاتَاهُ  
۱..... عقد نکاح سے قبل اور بعد ولی کی طرف سے کنواری لڑکی سے اجازت طلب

<sup>(۱)</sup> شرح المجلة: ص ۱۸۲      <sup>(۲)</sup> شرح المجلة: ص ۱۸۲      <sup>(۳)</sup> شرح المجلة: ص ۱۸۲

کرنے پر اس کا خاموش رہنا یعنی ایسی صورت میں کنواری لڑکی کی خاموشی اس کی رضا سمجھی جاتی ہے، اگر پہلے سے کچھ قرائیں ایسے موجود ہوں کہ لڑکی کی عدم رضامندی ظاہر ہو چکی ہو اور پھر ولی اجازت طلب کرے اور لڑکی خاموش رہے مگر چہرے کے تاثرات، کراہت اور ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہوں تو یہ خاموشی رضانہ بن سکے گی۔

۲..... لڑکی کا مہر وصول کرتے وقت خاموش رہنا۔

۳..... لڑکی نے قسم کھائی کہ شادی نہ کرے گی اور اس کے والد نے اس کی شادی کر دی اور وہ خاموش رہی تو وہ حانث ہو جائے گی۔

۴..... متصدق علیہ کا سکوت قبول تصور ہو گا مگر موہوب لہ کا نہیں۔

۵..... موہوب لہ کے قبضہ لینے کے وقت یا متصدق علیہ کے قبضہ لیتے وقت مالک کا سکوت۔

۶..... وکیل کا سکوت بھی قبول ہوتا ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو انکار صحیح ہو گا۔

۷..... مقرر لہ کا سکوت قبول ہو گا اور تردید بھی صحیح ہو گی۔

۸..... مفوض لہ کا سکوت قبول ہو گا تفویض کے معاملہ میں اور اس کو رد کرنے کا بھی اختیار ہو گا۔

۹..... موقوف علیہ بھی اسی طرح ہے مگر بعض لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

۱۰..... بیع تبلیغیہ میں متابعین میں سے ایک کا سکوت جبکہ بیچنے والا کہے کہ میں اس کو صحیح بنانا چاہتا ہوں تو سکوت قبول کے مترادف ہو گا۔

۱۱..... غنیمت کا مال لینے والوں میں تقسیم کے وقت پرانے مالک کا سکوت بھی رضا کھلا تا ہے۔

۱۲..... مشتری بالخیار نے جب دیکھا کہ اس کا غلام خرید و فروخت کر رہا ہے اور وہ خاموش رہا تو خیار ختم ہو جائے گا۔

۱۳..... ایسے باعث کا سکوت جس کو جس بیع کا حق ہو جب اس نے دیکھا کہ مشتری بیع

- پر قبضہ کر رہا ہے تو یہ قبضہ کرنا اجازت ہو گا خواہ بیع صحیح ہو یا فاسد۔
- ۱۳..... بیع کے علم کے بعد شفیع کا سکوت حق شفعہ کو ساکت کر دیتا ہے۔
- ۱۴..... کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کو اپنے گھر میں نہ پھرہائے گا مگر وہی شخص اس کے گھر آ کر پھر گیا تو مالک مکان حاصل ہو گا، اگر مالک نے اس کو نکل جانے کا حکم دیا مگر وہ نہ مانا اور پھر مالک خاموش رہا تو حاصل نہ ہو گا۔
- ۱۵..... عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس کا خاوند خاموش رہا اور مبارک باد دی تو اس بچے کے باپ ہونے کا اقرار ہو گا۔
- ۱۶..... عورت سے قبل جبکہ مال میں عیب کی خبر دی گئی مشتری کا سکوت عیب پر رضامندی شمار ہو گا بشرطیکہ خبر دینے والا عادل ہو فاسق نہ ہو۔
- ۱۷..... کنواری لڑکی کو خبر دی گئی کہ اس کا ولی اس کی شادی کر رہا ہے اور وہ خاموش رہی تو رضا شمار نہ ہو گی (کیونکہ یہ خبر ہے مشورہ نہیں ہے) یعنی محض خبر ملنے پر خاموشی کو قانونی طور پر رضامندی کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ با قاعدہ نکاح کی اجازت طلب کرنے پر خاموشی کو رضامندی سمجھا جاتا ہے۔
- ۱۸..... کسی نے رشتہ دار کو دیکھا کہ زمین یا مکان بیع رہا ہے اور مشتری نے اس میں کچھ عرصہ تصرف بھی کیا اور وہ خاموش رہا تو اس کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔
- ۱۹..... عاقل بچے کے ولی نے جب دیکھا کہ وہ خرید و فروخت کر رہا ہے اور خاموش رہا تو یہ اجازت ہو گی۔
- ۲۰..... مال نے باپ کے مال سے اس کی بیٹی کی شادی کے لیے سامان بنایا اور باپ خاموش رہا تو باپ اس مال کی واپسی کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔
- ۲۱..... عام عادت کے مطابق مال نے بیٹی کی شادی کے لیے سامان کی تیاری میں کچھ خرچ کیا اور باپ خاموش رہا تو مال اس مال کی ذمہ دار نہ ہو گی۔<sup>(۱)</sup>

(۱) الأشیاء والنظائر: القاعدة الثانية عشرة، ص ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴

## قاعدہ نمبر (۶۷)

دَلِيلُ الشَّيْءِ فِي الْأُمُورِ الْبَاطِنَةِ يَعْوُدُ مَقَامَهُ۔ (۱)

باطنی امور میں ان کی ظاہری دلیل کو حقیقت کا قائم مقام تصور کیا جائے گا۔

### شرح

بہت سے شرعی احکام اپنی علتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور ان علتوں کے ثبوت پر ہی ان احکام کا ثبوت مبنی ہوتا ہے، بعض مقامات پر یہ علتوں اتنی مخفی ہوتی ہیں کہ ان پر اطلاع پالینا بہت مشکل ہوتا ہے، لہذا ایسے مقامات پر شریعت نے ان علتوں کی علامات کو جوان پر دلیل ہوتی ہوں علتوں کا قائم مقام قرار دیا ہے، اور ان علامات کے ثابت ہونے پر حکم کا ثابت ہونا تصور کر لیا ہے، گویا حقیقی علت وجود میں آگئی ہو۔

### تفريعات

ا..... بیع میں کسی عیب پر رضامندی کا اظہار حکم شرعی کی علت ہے وہ اس طرح کہ مشتری کا باائع پر واپسی کا اختیار باطل ہو جائے گا لیکن چون کہ رضامندی ایک پوشیدہ امر ہے اس لیے شریعت نے مشتری کا ایسا عمل جو رضامندی پر دلالت کرتا ہو، مثلاً خرید کردہ شئی کی اصلاح شروع کر دینا یا کسی ضرورت کے لیے سوار ہو کر جانا (وغیرہ امور) رضامندی تصور کیا جائے گا اور واپسی کا خیار ساقط ہو جائے گا:

فالرضى بالعيوب مثلاً علة لحكم شرعى وهو سقوط خيار المشتري  
فى ردء على بايعه الا أن الرضا لما كان أمرًا باطنًا ليس فى وسع  
البشر الاطلاء عليه، جعل الشرع استعمال المشتري للمبيع من  
مداؤة أو لبس أو ركوب ل حاجته قائمًا مقام الرضا المسقط للخيار۔ (۲)

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۳ / شرح القاعدة الفقهية: القاعدة السابعة والستون، ص ۲۲۵

(۲) شرح المجلة: ص ۱۸۵

۲..... اسی قاعدے پر قصاص کا حکم شرعی بھی بنی ہے، قصاص کی حقیقی علت قاتل کے قتل کا قصد و ارادہ ہے لیکن یہ ایک باطنی امر ہے اس لیے شریعت نے قتل کے آله کو عمد کی دلیل قرار دیا ہے، چنانچہ جب کسی آله جارح سے جو جسم کے اعضا کو متفرق کرنے والا ہو قتل کیا گیا ہوگا تو قتل عمد کی دلیل ہوگا، چنانچہ اس دلیل کو شریعت نے حقیقی علت کے قائم مقام فرمادیا ہے اس کو فقهاء کی اصطلاح میں قیاس بالعلت کہا جاتا ہے، گویا علت کی دلیل سے معلوم کے وجود پر استدلال کر لیا جاتا ہے:

وعلى هذا القصاص، فإنه حكم شرعى علته تعمذ القاتل غير أن

التعتمد لما كان خفياً، جعل الشرع استعمال القاتل الآلة الجارحة

المفرقة لأجزاء دليلاً على التعتمد، فاقام دليل العلة مقام العلة في

(۱) اثبات المعلوم۔

۳..... طلب شفعة میں یہ شرط ہے کہ بیع کا علم ہوتے ہی فوراً شفعة کا مطالبہ کر دیا جائے اس کو طلب مواثیبہ کہتے ہیں، جس کی دلیل یہ قول ہے ”الشفعة لمن واثبها“، یعنی شفعة فوری مطالبہ کرنے پر ہوگا، لہذا اگر شفیع کو بیع کی اطلاع ملی اور وہ خاموش رہا مطالبہ نہ کیا تو اس سکوت سے اس کا حق شفعة باطل ہو جائے گا بشرطیکہ کوئی عذر موجود نہ ہو، درحقیقت شفعة کے حق کو جو امر باطل کرتا ہے وہ شفیع کے اعراض کا عمل ہوتا ہے چون کہ یہ عمل ایک باطنی امر ہے اس لیے سکوت کو اس کی دلیل قرار دے کر اس کا اعتبار کر لیا گیا ہے:

يشترط في طلب الشفعة أن يكون على فور العلم بالبيع وهو

المسمي طلب المواثبة، من قوله صلى الله عليه وسلم الشفعة لمن

واثبها فلو بلغه الخبر فسكت عن الطلب مع القدرة عليه، باطل

حق الشفعة فالمبطل في الحقيقة هو الاعراض عنها، لكن جعل

السکوت دلیلًا علیہ لأن الاعراض خفی لا يطلع علیہ۔ (۱) (۲)

۳..... ایک شخص نے بغیر دیکھے ہوئے کوئی چیز خریدی اس کو دیکھنے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ قیمت دے کر لے یا واپس کر دے لیکن اگر اس شخص نے اس بے دیکھے چیز میں کوئی ایسا تصرف کیا جو مالک اپنی مملوکہ شئی میں کیا کرتا ہے تو اب اس شخص کا خیار رویت باطل ہو جائے گا کیونکہ اس کا یہ تصرف رضامندی کی دلیل ہو گا:

و منها: ان من اشتري مالم يره فله خيار الروية اذ رآه، لكن إذا

تصرف في المبيع تصرف المالك سقط خياره، جعل تصرفه دليلاً

الرضا۔ (۳)

۵..... ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا اگر تو مجھ سے قلبی محبت کرتی ہے تو تجھے طلاق ہے، زوجہ نے جواباً کہا مجھے تجھ سے قلبی محبت ہے حالاں کہ زوجہ کے قلب میں اس کے خلاف کیفیت موجود تھی تو امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک عورت کو طلاق ہو جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت اور نفرت یہ باطنی امور ہیں ان کی حقیقت کا علم عورت ہی کی جانب سے ہو سکتا ہے، اس لیے طلاق کا تعلق عورت کے کلام سے ہو گا حقیقت پر مبنی نہ ہو گا اب عورت کا اطلاقی کلام موجود ہے (جو طلاق کا موجب ہے):

و منها قال لزوجته ان كنت تحبينى بقلبك فأنت طلاق، فقالت

أحبك بقلبي وفي قلبها غير ذلك يقع الطلاق عند أبي حنيفة رحمة

الله و أبي يوسف رحمة الله وجهه أن المحبة والكرابة لما كانا من

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۱

(۲) ثوث: "الشفعة لمن واثبها" یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافر مان نہیں ہے، بلکہ امام عمر رحمہما اللہ کا قول ہے، (دیکھئے: مصنف عبد الرزاق: کتاب البیویع، باب الشفیع یاذن قبل البیع، ج ۸ ص ۸۳، رقم الحدیث: ۱۲۲۰۶) حافظ ابن حجر رحمہما اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیحہ نہیں۔ (الدرایۃ: کتاب الشفعة، ج ۲ ص ۲۰۳، رقم: ۸۹۳) علامہ عین رحمہما اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ (البناۃ: کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصوصة فيها، ج ۱ ص ۳۰۰) امام محمد رحمہما اللہ نے اس قول کی نسبت قاضی شریعہ رحمہما اللہ کی طرف کی ہے۔ (الحجۃ علی اہل المدینۃ: کتاب الشفعة، باب الرجل یشتری شقصامن دار فیها شفعة، ج ۲ ص ۹۲)

(۳) شرح المجلة: ص ۱۸۷

الأمور الباطنة لا يوقف عليها الا من جهتها، تعلق الطلاق بنفس

(۱) الأخبار عنها دون الحقيقة، وقد وُجد-

۶..... ایک شخص کی بیوی کا بچہ پیدا ہوا، اس کے شوہر کو لوگوں نے ولادت کی مبارک  
بادی جس کو شوہر نے قبول کیا یا خاموش رہایا ولادت کی ضروریات مہیا کر دیں، پھر اس کے  
بعد اپنی ذات سے بچے کی نفع کی توجیہ انکار صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ اس کے سابقہ افعال و حالات  
سے اس کا اپنا بچہ ہونے کا اعتراف ہو چکا:

و منها لو وضعت زوجته ولدًا فهنؤة قبل التهنئة أو سكت أو ابتاء

آلة الولادة ثم بعد ذلك نفي سببه لا يصح نفيه لأن هذه الحالة

(۲) دليل الاعتراف فقامت مقامه۔

## قاعدہ نمبر (۶۸)

(۳) الْكِتَابُ كَالْخَطَابِ۔

تحریر خطاب کا درجہ رکھتی ہے۔

## شرح

خط و کتابت کے ذریعے طے کی گئی بات ایسی سمجھی جائے گی جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر  
طے کی گئی ہو، انسانی زندگی کے تمام امور آمنے سامنے بیٹھ کر طے کرنا دشوار ہوتا ہے اس لیے  
بے شمار معاملات بذریعہ خط و کتابت نمائادیے جاتے ہیں، اگر اس خط و کتابت کو قانونی  
حیثیت نہ دی جائے تو زندگی جمود کا شکار ہو جائے گی۔

البتہ بچہ ضروری ہے کہ خط و کتابت با قاعدہ ناموں کے ساتھ کی جائے، مضمون واضح  
اور پڑھنے جانے کے قابل ہو اور حتی الامکان جعل سازی کے امکانات کا انداد کر دیا گیا ہو

(۱) شرح المجلة: ص ۱۸۹      (۲) شرح المجلة: ص ۱۸۹

(۳) الأشياء والنظائر: أحكام الكتابة، ص ۲۲۲ / الهداية: كتاب البيوع، ج ۲ ص ۲۰

جس طرح کہ دفاتر، کمپنیاں، یا افراد با قاعدہ مطبوع لیٹر پیڈ پر خط و کتابت کرتے ہیں اور ان خطوط پر دستخط اور مہریں لگائیں جاتی ہیں۔

### فائدہ

البته عقد نکاح کی صورت میں اتنا اضافہ کرنا ہوگا کہ مکتب کے پڑھنے کے وقت قبول کرنے کے لیے دشہدوں کا موجود ہونا ضروری ہوگا، اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک مرد عورت کو خطاب کرتے ہوئے لکھے اور عورت کو جب یہ تحریر پہنچ تو دشہدوں کو حاضر کر کے ان کے سامنے اس تحریر کر پڑھتے ہوئے کہہ کہ میں نے اپنے نفس کو اس شخص (تحریر کننده) کی زوجیت میں دے دیا یا اپنی ذات کا اس سے نکاح کر دیا، لیکن اگر عورت نے شاہدوں کے رو برو محض اپنے قبول کی عبارت ادا کر دی کہ میں نے اپنی ذات کو اس کی زوجیت میں دیا تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ شاہدین کے سامنے ایجاد و قبول دونوں کلاموں کا موجود ہونا نکاح میں شرط ہے، چنانچہ مرد کی تحریر کو عورت کا پڑھ کر شاہدین کو سانا اور پھر اپنا قبولی کلام ادا کرنے سے دونوں حصے ایجاد و قبول ادا ہو جاتے ہیں اور اگر شوہر بننے والا شخص تحریر لکھ کر اس پر مہر لگا کر شاہدین کو یہ کہہ کر حوالے کرے کہ میری یہ تحریر فلاں عورت کی جانب لکھی ہوئی ہے تم اس پر گواہ رہنا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہ ہوگی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اس کو بھی جائز کہا ہے ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ تحریر میں لکھا ہوا مضمون شاہدوں کے علم میں لا یا جائے۔<sup>(۱)</sup>

### تفریعات

ا..... ایک شخص نے بغداد سے ایک مشقی شخص کو خط لکھا کہ میں نے دمشق میں اپنا فلاں مکان فلاں محلے میں جس کی یہ حدود ہیں اتنی قیمت پر تمہارے ہاتھ فروخت کیا، اور دوسرے نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ میں نے وہ مذکورہ مکان تم سے خرید لیا تو بیع اسی

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۰ فتح القدیر: کتاب البيوع: ج ۶ ص ۲۵۳

طرح منعقد ہو جائے گی جس طرح بالمشافہ کلام سے منعقد ہو جاتی ہے:

لو کان رجل فی بغداد فكتب الی آخر فی دمشق بعثک داری

الکائنة فی دمشق الی هی فی محلة کذا والمحدودة بکذا وکذا

والمرقومة بنمر وکذا بمبلغ کذا فكتب الیه الآخر اشتريت منك

الدار المذکورة یعنی العیون بینهما کالم مشافہ۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی اقرار نامہ کی تحریر کا حکم اقرار کے درجہ میں بحکم شریعت متصور ہو گا کیونکہ اقرار جس طرح زبان سے کیا جاتا ہے اسی طرح ہاتھ کی انگلیوں سے بھی انجام پاتا ہے چنانچہ اگر ایک شخص نے وثائق نولیں سے کہا میرے ذمہ فلاں شخص کے ایک ہزار روپیہ قرض ہونے کا اقرار نامہ میری جانب سے تحریر کر دیا یعنی نامہ یا طلاق نامہ تحریر کر دتو یہ اقرار کے لیے کافی ہو گا، البتہ حدود اور قصاص کے معاملے میں جائز نہ ہو گا:

الأمر بكتابه الاقرار اقرار حكما فانه كما يكون باللسان يكون

بالبيان، فلو قال للصكاك اكتب خط اقراری بآلف على او اكتب

بيع داري او طلاق امراتي صح، كتب أم لم يكتب، وحل للصكاك

أن يشهد، الا في حد وقود.<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے تحریر لکھ کر شاہدوں کو پڑھ کر سنائی یا کسی دوسرے شخص کو سنائی اور ان سے کہا کہ اس تحریر کے مطابق تم لوگ میرے اوپر گواہ رہنا یا شاہدوں کے سامنے تحریر لکھ کر یہی الفاظ کہے اور شاہدوں کو تحریر کے مضمون کا علم ہو گیا تو یہ اقرار صحیح ہو گا، البتہ اگر علم نہ ہو سکتا تو اقرار صحیح نہ ہو گا:

كتب وقرأ عند الشهود مطلقاً أوقرأ غيره وقال الكاتب اشهدوا

على به أو كتبه عندهم وقال اشهدوا على بما فيه وعلموا به كان

اقرار، والا فلا۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۱۹۰

(۲) شرح المجلة: ص ۱۹۰

(۳) شرح المجلة: ص ۱۹۰

## قاعدہ نمبر (۶۹)

**اَلِإِشَارَاتُ الْمُعَهُودَةُ لِلَاخْرَسِ كَالْبَيَانِ بِالْتِسَانِ۔** (۱)  
گونگے کے اشارے کا مفہوم زبان سے بیان کے درجے میں ہوگا۔

### شرح

یعنی گونگے کی ابرو یا آنکھ یا ہاتھ کا معین اشارہ اس کی گفتگو کے درجے میں متصور ہوگا  
چنانچہ نکاح، طلاق، اعتاق، بیع، شراء، رہن، بہبہ، ابراء، (یعنی بری الذمہ کروینا) اقرار،  
نکین، دعوی کا انکار، وصیت، وغیرہ تمام عقود کے احکام اس پر مرتب ہوں گے، فتح القدیر میں  
ہے کہ (ان پر احکام کا مرتب ہونا) احسان بالضرورۃ کہلاتا ہے کیونکہ اگر ان کا اعتبار نہ کیا  
جائے تو پھر ایک گونگا آدمی بھوک پیاس سے مر جائے گا اور اس کے جسم کی ستر پوشی کے لیے  
کوئی صورت ممکن نہ ہو سکے گی، نیز ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے عبادات میں اس کے  
اشاروں کو معتبر تصور کیا ہے، چنانچہ نماز میں جب وہ اپنے ہونٹوں کو قراءت کے لیے قراءت  
کے طریقہ پر حرکت دے گا تو اس کے نماز صحیح ہوگی، لہذا اسی طرح معاملات میں اس کے  
اشارے قابل اعتبار ہوں گے۔

علامہ زبیعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کلام پر قادر ہو بعض موقع میں اس کا اشارہ  
بھی بیان کا درجہ رکھتا ہے تو پھر جو شخص قادر ہی نہ ہو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟  
آپ غور فرمائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام فصحاء عرب سے زیادہ فصح تھے لیکن باوجود آپ  
نے مہینے کے (ایام کی تعداد بتانے کے لیے دست مبارک سے) اشارہ فرمایا کہ ہم کو بتایا  
”ہکذا و هکذا“ یعنی اس طرح اور اس طرح، اس کے ماسوی جب ایک شخص غائب ہو  
تو خطاب سے عاجز ہونے کی بناء پر اس کی تحریر خطاب کے درجے میں متصور ہوتی ہے، تو ایک  
گونگا اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے اشاروں کو وہ درجہ دیا جائے جو اس کے کلام کا ہو

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۲ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة التاسعة والستون، ص ۲۵۱

کیونکہ اس کا عجز غائب کے مقابلے میں زیادہ واضح ہے، اور بظاہر اس کی ذات کے لیے ایک لازمی امر ہو چکا ہے کیونکہ غائب شخص حاضر ہونے پر قدرت رکھتا ہے بلکہ اس کا حاضر ہو جانا زائد محتمل ہوتا ہے کیونکہ جو شخص سفر میں ہوا اور وطن سے غائب ہوا اس کے متعلق غالب خیال یہی ہوتا ہے کہ واپس آجائے گا، لیکن ایک گونگے سے اس کے گونگے پن کے منقطع ہونے کی امید نہیں ہوا کرتی تو جب ایک غائب کی تحریر ثبوت حکم کے لیے قبول کر لی جاتی ہے باوجود یہ کہ اس کے حاضر ہو جانے کی امید ہوتی ہے تو گونگا شخص جس کی گویائی کی کوئی امید نہیں اس حکم کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ وہ گویائی کی قوت ہی نہیں رکھتا اور اس کی ظاہری حالت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ گونگا پن اس کے لیے ابدی ہو چکا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گونگے کے جس اشارے سے طلاق واقع ہوگی اس سے وہ اشارہ مقصود ہے جس کے ہمراہ آواز نکالنا بھی شامل ہو کیونکہ گونگے شخص کی یہ عادت ہوتی ہے کہ اشارے کے ساتھ آواز بھی نکالتا ہے۔

چنانچہ عدالت کے خیال میں اگر گونگے کے اشارے کا مطلب واضح نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں عدالت پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے واقف کار ساتھیوں سے یا اس کے ہمسایوں و اقرباء سے (اشارے کے مطلب کا تعین کرے) اور یہ بھی لازم ہوگا کہ مطلب بیان کرنے والا شخص عادل ہو کیونکہ فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔

گونگے سے یہاں وہ گونگا مراد ہے جو پیدائشی طور پر ایسا ہو لیکن وہ شخص جو کسی وقت عوارض کی بنا پر ہوتا یا شخص مراد نہ ہوگا، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قسموں کے گونگے کا حکم ایک ہی ہے۔ علامہ زیلعي رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے کہ اشارہ عبارت کے اس وقت قائم مقام ہو گا جبکہ معین ہوا اور یہ امر پیدائشی گونگے میں موجود ہوتا ہے البتہ اگر یہ مرض مستقل ہو گیا جس کے بعد صحت کی کوئی امید باقی نہ رہی تو پھر اس کا معین اشارہ پیدائشی گونگے کی طرح قابل اعتبار ہو گا:

لأن الاشارة تكون بياناً من القادر أى في بعض الموضع، فما ظنك

من العاجز؟ الا ترى أن النبى صلى الله عليه وسلم كان أفصح العرب ومع هذا أنبأ بالاشارة بقوله الشهر هكذا ولأن الكتاب من الغائب إذا كان كالخطاب للعجز ففي حق الآخرين أولى، لأن عجزه أظهر ولزم عادة لأن الغائب يقدر على الحضور، بل يحضر ظاهراً لأن الظاهر من حال الغائب الحضور، والظاهر من حال الآخرين عدم زوال خرسه، فلما قبل الكتاب في حق الغائب في ثبوت الحكم مع رجاء الحضور، فلأن يقبل في حق الآخرين مع اليأس عن زوال الخرس أولى، والأخرين لا يقدر على النطق، والظاهر بقاوه على الدوام - قال في الفتح: ولا يخفى أن المراد من الاشارة التي يقع بها طلاقه الاشارة المقرونة بتصویت منه لأن العادة منه ذلك، فكانت الاشارة بياناً لما أجمله الآخرين - (١)

## قاعدہ نمبر (۷۰)

يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُتَرْجِمِ مُطْلَقاً - (٢)

مترجم کا قول مطلقاً قابل قبول ہوگا۔

## شرح

مترجم اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک زبان کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کرے، اس کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے کہ فریقین (مدعی اور مدعی علیہ) یا شاہدین میں سے عدالت کسی کی زبان نہ سمجھتی ہوایسی حالت میں ایک ایسا شخص مقرر کیا جاتا ہے جس کے واسطے

(١) شرح المجلة: ص ١٩٣ / تبیین الحقائق: کتاب الختنی، ایماء الآخرين و کتابته، ج ٢ ص ٢١٨  
فتح القدير: کتاب الطلاق، باب طلاق السنة، فصل: ویقع طلاق كل زوج اذا كان عاقلا بالغا،  
ج ٢ ص ٣٩٢

(٢) مجلة الأحكام العدلية: ٢٣ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعةون ص ٣٥٣

### عدالت ان کی بات کو صحیح سکے۔

قواعدے میں مطلقاً کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا یہ معنی ہے کہ جتنے عقود یاد عاوی یا دین یا اقرار، براءت، حلف یا انکار وغیرہ کے معاملات ہوں (ان سب میں) یہ قاعدة جاری ہو گا حتیٰ کہ حدود اور قصاص میں بھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مترجم جس کی عبارت کا ترجمہ کرتا ہے اس کی عبارت کا نقل ہوا کرتا ہے، مترجم کی عبارت اصل کی عبارت کا بدل نہیں ہوا کرتی تاکہ اس میں بدیلت کا شہرہ قائم ہو سکے اور اس وجہ سے حدود و قصاص میں قبول نہ کی جائے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مترجم صرف ایک عادل فرد ہوتا ہے تو کیا محض ایک عادل شخص کا قول قابل اعتبار ہو جائے گا؟ یا یہ کہ مترجم کے لیے شہادت کے نصاب کی ضرورت ہو گی امام عظیم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک محض ایک فرد کافی ہو گا اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نصاب شہادت کا ہونا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

### فائدہ

مترجم مقرر کرنے کا سلسلہ (زمانہ جاہلیت اور اسلام) دونوں میں ثابت رہا ہے جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک یہودی مترجم نے ترجمہ کرنے میں خیانت کی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع فرمائی، تو آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد سے مترجم کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے:

اتخاذ المترجم وقع في الجاهلية والاسلام، ولما جاء سلمان للنبي  
صلی اللہ علیہ وسلم ترجم يهودی کلامه فخان فيه، فنزل  
جبرئیل علیہ السلام بحدث طويل و أمر رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان یتعلم العبرانية، فكان  
يترجم بها۔<sup>(۲)</sup>

## وہ مسائل جن میں مترجم کا قول معتبر ہوگا

قاضی کے سامنے ایک عادل شخص کسی قیدی کے متعلق یہ اطلاع دے کر یہ شخص مفلس ہے یا جس شخص کو شاہد ہوں کی عدالت کی تحقیق کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کے متعلق خفیہ تحقیقات کرنے والا فرد قاضی کو شاہد کے متعلق کوئی اطلاع دے یا حج کا احرام منعقد کرنے والے کے شکار کے کفارے میں ایک شخص اس کی قیمت کا اندازہ بیان کر کے اطلاع دے یا کسی قسم کی دیت کے اندازے کی اطلاع دے یا آقا پنے غلام کو کسی جرم کی یا شفیع بیع کی یا کنواری عورت اپنے نکاح کی یا ایک ایسا مسلم جو دارکفر میں اسلام لایا ہوا و دارکفر میں ہی مقیم ہوا اسلام کے احکام بیان کرے یا کسی ششی کی خریداری کا خواہش منداں ششی میں کسی عیب کے ہونے کی اطلاع دے اور پھر اس ششی کو خرید لے، اس سے اس کا خیار عیب ساقط ہو جائے گا اور اگر باعث مشتری میں اس عیب کے ثبوت میں اختلاف ہو تو ایک عادل شخص کا یہ اطلاع دینا کہ اس کو تجارت سے منع کر دیا گیا ہے یا ایک شریک کو اس کی شرکت کے فتح کی اطلاع دی جائے یا حاکم کے معزول ہونے کی حاکم کو اطلاع دی جائے ان تمام مسائل میں مترجم کا قول معتبر ہوگا:

منها أخبار العدل القاضى بإفلاس المحبوس، وفي تزكية السر  
ودرسول القاضى الى المزكى، وتقويم الصيد الذى اتلفه المحرم،  
وتقويم الارش فى نحو الشجاع، واخبار السيد بجنایة عبدة، فلو  
باعه كان مختاراً للغداء، واخبار الشفيع بالبيع، والبكر بالنکاح  
والمسلم الذى لم يهاجر بالشرائع، والاخبار بعييب لمزيد شراء  
فليس له الخيار إذا اشتراه ولو اختلفا فى ثبوته يكتفى فى اثباته  
بقول الواحد العدل، وحجر ماذون، وفسخ شركة، وعزل قاض،  
وقول المترجم هنا۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۱۷)

لَا عِبْرَةَ بِالظَّنِّ الْبَيِّنِ خَطَّوْهُ۔<sup>(۱)</sup>

اس شبہ کا اعتبار نہ ہو گا جس کی بنیاد غلطی پر ہو۔

### شرط

اس قاعدے کے تحت جو جزئیات داخل ہوتی ہیں وہ مختلف الانواع ہیں، کیونکہ قاعدے کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جس ظن (گمان) کا خطہ ہونا واضح ہو گیا ہو اس ظن کا کوئی اعتبار نہ ہو گا اس مفہوم میں اجتہادی مسائل، عدالتی احکام اور لوگوں کے درمیان ان کے اپنے معاملاتی عقود و عبادات و اقرار کا پورا سلسلہ داخل ہو جاتا ہے، اور اب اس طرح تمام امور میں نفس الامر کا اعتبار کیا جانا معتبر ہو گا نہ کہ ایسے ظن کا جس کی خطہ واضح ہو چکی ہو کیونکہ جس امر کی بنیاد ایسے ظن پر ہو گی وہ اس دفعہ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہ ہو گا، مثلاً ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا اگر زید مکان میں ہو تو تجھے تین طلاق، پھر اس گمان کے پیش نظر کہ زید مکان میں نہیں ہے زوجہ کو اپنے ہمراہ لے کر چلا گیا، دوسرے دن معلوم ہوا کہ زید مکان میں موجود تھا تو اس کی زوجہ اس وقت سے مطلقہ ہو گی جس وقت اس نے یہ کلمات ادا کیے ہوں گے کہ اس وقت جبکہ یہ امر ظاہر ہو گا اور عورت کی (طلاق کی) عدت اس وقت سے شروع ہو جانا متصور ہو گی نہ کہ اظہار واقعہ کے وقت سے، چنانچہ مذکور مسئلے میں اس شخص کے ظن کا کوئی اعتبار نہ ہو گا بلکہ نفس الامر کا اعتبار ہو گا۔

### تفریعات

..... ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو اپنے مدیون (مقرض) سے اپنادین وصول

(۱) الأشیاء والنخان: القاعدة السابعة عشرة، ص ۱۵۸ حاشية الطحطاوى على مراتقى الفلاح: كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، ص ۶۷۶

کرنے کا وکیل مقرر کیا، اس کے بعد موکل نے اس وکیل کے علم میں بغیر لائے ہوئے اپنے مدیون سے دین معاف کر دیا اور وکیل مدیون سے وصول کر چکا تھا اور اب یہ وصول کردہ دین وکیل کے پاس ضائع ہو گیا تو اس کا موکل ضامن ہو گا، وکیل ضامن نہ ہو گا اور مدیون کو موکل سے رجوع کرنے کا حق ہو گا وکیل سے نہ ہو گا کیونکہ اعتبار نفس الامر کا ہوتا ہے نہ کہ اس ظن کا جس کا خطاب ہونا ظاہر ہو گیا ہو:

وَكُلَهُ بِقَبْضٍ دِينٌ لِهِ عَلَى رَجُلٍ، فَوَهْبُ الْمُوْكَلِ الْمَالَ لِلْمَدِيُونَ  
وَالْوَكِيلُ لَا يَعْلَمُ فَقْبَضًا مِنَ الْمَدِيُونَ فَهُلُكَ فِي يَدِهِ، يَرْجِعُ  
الْمَدِيُونَ عَلَى الْمُوْكَلِ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِمَا فِي نَفْسِ الْأَمْرِ لَا لِخَطْأِ  
الظُّنُونِ۔ (۱)

۲..... اگر ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے اس کے دعویٰ سے انکار کر دیا اور مال دے کر عورت سے صلح کرنی چاہی تو یہ صلح جائز نہ ہو گی، اگر صلح کا مال ادا کیا گیا ہو تو مرد کو یہ مال واپس کر دیا جائے گا، اس لیے کہ یہاں دو صورتیں پیش آتی ہیں۔ اول یہ کہ نکاح کو ثابت تصور کیا جائے، دوم یہ کہ ثابت نہ تصور کیا جائے، اگر نکاح کو ثابت تصور نہ کیا جائے تو مرد کا مال عورت کو بطور رشتہ دینا متصور ہو گا، اور اگر نکاح ثابت تصور کیا جائے تو اس صلح کو یہ تصور نہ کیا جائے گا کہ یہ مرد کی جانب سے علیحدگی (طلاق) ہے کیونکہ تفرقی کے لیے عورت کی جانب سے مال دیا جاتا ہے (جس کو خلع کہتے ہیں) مرد کی جانب سے نہیں دیا جاتا، لہذا جو مال مرد کی جانب سے دیا گیا ہو گا وہ کسی شئی کا معاوضہ نہیں قرار پائے گا اس لیے یہ ایک ایسا گمان ہو گا جو خطاب پر منی ہو گا:

كَذَلِكَ لَوْ ادْعَتْ عَلَى رَجُلٍ نِكَاحًا فَإِنَّكَرَ فَصَالِحُهَا عَلَى مَالٍ بِذَلِكِ  
لَهَا، لَا يَجُوزُ وَيُسْتَرْدَهُ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُوا: إِمَّا أَنْ يَكُونَ النِكَاحُ ثَابِتًا  
أَوْ لَا فَانِ لَمْ يَكُنْ ثَابِتًا كَانَ دَفْعُ الْمَالِ إِلَيْهَا مِنَ الرَّجُلِ فِي مَعْنَى

الرشوة، وان كان ثابتاً لا تثبت الفرفة بهذه الصلحة لأن العوض في الفرفة تعطيه المرأة لا الزوج، فلا يكون المال الذي تأخذة المرأة عوضاً عن شيء فلا يجوز فهو ظن بنى على الخطأ۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اگر ایک شخص نے دوسرے پر ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس دعویٰ سے انکار کرتے ہوئے ایک سور و پیسے کے بالعوض اس شرط پر صلح کی یہ اول (مدعی) کے حق میں ایک ہزار کا اقرار کر لے گا، تو یہ صلح اس شخص کی باطل ہو گی کیونکہ مدعاً یا تو اپنے دعویٰ میں صادق ہو گایا کاذب ہو گا اگر وہ صادق ہے تب تو مدعاً علیہ پر ایک ہزار روپیسے کا ادا کرنا لازم ہے اور اس پر سور و پیسے کا لینا رشوت قرار پایا جو کہ حرام ہے، اور اگر مدعاً کاذب ہے تو مدعاً علیہ کا ایک ہزار روپیسے کا اقرار کر لینا ایک ابتدائی معاملہ ہو گا اور یہ بھی جائز نہ ہو گا:

کذلک لوادعی علی انسان الفاً و انکر المدعی علیه فصالحه علی  
مائۃ درهم علی ان یقر له بالآلف، فهو باطل لأن المدعی لا يخلو:  
اما یکون صادقاً فی دعواه الآلف واما ان یکون کاذباً فان کان  
صادقاً فالآلف واجبة علی المدعی علیه، ويکون أخذ العوض علیه  
فی معنی الرشوة وانه حرام، وان کان کاذباً فی دعواه فاقرار  
المدعی علیه بالآلف التزام المال ابتداءً وانه لا یجوز۔<sup>(۲)</sup>

۴.....جب مدعاً، مدعاً علیہ سے یہ کہے کہ اگر تم قسم کھالو گے تو جس حق کا میں نے تم پر دعویٰ کیا ہے اس سے تم بری الذمہ ہو گے (یعنی میری طرف سے وہ تم کو معاف ہو گا) اس کے بعد مدعاً نے اپنے حق پر شہادت پیش کر دی تو یہ شہادت مقبول ہو گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ براءت میں دوا ختم قائم ہیں اول یہ کہ مال کے حق دعویٰ سے براءت مقصود ہو، دوم یہ کہ اس مال ہی سے براءت مقصود ہو، لہذا ان دوا ختم لوں کی وجہ سے معاملے میں شک پیدا ہو گیا اور شک کی حالت براءت کا سبب نہیں ہو سکتی (یعنی براءت کے ظن کا کوئی اعتبار نہ ہو گا):

كذلك لو قال المدعى للمدعى عليه: احلف وانت بربی من هذا الحق الذي ادعته او انت بربی من هذا الحق ثم اقام البينة قبلت بينته لأن قوله انت بربی يتحمل البراءة للحال اى بربی عن دعواه وخصومته للحال، ويتحمل البراءة عن الحق فلا يجعل ابراء عن الحق بالشك اى فلا عبرة لظن، ان هذا الابراء صحيح۔ (۱)

۵.....ایک شخص نے قسم کھائی (اس گلاس کا پانی نہ پیئے گا) اور گلاس میں پانی موجود نہ تھا اس صورت میں اگر قسم کھانے والے کو یہ معلوم نہ تھا تو ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک اس کی قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ قسم کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس امر پر قسم کھائی جا رہی ہو وہ موجود ہو اور اس صورت میں گلاس میں پانی موجود ہی نہیں ہے اور اسی پر قسم کھائی گئی تھی بلکہ اس کا وجود بھی اب محال ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ اس گلاس میں پانی پیدا فرمادے لیکن یہ پانی وہ نہ ہو گا جو اس شخص کے قسم کھانے کے وقت موجود ہوتا، لہذا یہاں نفس الامر کا اعتبار ہو گا غلط گمان کا اعتبار نہ ہو گا:

كذلك لو حلف ليشربين الماء في هذا الكوز ولا ماء فيه ان كان لا يعلم ذلك لاتنعقد يمينه عند ايمتنا الثلاثة لأن من شرائط ركن اليمين وجود المحلول عليه، وجود المحلول عليه هنا وهو الماء في الكوز ولا ماء مستحيل غير متصور الوجود والله تعالى وإن كان قادرا على خلق الماء، الا أن ذلك المخلوق لا يكون الماء الذي وقعت يمينه عليه فكان الاعتبار لنفس الأمر وهو عدم وجود الماء، لا لما ظنه خطأ بخلاف ما لو كان عالماً بعدم وجود الماء لأنه إذا كان عالماً فانما انعقد يمينه على ماء آخر يخلقه الله تعالى۔ (۲)

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۲

(۲) شرح المجلة: ص ۲۰۳

۶..... جب دو عادل شخص یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں نے زوجین کے درمیان رضاعت کی شہادت دی اور زوجین کے درمیان اس شہادت کی بنیاد پر تفریق کر دی گئی، اگر یہ تفریق دخول سے پہلے کی گئی ہو تو مرد پر مهر کے حق میں کچھ دینا لازم نہ ہو گا اس لیے کہ یہ ظاہر ہو گیا کہ زوجین کے درمیان نکاح، نکاح فاسد تھا اور اگر دخول کے بعد تفریق کی گئی ہو گی تو اب شوہر پر مقررہ مهر اور عورت کے مهر مثل سے جو مقدار کم ہو گی وہ دینا واجب ہو گا، لیکن عورت کے نفقة اور سکونت کے ذمہ دار نہ ہو گا جیسا کہ فاسد نکاحوں کا حکم ہے کیونکہ (اب) اعتبار نفس الامر کا ہو گا (زوجین کے) اس گمان کا نہ ہو گا جس کا خطہ ہونا ظاہر ہو گیا:

كذلك لو شهد رجالان عدلان أو رجل وامرأتان على الرضاع  
بين الزوجين وفرق بينهما فإن كان قبل الدخول بها فلا شيء لها  
لأنه تبين أن النكاح كان فاسداً، وإن بعد الدخول بها يجب بها  
الأقل من المسمى ومهر المثل، ولا تجب النفقة والسكنى كما في  
سائر الأنكحة الفاسدة، اعتباراً لنفس الأمر لا لما تبين من الظن  
الخطأ۔ (۱)

## قواعد نمبر (۷۲)

لَا حُجَّةٌ مَعَ الْإِحْتِمَالِ النَّاثِرِ عَنْ دَلِيلٍ۔ (۲)

اگر کسی ایسے امر میں جو بحث بن سکتا ہو کوئی ایسا احتمال پیدا ہو جائے جو دلیل سے ثابت ہو تو یہ امر بحث نہیں رہتا۔

## شرح

کسی چیز کے ثبوت کے لیے ایک دلیل پیش کی گئی مگر وہی دلیل ثبوت کی قطعیت کے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۰۳

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۳ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والسبعون، ص ۳۶۱

خلاف کسی احتمال کو جنم دے رہی ہو تو اس دلیل کو جھت نہیں مانا جاسکتا، اس اصول کے پیش نظر میاں بیوی، باپ، بیٹی یا خاص نوکر کی گواہی معتبر نہیں سمجھی جاتی کیونکہ خود ان کی گواہی اس احتمال کو پیدا کرتی ہے کہ یہ لوگ ذاتی اور خصوصی تعلق کی بناء پر جانب داری برداشت رہے ہوں یہ احتمال ان کی شہادت کو جھت قطعیہ نہیں بننے دیتا۔

## تفریعات

ا..... ایک شخص نے اپنے ورثاء میں سے کسی ایک وارث کے حق میں دین کا اقرار کیا اگر یہ اقرار مرض موت کی حالت میں کیا گیا ہوگا تو اس حالت میں جب تک دیگر ورثاء اس کی تصدیق نہ کر دیں اس وقت تک یہ اقرار قابل اعتبار نہ ہوگا، اس لیے کہ ایسے وقت کے اقرار میں یہ احتمال ہے کہ مریض نے اپنے اقرار کے ذریعہ دیگر ورثاء کو محروم کرنا چاہا ہوا اور یہ احتمال مریض کے مرض موت میں پیدا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور جو احتمال مریض کے مرض موت میں پیدا ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اور جو احتمال کسی دلیل سے پیدا ہوا س کے مقابلے میں یہ اقرار (جو خود اس کی دلیل سے قبل جھت ہو سکتا تھا) اب جھت نہ ہوگا لیکن اگر یہ اقرار بحالت صحیت کیا گیا ہوگا تو اس صورت میں قابل جھت ہوگا اور مذکورہ احتمال اب دلیل کے درجہ میں متصور نہ ہوگا بلکہ یہ ایک وهم کا درجہ پائے گا، اور جس احتمال کی بنیاد وہم ہو وہ (اقرار کے) جھت ہونے کے لیے مانع نہ ہوگا:

لو أقر أحد لأحد ورثته بدين فإن كان في مرض موته لا يصح ما لم يصدقه باقي الورثة وذلك لأن احتمال كون المريض قد  
بهذا بالاقرار حرمانسائر الورثة مستند إلى دليل كونه في  
المرض وأما إذا كان الاقرار في حال الصحة جاز واحتمال اراده  
حرمانسائر الورثة حينئذ من حيث أنه احتمال مجرد ونوع من  
التوهم لا يمنع حجية الاقرار۔<sup>(۱)</sup>

۲.....ایک شخص نے مکان خریدا جس پر شفیع کو شفعت کا حق حاصل تھا، اور شفیع نے اب تک شفعت کے لیے کوئی مخاصمت نہ کی تھی خریدار نے خریداری کے وقت یہ کہا تھا کہ یہ مکان میں فلاں کے لیے خرید رہا ہوں اور پھر اس فلاں کے سپرد بھی کر دیا تھا اس کے بعد شفیع حاضر ہو گیا تو اب یہ شفیع اس خریدار کا فریق مقابل نہ ہو سکے گا، کیونکہ خریدار نے پہلے ہی سے بذریعہ اقرار یہ اطلاع دے دی تھی کہ وہ شفیع کا مقابل نہیں ہے، لہذا تھمت کا احتمال موجود نہ ہونے کی بناء پر اس خریدار کا اقرار صحیح ہو گا اور کوئی ایسا احتمال جو دلیل سے پیدا ہو رہا ہے اس حالت میں مقابل اعتبار نہ ہو گا:

و منها لو اشتري دارا لها شفيع، و قبل أن يخاصمه الشفيع في الشفعة  
قال: إنما اشتريتها لفلان وسلم اليه ثم حضر الشفيع فلا خصومة  
بينه وبين المشتري لأنه أقر قبل أن يكون خصمًا للشفيع فصح  
اقراره لأنعدام التهمة، ولم يعارضها احتمال ناشي عن دليل۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اسی قاعدے کے جزئیات میں سے یہ جزئیہ بھی ہے کہ ظاہر حال جحت ہوا کرتا ہے لیکن تعارض کے موقعہ پر اس کے مختلف درجات وجود میں آ جاتے ہیں، چنانچہ قوی کے مقابلے میں ضعیف جحت نہ ہو سکے گا، ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نادر محتاج ہے لیکن اس کے مکان میں ایک ایسا غلام دیکھا گیا جس کے پاس روپوں کی تھیلی تھی، اس تھیلی کا دعویٰ ایک مالدار شخص نے کیا یہ شخص مالداری میں مشہور اور معروف تھا، اور اس کے مقابلے میں اس نادر شخص نے اس تھیلی کی اپنی ملکیت ہونے دعویٰ کیا تو اس صورت میں مالدار کا دعویٰ اس تھیلی کے حق میں قابل قبول ہو گا:

ومن فروع القاعدة أيضًا ظاهر الحال فإنه من الحجج الشرعية لكن  
تفاوت درجاته عند التعارض، فالضعف دلالةً لا حجية له مع  
الأقوى، قال في التنوير آخر باب التحالف: رجلٌ معروفٌ بالفقير

والحاجة صار بيدة غلام وعلى عنقه بدرة وذلك بداره، فادعاه

رجل معروف باليسار، وادعاه صاحب الدار فهو للمعروف باليسار۔ (۱)

۳..... ایک خادم جو مکان کی صفائی پر مقرر ہوا س کے کا ندھے پر ایک کپڑا موجود ہو وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ کپڑا اس کی اپنی ملکیت ہے، اور مالک مکان یہ دعویٰ کرے کہ یہ میری ملکیت ہے تو یہ کپڑا مالک مکان کا متصور ہو گا۔ ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں، اس کشتی میں آٹے کی بوریاں موجود ہوں ان دونوں میں سے ہر ایک شخص یہ دعویٰ کرے کہ کشتی اور اس میں رکھا ہوا مال میرا ہے لیکن ان دونوں میں سے ایک شخص کے متعلق یہ معروف و مشہور ہو کر وہ آٹے کا تاجر ہے اور دوسرا کشتی کا ملاح ہے تو اب فیصلہ یہ ہو گا کہ آٹے کی بوریاں تاجر کی اور کشتی ملاح کی تصور کی جائے تاکہ ظاہر حال پر مکمل عمل ہو سکے، ان مسائل میں یہ واضح ہے کہ دو فریق کے درمیان ظاہر حال کو جدت قرار دیا گیا ہے (اور ہر مسئلہ میں ظاہر حال دو ہیں) جن کے مجملہ ایک قوی اور دوسرا اس کے مقابلے میں ضعیف ہے، چنانچہ قوی کے مقابلے میں ضعیف کو جدت نہیں گردانا گیا کیونکہ قوی میں ایسا احتمال ہے جو دلیل سے پیدا ہوا ہے:

وَكُذا كَنَّاسٌ فِي مَنْزِلِ رَجُلٍ وَعَلَى عَنْقِهِ قَطِيفَةٌ يَقُولُ الذِّي عَلَى

عَنْقِهِ هِيَ لِي، وَادْعَاهُ صَاحِبُ الْمَنْزِلِ فَهِيَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ، رَجُلٌ

فِي سَفِينَةٍ بِهَا دِقْيَقٌ فَادْعَى كُلَّ وَاحِدٍ السَّفِينَةَ وَمَا فِيهَا وَاحِدٌ هُمْ

يَعْرُفُ بِبَيْعِ الدِّقْيَقِ وَالآخَرُ يَعْرُفُ بِأَنَّهُ مَلاَحٌ، فَالْدِقْيَقُ لِلَّذِي

يَعْرُفُ بِبَيْعِهِ، وَالسَّفِينَةُ لِمَنْ يَعْرُفُ بِأَنَّهُ مَلاَحٌ عَمَلاً بِالظَّاهِرِ۔

وَلَا يَخْفَى أَنَّ كُلَّ وَاحِدَةً مِنْ هَذِهِ الْمَسَائلِ يَشَهَدُ فِيهَا ظَاهِرُ الْحَالِ

لِمُتَنَازِعِينَ، وَلِهِ جَهَتَانِ احْدَاهُمَا أَقْوَى مِنَ الْأُخْرَى فَلَا حِجَةٌ

لِلْأَضْعَفِ مَعَ الْأَقْوَى لِأَنَّهُ احْتِمَالٌ نَّاشِيٌّ عَنْ دَلِيلٍ۔ (۲)

۵..... مرض موت میں دی گئی طلاق تسلیم نہیں کی جاتی اگرچہ بعض فقہاء اس طلاق کو

تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی وجہ سے عورت کو حق و راشت سے محروم نہیں کرتے۔

۶..... اگر زید نے مرض موت میں ایسے قرضے کا اقرار کیا کہ اس کی وجہ سے دوسرے قرضے متاثر ہوں جن کا اقرار حالت صحت میں ہو چکا تھا اور مال ترک تھوڑا ہو کہ سارے قرضے پورے نہ ہو سکتے ہوں، تو پہلے وہ قرضے ادا کیے جائیں گے جن کا اقرار حالت صحت میں ہو چکا تھا اگر مال بچا تو پھر مرض موت میں کیے گئے اقرار والے قرضے کو نہ مٹایا جائے گا۔

## قاعدہ نمبر (۳۷)

لَا عِبْرَةَ لِلتَّوْهِمِ۔<sup>(۱)</sup>

وَهُمْ كَأَكُلَّ اعْتِباْرِنِيْسِ۔

## شرح

شریعت نے محض عقلی احتمالات، توہمات اور خیالی غیر واقعی باتوں کو قانونی حیثیت دینے سے انکار کیا ہے، کیونکہ انسانی زندگی کے تمام معاملات میں عقلی احتمالات تو موجود رہتے ہیں اگر ان کو معتبر قرار دے دیا جائے تو پھر کوئی بھی فیصلہ کرنا ممکن نہیں رہے گا جب ہم کسی چیز کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں تو عقلی احتمال موجود رہتا ہے کہ حقیقت حال اس فیصلے کے برعکس ہو، اب اگر اس عقلی احتمال کا اعتبار کیا جائے تو کبھی بھی فیصلہ نہیں کیا جاسکے گا۔

## تفصیلات

۱..... ایک شخص پر قبلہ کی جانب مشتبہ ہو اور وہ بغیر تحری (اجتہاد) کسی ایک جانب نماز ادا کرے تو اس کی یہ نماز صحیح نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ ادا بیگنی محض وہم کی بنیاد پر کی گئی ہوگی (اور وہم قابل جحت نہیں ہوتا):

لَا شَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ إِلَى جَهَةِ بَدْوَنِ تَحرِرٍ وَاجْتِهَادٍ لَا تَصْحُ

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۵۲ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والسبعون، ص ۲۶۳

صلاته لأنَّه على مجرد الوهم۔<sup>(۱)</sup>

۲..... جب گواہ شہادت دینے کے بعد غائب ہو جائیں یا فوت ہو جائیں اور یہ شہادت کسی معاملے سے متعلق ہو تو حاکم کے لیے جائز ہو گا کہ ان شاہدؤں کے عادل ہونے کی تحقیقات کے بعد ان کی شہادت پر فیصلہ کر دے یعنی اپنے فیصلے کو موئخنة کرے اس احتمال کی بنیاد پر کہ ممکن ہے شاہدین کسی وقت واپس آ کر اپنی شہادت سے رجوع کر لیں، اس لیے کہ یہ احتمال ایک وہم ہو گا اور وہم قابل اعتبار نہیں ہوتا:

إذا مات الشهود أو غابوا بعد أداء الشهادة في المعاملات فللحاكم

أن يزكيم ويحكم بشهادتهم أى فلا يُؤخر ل manusi إذا حضروا

يرجعون عن شهادتهم، لأن هذا أمرٌ موهوم فلا عبرة له۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص اپنا ترکہ دین میں مستغرق چھوڑ کر فوت ہو گیا اور قرض خواہوں نے عدالت سے مطالبه کیا کہ متزوکہ کوفروخت کر کے ان کا دین ادا کیا جائے، تو حاکم کو فیصلہ کرنا ہو گا فیصلہ کو موقوف نہ رکھے گا یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے (ان قرض خواہوں کے مساوا) اور کوئی قرض خواہ پیدا ہو جائے اس لیے کہ یہ محض وہم ہو گا اور وہم قابل اعتبار نہیں ہوتا:

فلو مات مدييون عن تركه مستغرقة بالديون، وطلب الغرماء من

القاضى بيعها وتقسيم أثمانها بينهم بالغرامة، يفعل ولا يؤخر

العمل بمجرد احتمال ظهور دائن آخر، اذا لا عبرة للتوجه۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ایک مکان میں دو شخصوں کو شفعت کا حق حاصل ہے ان دونوں شفیع میں سے ایک حاضر ہے اور دوسرا غائب ہے، تو حاضر شفیع کو اپنے شفعت کے ذریعہ پورا مکان لینے کا حق حاصل ہو گا اس لیے کہ اس کے اپنے شفعت کا حق اس کو مکمل طور پر (مستقل) حاصل ہے اور یہی اس کے شفعت کا سبب ہے، اور اس کے مطالبة شفعت سے یہ حق مزید موکد ہو جائے گا لیکن جو شفیع غائب ہے اس کے حق کا موکد ہونا غیر معلوم ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ شفعت کا مطالبة کرے

(۱) شرح المجلة: ص ۹ (۲) شرح المجلة: ص ۹ (۳) شرح المجلة: ص ۹

اور ہو سکتا ہے کہ نہ کرے بلکہ اعراض کر جائے اس لیے کہ غائب کا حق حاضر کے حق سے متعارف اور متزاحم نہیں ہو سکتا، کیونکہ حاضر کا حق ثابت و پختہ ہے ایسے حق کو وہ حق جس کی پختگی و ثبوت موبہوم ہوا اور ان دو گیفتتوں کا محتمل ہو سک طرح مانع ہو گا لہذا حاضر شفیع کے حق میں (اس کے مطالبہ پر) اس کے حق شفیع کے موکد و ثابت ہونے کی بناء پر فیصلہ کرو یا جائے گا اور نہ کو روہم قابل اثر انداز نہ ہو گا:

الدار شفیعان واحد هما غائب فللحاضر ان يأخذ كل الدار  
بالشفعة، لأن سبب ثبوت الحق على الكمال وجد في حقه وقد  
تأكد بالطلب، ولم يعرف تأكيد حق الغائب لأنه يحتمل أن يطلب  
وأن لا يطلب أو يعرض فلم يقع التعارض والتزاحم فلا يمنع  
الحاضر من استيفاء حقه الثابت المتأكد بحق يحتمل التأكيد  
والعدم بل يقضى له بالكل عملاً بكمال السبب من غير تعارض  
ولا عبرة للوهم۔<sup>(۱)</sup>

۵.....ایک شخص نے اپنی کنیز کے حمل کے حق میں کہا کہ یہ حمل آزاد ہو گا، چنانچہ اگر اس کلام کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں کنیز کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تب تو بچہ آزاد ہو جائے گا، لیکن اگر پورے (۲) ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا تو آزاد نہ ہو گا اس لیے کہ (۲) ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے کی صورت میں ہم کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آزادی کے کلام کے وقت بچہ کنیز کے بطن میں موجود تھا، کیونکہ (۲) ماہ سے کم میں کسی عورت کے بچہ کی تولید (شرع) نہیں ہوا کرتی، لیکن زائد مدت میں پیدا ہونے کی صورت میں بچہ کا بوقت کلام آزادی حمل میں موجود ہونا مشکوک ہو گا اس لیے اس قاعدے کی بنیاد پر قابل اعتبار نہ ہو گا، اور اس پر (شرعی) حکم کی بنیاد نہ رکھی جاسکے گی:

قال لجارية مملوكة له، حمل هذه الجارية حر، فإن ولدت لأقل

من ستة أشهر من وقت التكلم عتق، وان ولدت لستة أشهر فصاعداً لم يعتق لأنها إذا ولدت لأقل من ستة أشهر من وقت اليمين، تيقناً بوجوده في ذلك الوقت لأن المرأة لا تلد لأقل من ستة أشهر، وان ولدت لأكثر، حصل الشك في وجوده ولا عبرة له فلا يبقى عليه حكم۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ کسی مکان سے گھبرا یا ہوا مہوش حالت میں خون آلو چھپرا لیے ہوئے باہر نکلا، پھر اس مکان میں لوگوں نے دیکھا کہ ذبح کی ہوئی ایک لاش پڑی ہے تو اس شخص کی سابقہ حالت اس امر کا قطعی قرینہ ہو گی کہ وہی (اس مقتول) کا قاتل تھا، لہذا اس موقع پر دیگر وہی احتمالات کا مثلاً ممکن ہے کہ مقتول نے خود ہی اپنے آپ کو ہلاک کیا ہو کوئی اعتبار نہ ہو گا:

إِذَا خَرَجَ أَحَدٌ مِّنْ دَارِ خَالِيَّةٍ خَائِفًا مُدْهُوشًا وَبِيَدِهِ سَكِينٌ مَّلُوْنَةٌ  
بِالدَّمِ فَدَخَلَ الدَّارَ، وَرُءُوْيِ فِيهَا شَخْصٌ مَذْبُوحٌ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ، فَلَا  
يُشْتَبِهُ فِي كُوْنِهِ قَاتِلُ ذَلِكَ الشَّخْصِ، وَلَا يُلْتَفِتُ إِلَى الْاحْتِمَالَاتِ  
الْوَهْمِيَّةِ الْصَّرْفَةِ كَانَ يَكُونُ الشَّخْصُ الْمَذْكُورُ قَتْلَ نَفْسِهِ۔<sup>(۲)</sup>

۷..... ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا اگر تو مجھ کو ایک من گندم ادا کر دے تو تو آزاد ہے، غلام نے اپنے اس آقا کو ایک من گندم عمدہ قسم کی اس طرح ادا کر دی کہ ان پر قبضہ کر لینے میں کوئی مانع موجود نہ تھا لیکن آقا نے ان پر قبضہ نہ کیا تو غلام کی ادا یہی صحیح متصور ہو گی کیونکہ (فقہاء کے نزدیک) تخلیہ بھی استحساناً قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، لیکن اگر غلام نے روی قسم کی گندم مذکورہ طریقے پر ادا کی تو جب تک آقا کی جانب سے صراحت کے ساتھ قبول نہ کیا جائے اس وقت تک اس کا قبضہ متصور نہ ہو گا اور غلام آزاد نہ ہو گا، کیونکہ اس صورت میں (تخلیہ کو) حقیقی قبول کا درجہ دینا ایک وہی امر ہو گا جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوا کرتا:

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۰

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۱

قال لعبدة ان أديت الى كرًا من حنطة فانت حر، فادى اليه كرًا من حنطة جيدة، وخلى بينه وبين الكر، يكون أداءً وان لم يقبضه بيده لأن التخلية تعد قبضًا استحسانًا لكن لو ادعى اليه حنطة رديئة لا يكون مجرد الوضع بين يديه قبضاً بل لا بد من صريح القبول، فإن لم يوجد القبول صراحةً لا يعتق، لأن حقيقة القبول في هذه الصورة من المحتملات المتوقعة، فلا عبرة لها۔<sup>(١)</sup>

۸.....ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو زخمی کر دیا کچھ عرصہ بعد مجروح اس زخم سے تندrst ہو گیا اس کے بعد کسی وجہ سے اس مجروح کا انتقال ہو گیا مجروح کے ولی نے جارح سے قصاص لینے کا دعویٰ کیا اس وہم کی بناء پر کہ مجروح کی موت کا سبب وہی جارح کے زخم بنے ہیں تو ولی کا یہ دعویٰ مسموع نہ ہو گا کیونکہ یہ دعویٰ شخص وہم پر مبنی ہے:

جرح انساناً ثم ان المجروح بعد ان قام أيامًا وبرا من الجرح مات  
لاعن شيء من الجراحة بأجله، فطلب وارثه القصاص من الجراح  
بمجرد توهّم أنه مات من الجرح لا تسمع دعواه بناء على التوهّم۔<sup>(٢)</sup>

۹.....ایک شخص نے اپنے مکان کے کسی حصہ میں لکڑیاں یا بھوسا بھر دیا، اس شخص کے ہمسایہ کو یہ خیال ہوا کہ اگر ان لکڑیوں یا بھوسے میں آگ لگ گئی تو اس کے مکان کو نقصان پہنچ گا تو اس وہم کی بناء پر ہمسایہ کو یہ حق نہ ہو گا کہ اس شخص کو لکڑیاں یا بھوسے رکھنے سے منع کرے:

ومنها أراد أحدٌ أن يضع في محل من دارة تبناً أو حطباً فأراد جارة  
منعه باحتمال انه إذا احترق يسرى احراقه، ليس له منعه۔<sup>(٣)</sup>

## قاعد نمبر (۲۷)

الثَّابِتُ بِالْبُرُهَانِ كَالثَّابِتِ بِالْعَيْانِ۔<sup>(۱)</sup>

جبات دلائل قطعیہ سے ثابت ہوگی وہ یعنی طور پر ثابت شدہ ہوگی۔

### شرح

قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ جو امر شرعی دلائل سے ثابت ہوگا وہ ایسا تصور کیا جائے گا جیسا کہ معاینہ (مشاهدے) سے ثابت ہوا ہو یعنی وہ اس درجہ کی دلیل ہوگا جس سے کسی ذمہ پر حکم لازم کیا جاسکے، چنانچہ جس طرح ایک شخص حاکم کے روبرو کسی دوسرے شخص کے کسی حق کا اقرار کرے تو حاکم پر اس اقرار سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس حق کے لازم ہو جانے کا اس (مقر) پر فیصلہ کر دے، اسی طرح جب مکفر فرقہ کے مقابلے میں اس کا مقابل فرقہ اپنے حق کے ثبوت میں شہادت پیش کر دے یا مقابل فرقہ کے اقرار پر شہادت پیش کر دے تو حاکم پر اپنے معاشرہ کی طرح لازم ہوگا کہ اس شرعی جھٹ کے پیش نظر فیصلہ دیدے، دونوں جھتوں میں کوئی فرق متصور نہ ہوگا کیونکہ جو امر برہان سے ثابت ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ معاینہ سے ثابت ہوا ہو۔

### تفصیلات

- ۱..... زید نے اس بات پر معتبر جھٹ قائم کر دی کہ فلاں شخص نے فلاں چیز کا اقرار کر لیا تھا تو اب یہ اقرار اسی طرح سمجھا جائے گا جس طرح عدیہ کے سامنے اقرار کیا گیا ہو۔
- ۲..... مدئی نے اس بات پر کافی اور ضروری شہادت مہیا کر دی کہ مدئی علیہ نے اس کی اس قدر رقم دینی ہے تو اب اس کا حکم اس طرح ہوگا جس طرح کہ عدیہ کے سامنے مدئی علیہ نے اقرار کیا ہو۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ : شرح القواعد الفقهية: القاعدة الرابعة والسبعون، ص ۳۶۷

۳..... زید نے کہا کہ عمر و کے ذمہ جو قرضہ ہے میں اس کا خاص من ہوں اور وضاحت نہ کی کہ کس قدر قرضے کی رقم کا خاص من ہے بعد میں عدیہ کے سامنے مکمل ثبوت پیش کر دیا گیا کہ قرضے کی رقم ایک لاکھ روپے تھی، تو زید پوری رقم کا اس طرح خاص من ہو گا جس طرح اس نے وضاحت کے ساتھ اقرار کیا ہوا کہ وہ ایک لاکھ روپے کا خاص من ہے۔

## قواعدہ نمبر (۵۷)

**البَيِّنَةُ لِلْمَدْعِيِّ وَالْمَيْمَنُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔** (۱)

دلائل کا پیش کرنا مدعی کا کام ہے اور تم اس کے لیے ضروری ہے جو انکار کرے۔

## ماخذ

یہ قاعدة درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ ہیں جو آپ نے ارشاد فرمائے:

**البَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَعِيِّ وَالْمَيْمَنُ عَلَى الْمُدَعَى عَلَيْهِ۔** (۲)

## شرح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو مدعی کی جھت قرار دیا ہے اور مدعی علیہ کی جھت میمن کو مقرر فرمایا ہے، اور یہی امر معقول بھی ہے اس لیے کہ مدعی ایک پوشیدہ امر کا دعویٰ کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس پوشیدہ امر کو واضح و ظاہر کرے، اور بینہ میں اظہار (وضاحت) ہوتی ہے کیونکہ یہ ایسے افراد کی اطلاع ہوتی ہے جو فریق کی حیثیت نہیں رکھتے

(۱) المبسوط: کتاب أدب القاضی، ج ۱ ص ۲۵ / بدائع الصنائع: کتاب الدعوی، فصل فی حجۃ المدعی والمدعى علیہ، ج ۶ ص ۲۲۵

(۲) سنن الترمذی: أبواب الأحكام، باب ماجاء أن البينة على المدعى، ج ۳ ص ۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۳۱

اور یہ شاہدین ہوا کرتے ہیں لہذا ان کو مدعی کی جھت قرار دیا گیا اور یہ مدعی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نام سے مؤکد و موثق ہوتی ہے لیکن (مدعی کے) فریق مقابل کا کلام ہوتا ہے، لہذا حق کے ظاہر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ مدعی علیہ کی جھت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ جو امر پہلے سے ظاہر ہے مدعی علیہ اسی سے اپنے قول پر جھت لا رہا ہے اور یہ امر اس کا ظاہری بقسطہ و تسلط ہے لہذا مدعی علیہ کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ اس امر کے دوامی ہونے کو ثابت (ومؤکد) کر دے اگرچہ یہ ضرورت بھی معاملے کے ایک فریق کے کلام سے ہی ثابت ہو رہی ہے لیکن کسی سابقہ امر کے دوام اور ثبوت کے لیے کافی ہو گی، چنانچہ بینہ کا مدعی کی جھت ہونا اور یہ مدعی علیہ کی جھت ہونا عقل کا اقتضاء بھی ہے، اور ہر شی کو اس کے مرتبہ پر رکھنا حکمت کا مقتضانہ بھی ہے بلکہ اسی کو حکمت کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو امع المکرم کلمات میں سے ایک کلام یہ بھی ہے، علامہ شمس الدین سرخی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے فقہاء نے اس قدر مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ان کے بیان کرنے کے لیے دفتروں کی ضرورت ہے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی اور مدعی علیہ ہر دو کے درمیان فرق ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے، یہ حدیث احکام عقلیہ و شرعیہ دونوں پر مشتمل ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ”البینة على المدعى“ یعنی گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ پر ہے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ محض دعویٰ سے مدعی اپنے مطلوب کا مستحق قرار نہ پائے گا، اور یہ ایک معقول امر ہے کیونکہ مدعی کا کلام ایک ایسی اطلاع ہوتی ہے جس میں صدق و کذب دونوں کا اختیال ہوتا ہے اور ایک اختیال کلام جھت نہیں ہو سکتا، جس سے معلوم ہوا کہ اس کلام کی وضاحت کی ضرورت ہے (اور یہ بینہ ہے) اور یہی امر شرعی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بینہ (گواہ) کا کلام بھی خبر ہوتا ہے اس حیثیت سے شاہدوں کے عادل ہونے کے باوجود صدق و کذب کا محتمل ہوتا ہے کیونکہ شاہدوں کو معصوم نہیں کہا جا سکتا، لہذا بینات (شاہدوں) کے ذریعہ دعویٰ

کا ثبوت شرعی حکم پر مبنی ہوا۔ (اس لیے شرعی قرار پایا) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ”والیمین علی المدعی علیه“ یعنی (قسم کھانا) مدعاً علیہ کے ذمہ ہے، اس امر کی دلیل ہے کہ مدعاً علیہ کا قول، قول معتبر ہوگا اس لیے کہ وہ اصل حقیقت کا قائل ہے کیونکہ انسان کا دوسرا کے حق سے بربادی کی نفع کی نظر میں اس کے لیے اصل قرار دیا گیا ہے یا مدعاً علیہ کا انکار اپنی مقبولہ شستی سے مدعاً کے حق کی نفع کرنا ہے اور یہ امر عقلی ہے (یعنی عقل یہی کہتی ہے کہ مدعاً علیہ کا انکار مدعاً کے حق کی نفع ہے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اس امر کا ثابت ہونا کہ مدعاً علیہ کی قسم اس کے قول کی مؤید ہوگی اور یعنی اس پر لازم ہوگی یہ شرعی حکم ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ مدعاً علیہ نے مدعاً کے حق کا انکار کر کے اس کے حق کو ضائع کرنا چاہا ہے، لہذا شریعت نے مدعاً کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے مقابل سے قسم لے تاکہ قسم کے ذریعہ فریق مقابل (مدعاً علیہ) اپنی جان کو ضائع کرنے پر تیار ہو جائے، چنانچہ اگر مدعاً علیہ کاذب ہوا تو جھوٹی قسم سے غضب الہی کا مستحق ہو کر اپنی جان کو ضائع کرنے والا ہوگا، اور یہ ضائع ہونا مدعاً کے حق کے ضائع ہونے کا معاوضہ ہو جائے گا، چنانچہ ایک کی ہلاکت دوسرا کی ہلاکت کا معاوضہ ہو جائے گی اور اگر مدعاً علیہ صادق ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا نام عظمت کے ساتھ لینے سے ثواب کا مستحق ہوگا جس کی بناء پر اس کو کسی قسم کا ضرر لاحق نہ ہوگا۔

اس حدیث میں بینہ کے لفظ کو الف لام کے ساتھ استعمال فرمایا گیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ہر قسم کے بینات مدعاً کی طرف سے پیش ہوں گے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ مدعاً علیہ کی جانب میں بینہ کی کوئی جنس باقی نہیں رہی (جس کو وہ پیش کر کے) کیونکہ کلام عربی کا یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب کسی کلمہ پر الف لام تعریفی داخل ہو تو حقیقت پر محمول کرنے سے قبل اس کو (افراد کے) استغراق پر محمول کیا جائے گا بشرطیکہ (افراد کے) تعین کا کوئی قرینہ موجود نہ ہو، اور حدیث کی مذکورہ عبارت میں افراد کے تعین کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

اسی طرح مدعی علیہ کی جانب میں یمین کے لفظ کو الف لام کے ذریعے معرفہ بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی یمین مدعی علیہ کے ذمہ عائد ہوگی، مدعی کے ذمہ پر کسی قسم کی یمین نہ ہوگی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو فریق مقابل کی ذمہ داریوں کی ان کے حق میں مطلقاً تقسیم فرمادی جس کا مقتضی یہ ہے کہ ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ اس پر عائد شدہ ذمہ داری میں شریک نہ ہو سکے گا کیونکہ تقسیم شرکت کے منافی امر ہے، شرکت میں باہمی تمیز معدوم ہوتی ہے اور تقسیم میں یہی تمیز مقصود موجود ہوتی ہے لہذا تمیز اور عدم تمیز دونوں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایک دوسرے کے منافی ہیں:

جعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم البينة حجة المدعى واليمين حجة  
المدعى علیه والمعقول كذلك، لأن المدعى يدعى أمراً خفياً  
فيحتاج إلى اظهار، وللبينة قوة اظهار، لأنها كلام من ليس بخصم،  
وهم الشهدو فجعلت حجة المدعى، واليمين وان كانت مؤكدة  
بذكر اسم اللہ عز وجل لكنها كلام الخصم فلا تصلح حجة  
مظہرۃ، وتصلح حجة المدعى علیه لأنہ متمسک بالظاهر، وهو  
ظاهر اليد ف حاجته الى استمرار حکم الظاهر، وان كانت كلام  
الخصم فھی کاف للاستمرا فكان جعل البينة حجة المدعى  
وجعل اليمين حجة المدعى علیه، وضع الشيء في موضعه وهو حد  
الحكمة۔<sup>(۱)</sup>

## مدعی اور مدعی علیہ کی جامع تعریف

مدعی وہ فریق ہے کہ اگر دعویٰ ترک کر دے تو اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے (یعنی مقدمہ خارج ہو جائے) اور مدعی علیہ وہ فریق ہے کہ گریز کرنے سے اس کو چھوڑانہ جاسکے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۵ / المبسوط: کتاب الدعوی، ج ۱ ص ۲۹

(بلکہ اس کے ذمہ جو ابدی لازم رہے) یہ ایک ایسی تعریف ہے کہ جس میں مدعی اور مدعی علیہ کے ہر قسم کے تمام افراد داخل ہو جاتے ہیں یعنی جامع اور مانع تعریف ہے۔

مثال: ایک آدمی نے دوسرے پر دین کا دعویٰ کیا دوسرے نے انکار کر دیا، تو مدعی سے بینہ کا مطالبہ کیا جائے گا اگر وہ پیش کر دے تو فبھا، اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا ورنہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر قسم کھالے تو ثحیک ورنہ اس کے خلاف فیصلہ دے دیا جائے گا:

الْمَدْعُى مِنْ إِذَا تَرَكَ تَرَكَ وَالْمَدْعُى عَلَيْهِ بِخَلَافِهِ، وَهُوَ حَدْ صَحِيحٌ  
جامع لأفراد المحدود - <sup>(۱)</sup>

## قواعد نمبر (۲۷)

البَيِّنَةُ لِإِثْبَاتِ خِلَافِ الظَّاهِرِ وَالْيَمِينُ لِإِبْقَاءِ الْأَصْلِ - <sup>(۲)</sup>  
دلائل کسی خلاف ظاہر بات کے ثبوت کے لیے ہوتے ہیں اور قسم اصلی صورت حال کو باقی رکھنے کے لیے۔

### شرح

بینہ ظاہر حال کے خلاف ثابت کرنے کے لیے اور قسم اصل حال کو اصل پر باقی رکھنے کے لیے ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص ظاہری حال کی تکذیب کرتا ہے وہ اپنے کلام کو تقویت پہنچانے کا اس شخص کے مقابلے میں جس کی تصدیق ظاہری حال کر رہی ہے زیادہ محتاج ہوتا ہے، اور شہادت چوں کہ (مذکورہ ہر دو فریق) کے کلام کے علاوہ ایک تیرے غیر متعلق فریق (شاہد) کا کلام ہوتا ہے، اس وجہ سے یہیں سے زیادہ قوت رکھتی ہے کیونکہ یہیں فریق مدعی علیہ کا کلام ہوتا ہے اس لیے بینہ کا پیش کرنا مدعی کے ذمہ قرار

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والسبعون، ص ۳۹۱

دیا گیا ہے، اور چونکہ قسم کے ذریعہ اصل حالت کو اس کے مقام پر برقرار رکھنا ہوتا ہے اور جو امر ظاہر ہے اس کو اس کے ظاہر پر ہی چھوڑ دینا مقصود ہوتا ہے، اس لیے یہیں مدعی علیہ کے ذمہ عائد کی گئی ہے کیونکہ ظاہر حال اسی کے حق میں شہادت دے رہا ہوتا ہے، مثلاً بچپن، عقل، غیر معیوب ہونا، بری الذمہ ہونا، نوپیدا مر کے قریب تر وقت کی جانب نسبت کرنا انسان کے لیے اصل قرار دینے گئے ہیں، ان کے مقابلے میں بڑھاپا، دیوانگی، عیوب سے متصف ہونا یا کسی حق سے ذمہ کا مشغول ہونا، جو عارضی صفات کا بعد تر زمانے کی طرف نسبت کرنا، خلاف اصل ہے اور اقرار و عقود میں یہ اصل قرار دیا گیا ہے کہ ان کو حالت صحت و رضا پر محمول کیا جائے اور حالت جبر و مرضی پر محمول کرنا خلاف اصل ہو، اور عاریت و وکالت میں اصل یہ ہے کہ یہ مقید ہوں، اور مضاربہ و کفالت میں یہ اصل ہے کہ مطلق ہوں، چنانچہ ان تمام مسائل میں قسم کے ساتھ اس شخص کا قول معتبر ہو گا جو اصل سے استدلال کر رہا ہو گا اور بینہ اس شخص کا مقبول ہو گا جو خلاف اصل کا قائل ہو گا۔

اسی طرح جوشی جس حالت پر پہلے سے چلی آ رہی ہو گی اس کو اسی حالت پر باقی رکھنا اصل قرار دیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

اگر باائع اور مشتری کا بیع میں یہ اختلاف ہو کہ باائع بیع قطعی ہونے کا قائل ہے اور مشتری بیع کے بیع الوفا ہونے کا قائل ہے، تو شہادت پیش کرنا اس فریق کے ذمہ ہو گا جو بیع کے بیع الوفا ہونے کا قائل ہو گا کیونکہ یہ مدعی ہے اور اس کا دعوی خلاف اصل ہے اور جو فریق اس دعوی کا منکر ہو گا اس پر قسم عائد ہو گی:

فلو اختلف المتبایعان، فقال المشترى البيع وفاء وقال البائع بات، فالبينة

على مدعى الوفاء لأنه خلاف الأصل واليمين على من انكره۔<sup>(۲)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۱۸

۲.....اگر ایک فریق نے حالت اضطرار و اکراہ کی بیع کا دعویٰ کیا اور دوسرے فریق نے بحالت رضا کا دعویٰ کیا تو بینہ اس فریق کے ذمہ ہوں گے جو اضطرار یا اکراہ کا مدعی ہوگا اور فریق مقابل پر قسم عائد ہوگی:

لو ادعیٰ أحدہما التلجنۃ والآخر البیات او الاکراہ والآخر الطوع،

فالبینۃ علی من یدعی التلجنۃ او الاکراہ وعلى الآخر الیمن۔<sup>(۱)</sup>

۳.....اگر ایک شخص ایک زوجہ اور ایک بھائی چھوڑ کر فوت ہوا اور اس میت کا لڑکا بھی فوت ہو چکا تھا، میت کے بھائی نے کہا کہ میرے بھائی (میت) کا اپنے بیٹے کے فوت ہونے کے بعد انقال ہوا ہے، اور زوجہ نے کہا کہ تمہارا بھائی اپنے بیٹے کے فوت ہونے سے قبل انقال کر چکا تھا تو اب اس صورت میں زوجہ کا قول (قسم کے ساتھ) معتبر ہوگا اور شہادت پیش کرنا میت کے بھائی کے ذمہ ہوگا، اس قسم کے مسائل میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب کسی میت کے ورثاء میں میت کی تاریخ وفات میں اختلاف واقع ہو تو جو ورثاء میراث کے حصہ کی زیادتی کے مدعی ہیں ان کے بینہ معتبر ہوں گے، اور ان کے فریق مقابل کا قسم کے ساتھ قول معتبر ہوگا کیونکہ ورثاء مدعی ہوں گے اور فریق ثانی منکر "البینۃ علی المدعی و الیمن علی المدعا علیہ"

مات عن زوجة وأخ وابنه مات أيضًا فقال الآخر مات أخي بعد موته

ابنه، وقالت الزوجة بل مات أخوك قبل موته ابنه، فالقول للمرأة

والبینۃ بینۃ الأخ، والأصل في هذا الجنس أن الورثة متى اختلف

في تاريخ موت الأقارب، فالبینۃ بینۃ من یدعی زيادة الارث،

والقول قول من ينكر۔<sup>(۲)</sup>

۴.....ایک شخص نے کسی شخص کی مملوکہ شئی کسی تیرے شخص کو عاریت پر دے دی یہ خیال کر کے کہ اصل مالک نے اس تیرے کو اس چیز کے عاریت لینے کی اجازت دے دی

ہوگی لیکن شئی کے اصل مالک نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، تو اب عاریت پر دینے والا اس شئی کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس کے اصل مالک پر یہ دعویٰ ہے کہ اس نے عاریت کی اجازت دے دی تھی اور اصل مالک منکر ہے تو قسم کے ساتھ اصل مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ ظاہر حال سے استدلال کر رہا ہے، اور بینہ اس شخص کے مقبول ہوں گے جو اجازت دینے کا مدعا ہے کیونکہ یہ خلاف ظاہر کو ثابت کر رہا ہے:

دفع العارية الى من زعم أنه استعارها من المالك وأنه أمره بالقبض

منه وقد أنكر المالك ذلك، ضمن لأنه يدعى على المعير الأمر

بالدفع وهو ينكر، فالقول قول المعير ببينته لتمسكه بالظاهر وهو

عدم الاذن والبينة ببينة المستعير لتمسكه بخلاف الظاهر۔ (۱)

۵..... غاصب نے مخصوصہ شئی کے متعلق کہا کہ مخصوصہ شئی کو خود غاصب نے رنگ دیا تھا اور جس سے اس شئی کو غصب کیا گیا تھا اس نے کہا کہ یہ شئی جب اس سے غصب کی گئی ہے اس وقت ہی رنگی ہوئی تھی، اس موقع پر مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ شئی مخصوصہ کا اصل مالک غاصب کے قول کا منکر ہے، لیکن دونوں فریق نے گواہ پیش کر دیئے تو غاصب کے گواہ قابل قبول ہوں گے کیونکہ یہ خلاف ظاہر کے ثابت ہوں گے:

زعم الغاصب أنه صبغه وزعم المالك أنه أخذه منه مصبوغاً أو في

بناء الدار أو حلية السيف فالقول للمالك اي لإنكاره حدوث فعل

الغاصب وان بر هنا فيبينة الغاصب لا ثباتها خلاف الظاهر۔ (۲)

## قواعد نمبر (۷)

البيِّنةُ حُجَّةٌ مُتَعَدِّيَةٌ وَالْإِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاسِرَةٌ۔ (۳)

بینہ (دلائل) جھت متعدد ہوتے ہیں اور اقرار جھت قاصرہ۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۱۹ (۲) شرح المجلة: ص ۲۱۹

(۳) المبسوط: كتاب الاباق، ج ۱ ص ۲۳ - البحر الرائق: كتاب البيع، باب الحقوق، ج ۲ ص ۱۵۱

## شریعہ

بینہ ایک ایسی دلیل ہوتی ہے جس کا اثر دور رہتا ہے کیونکہ یہ حاکم کے حکم کے بعد دلیل ہو جایا کرتی ہے، چنانچہ جیسا ان کا نام ہے ویسا ہی ان کا کام ہے یعنی جو امر شہادت سے قبل واضح نہ تھا یہ اس کو نفس الامر میں ثابت و واضح کر دیتا ہے، اس لیے کہ گواہ جس شخص کے حق میں شہادت دیتے ہیں اس کے حق میں اپنی شہادت کے ذریعہ یہ ثابت نہیں کیا کرتے کہ مشہود لہ کی ملک جو کہ اصل میں ثابت نہ تھی فی الحال ثابت ہے، اور نہ حاکم اپنے فیصلے کے ذریعہ یہ ثابت کرتا ہے بلکہ (ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ) جو امر پہلے غیر ظاہر الشہوت تھا اس کا ثبوت واضح اور ظاہر ہو جائے، اسی لیے یہ شیٰ میں ثبوت ملکیت کے لیے حاکم کے حکم (فیصلے) کے محتاج ہوتے ہیں اور چوں کہ حاکم کو ولایت تامہ حاصل ہوتی ہے اس لیے حاکم کا حکم عامۃ الناس کے حق میں نافذ ہوتا ہے (بخلاف اقرار کے) جو شخص اقرار کیا کرتا ہے اس کو محض اپنے نفس پر ولایت حاصل ہوا کرتی ہے (اس کو کسی دوسرے پر الزام کا حق حاصل نہیں ہوا کرتا) وہ محض اتنا کر سکتا ہے کہ جس شخص کے حق میں وہ اقرار کرتا ہے اس کی ملکیت کو حکم حاکم کے بغیر کسی شیٰ میں ثابت کر دے، چنانچہ اقرار کو اس کی ضرورت کی حد تک محدود رکھا جاتا ہے تاکہ مقرکی اطلاع (اقرار) صحیح متصور ہو۔

## تفریعات

ا..... کسی وصی کا میت پر دین کا اقرار یا میت کے ترکے میں کسی کے حق کا اقرار صحیح نہ ہو گا مثلاً ترکے کی کسی شیٰ کے متعلق وصی یا اقرار کرے کہ یہ فلاں شخص کا ہے، البتہ اگر اقرار کرنے والا (وصی) میت کا وارث بھی ہے تو محض اس کے اپنے حصہ کی حد تک اس کا اقرار صحیح ہو گا، چنانچہ فقیہ ابوالیث سرقندی اور ابن الجیلی رحمہما اللہ کا یہی مسلک ہے اور مجلہ میں اسی مسلک کو اختیار کیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ یہ اقرار دیگر ورثاء کے حق پر اثر انداز نہ ہو گا:

الوصی لا یجوز اقرارہ بدنین علی المیت ولا بشیء من تركته انه

لفلان الا ان يكون المقر وارثا فيصح في حصته وهو ما اختاره

أبوالليث وابن أبي ليلي ولا يتعدى الى الورثة۔<sup>(۱)</sup>

۲..... وقف میں استحقاق پر باہم ایک دوسرے کی تصدیق کردینا وقف میں حق کو ثابت کر دے گا اگرچہ یہ امر اصل وقف نامہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کا اثر محض اقرار کرنے والے کے حق کی حد تک ہو گا، اگر مقرر کا انتقال ہو گیا تو پھر وقف کا یہ حصہ اس شخص کی طرف لوٹ جائے گا جس کے متعلق واقف تحریر کر گیا ہو گا مقرر کی ذات سے تجاوز نہ کرے گا:

يَعْمَلُ بِالْمَسَادِقَةِ عَلَى الْإِسْتِحْقَاقِ وَإِنْ خَالَفَتْ كِتَابُ الْوَقْفِ لَكِنْ

فِي حَقِّ الْمَقْرَرِ خَاصَّةً إِذَا ماتَ تَرَدَّ إِلَيْهِ مِنْ جَعْلِهِ الْوَاقِفُ لَهُ، فَإِقْرَارُهُ

قَاصِرٌ عَلَيْهِ لَا يَتَعَدَّ إِلَيْهِ غَيْرَهُ۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اپنی ذات اور غیر کی ذات پر اقرار کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، اس میں کہا گیا ہے ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شخص کے اور فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار روپیہ قرض ہیں، اور دوسرے مقرر نے (اپنے دین سے) انکار کر دیا، تو اب مقرر کے ذمہ نصف رقم واجب ہو گی اس لیے کہ مقرر نے اپنے ذمہ اقرار کے ساتھ دوسرے شخص کے حق میں بھی اقرار کیا تھا اور ایک ہزار کی مقدار میں دوسرے کو شریک قرار دیا تھا، لہذا اس کی اپنی ذات کے حق میں تو اس کا اقرار صحیح ہو گا لیکن دوسرے کے حق میں صحیح نہ ہو گا:

أَقْرَارُ الرَّجُلِ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَى غَيْرِهِ قَالَ: لِفَلَانِ عَلَىٰ وَعَلَىٰ فَلَانِ

أَلْفَ درهم فجحد الآخر لزم المقر الآخر نصفه لأنَّه عطف الآخر

على نفسه والعطف يقتضي الاشتراك في الخبر، واقراره على

نفسه حجة وعلى الآخر ليس بحجة فلا يلزم منه شيء۔<sup>(۳)</sup>

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۲

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۳

(۳) شرح المجلة: ص ۲۲۵

۴..... دو شرکت داروں میں سے ایک نے دوسرے کو حکم دیا کہ وہ گھر فروخت کر دے جو مشترک ہے، دوسرے نے وہ گھر فروخت کر دیا مگر قیمت وصول نہیں کی اور پہلے شرکی نے عدالت میں اقرار کیا کہ دوسرے شرکی نے قیمت وصول کر لی ہے، تو یہ اقرار دوسرے شرکی کے حق میں بے معنی ہو گا اور اس اقرار کی وجہ سے مشترکی قیمت کی ادائیگی سے بری نہ ہو سکے گا۔

۵..... زید نے بکر سے گاڑی خریدی پھر عمر و نے دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ گاڑی تو میری ہے بکراس کا مالک نہیں ہے، اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بینہ قائم کر دی تو عمر و زید سے گاڑی لے سکے گا اور بکر کو قیمت واپس کرنی ہو گی، اگر عمر و کا دعویٰ بینہ سے ثابت نہ ہو سکا بلکہ زید نے اقرار کیا کہ یہ گاڑی عمر و کی ہے اور گاڑی عمر و کے حوالے کر دی تو بکر کے لیے لازم نہ ہو گا کہ وہ قیمت واپس کرے، کیونکہ زید کا اقرار اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ عمر و کو بھی اپنے دائرہ کار میں لے لے۔

## قاعدہ نمبر (۷۸)

الْمَرْءُ مُؤَخَّذٌ بِإِقْرَارِهِ۔ (۱)

آدمی اپنے اقرار کی وجہ سے کمزرا جاتا ہے۔

## شرح

الله تعالیٰ نے حق کو پوشیدہ کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَلِيَتَقْبِلَ اللَّهُ  
رَبَّهُ وَلَا يَبْخُسْ مِثْنَةً شَيْئًا“، (۱) یہ حکم اس امر کی دلیل ہے کہ جس شئی کا انسان اقرار  
کرے گا وہ اس کے ذمہ لازم ہو گی، نیز فرمایا ”عَاقِرَهُ شَيْمٌ وَأَخْذَتْمُ عَلَى ذِلْكُمْ إِصْرِينِ“ قائلو  
”أَقْرَرَهُمَا“، (۲) چنانچہ اگر اقرار جھٹ نہ ہوتا تو الله تعالیٰ کی جانب سے (جھٹ کے

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثامنة والسبعون، ص ۱۰۰

(۲) البقرة: ۲۸۲ (۳) آل عمران: ۸۱

لیے) اقرار نہ کرایا جاتا، اب جبکہ انسان اپنے اقرار سے قابل موآخذہ ہو جاتا ہے، تو اب اقرار سے اس کا رجوع کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں امور میں باہم تناقض ہے، چنانچہ اگر زید نے عمرو کے حق میں یہ اقرار کیا کہ عمرو کی اس کے ذمہ اتنی رقم دین ہے پھر اس کے بعد اپنے اقرار کے غلط یا خطاءوں نے کادعوی کیا تو اس کا یہ دعوی مسموع نہ ہوگا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے زید کے حق میں اپنے اوپر ایک ہزار روپیہ دین ہونے کا اقرار کیا اس کے بعد کہا کہ یہ رقم میں زید کو ادا کر چکا ہوں، تو اب اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ مقرنے اسی اقرار کی مجلس میں ادا یگی کادعوی کیا ہے یا نہیں اگر ایسا ہے تو اس کی یہ (ادا یگی) کادعوی معتبر نہ ہوگا لیکن اگر کسی دوسرے موقعہ پر ایسا کہا تو یہ قول معتبر ہوگا:

ولو اقر لزید بalf درهم ثم ادعى أنه أداها، ينظر: إن كان في

ذلك المجلس لا يقبل منه، وإن ادعى ذلك في مجلس آخر يقبل۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص کے میرے ذمہ پر ایک ہزار واجب نہیں ہیں بلکہ صرف پانچ سور روپیہ ہیں تو اب اس شخص پر ایک ہزار واجب ہوں گے، اور اگر یہ کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ ایک روپیہ کھرا واجب نہیں ہے بلکہ کھوٹا واجب ہے تو اس پر کھرا روپیہ ادا کرنا لازم ہوگا یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ عمدہ اور کھرا کا لفظ استعمال کرے:

قال لفلان على الف لا بل خمس مائة، فعليه ألف ولو قال له على

درهم أبيض لا بل أسود، فعليه افضلهما۔<sup>(۲)</sup>

۳..... جب زید نے اقرار کر لیا کہ اس نے عمرو کا قرضہ دینا ہے تو بعد میں اس سے انکار کرنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

۴..... مشتری نے دعوی کیا کہ مال پہلے ہی سے ناقص تھا اور باائع نے اس کو تسلیم کر لیا

تواب لازماً مال بالع کو لوٹا دیا جائے گا۔

۵..... شرکت داروں نے اپنے حصے تقسیم کر لیے اور سب نے اقرار کر لیا کہ پورا پورا حصہ مل گیا ہے تو بعد میں کسی کی طرف سے فخش غبن کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہو گا۔

## قاعدہ نمبر (۹۷)

لَا حَجَّةَ مَعَ التَّنَاقْضِ لِكُنْ لَا يَخْتَلُ مَعَهُ حُكْمُ الْحَاكِمِ۔<sup>(۱)</sup>

تناقض کی صورت میں جحت باقی نہیں رہتی لیکن اس سے حکم حاکم متاثر نہیں ہو سکتا۔

## شرح

جحت کا لفظ فقہاء کی اصطلاح میں بینہ اور اقرار دونوں پر استعمال کیا جاتا ہے، لیکن اس قاعدے کی عبارت میں جحت کے لفظ سے محض بینہ (گواہان) مراد ہیں کیونکہ اقرار تناقض کے باوجود بھی جحت قرار پا جاتا ہے جس کو آئندہ قانون میں بیان کیا گیا ہے۔ تناقض کے یہ معنی ہیں کہ دو کلام باہم اس درجے مختلف ہوں کہ ایک کلام کو صادق تصور کرنے سے دوسرے کلام کا کاذب ہونا لازم آجائے لہذا یہ تناقض کلام کو جحت قرار دینے سے منع ہو جائے گا اور ایسی حالت میں کلام جحت نہ رہے گا، اور یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شاہدوں کی شہادت کے بعد ان کا شہادت سے رجوع کر لینا تناقض ہے، یہ ایسا ہو گا جیسا کہ شاہدین اس طرح کہہ رہے ہوں (ہم شہادت دیتے ہیں اور شہادت نہیں دیتے) لہذا ان کا اول کلام اور دوسرا کلام (یعنی رجوع) درجہ میں دونوں مساوی ہوں گے یعنی اول کلام دوسرے کلام سے اور دوسرا کلام اول کلام سے افضل و اولی تصور نہ کیا جائے گا (کسی کو کسی پر کسی صفت میں ترجیح نہ ہو گی) اس لیے دونوں کلام باہم تناقض ہوں گے، البتہ اگر رجوع کر لینے سے قبل ان کی شہادت کی بناء پر حاکم اپنا فیصلہ دے چکا ہے تواب رجوع کرنے کے بعد یہ فیصلہ اپنی جگہ

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ شرح القواعد الفقهية: القاعدة التاسعة والسبعون، ص ۳۰۵

قائم رہے گا منسون نہ کیا جاسکے گا، چنانچہ یہ قاعدہ دونقروں پر مشتمل ہے اول فقرے کا خلاصہ یہ ہے کہ متناقض کلام جحت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فیصلہ کیا جا چکا ہو تو پھر دیا گیا حکم متناقض کی بناء پر منسون نہ ہو سکے گا، لہذا دوسرا فقرہ درحقیقت اول فقرے کا خلاصہ ہے کہ متناقض کلام جحت ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، دوسرے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب فیصلہ کیا جا چکا ہو تو پھر دیا گیا حکم متناقض کی بناء پر منسون نہ ہو سکے گا، لہذا دوسرا فقرہ درحقیقت اول فقرے سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس کا دفعیہ ہے (یعنی فقرہ ثانیہ فقرہ اولیٰ کا استدراک ہے) استدراک کے یہ معنی ہیں کہ متكلم کے طرز کلام سے سامع کے ذہن میں کسی قسم کا شبهہ یا سوال پیدا ہو جائے، اور پھر دوسرے کلام کے ذریعہ اس شبهہ یا سوال کا ازالہ کر دیا جائے، چنانچہ یہ (استدراک کا) طریقہ کتاب اللہ میں بھی موجود ہے، ارشاد فرمایا ہے ”وَاصْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بِيَضَا آمِنْ غَيْرِ سُوءٍ“ (۱) یعنی اے موی! اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں داخل کرو وہ بغیر کسی خراب علت کے سفید ہو کر نکلے گا، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”مِنْ غَيْرِ سُوءٍ“ فرمایا کہ اس وہم کا ازالہ فرمادیا کر ہاتھ کا سفید ہونا مرض برصغیر کی وجہ سے نہ ہوگا (ممکن ہے کہ تم کو اس کے سفید ہو جانے سے ان علتوں کی بناء پر سفید ہو جانے کا شبهہ پیدا ہو جائے) چنانچہ اس قاعدے میں جب یہ کہا گیا کہ متناقض کلام جحت نہیں رہتا تو اس سے یہ شبهہ پیدا ہوا کہ گواہوں کے شہادت سے رجوع کرنے کے بعد ان کا کلام متناقض ہو جاتا ہے جو جحت نہیں رہتا۔ لہذا ان کی شہادت کی بناء پر جو حکم دیا گیا ہو گا وہ باطل ہو جائے گا تو اس شبهہ کو دوسرے فقرے سے دفع کر دیا گیا کہ حکم صادر ہو جانے کے بعد اگر ایسا متناقض پایا گیا تو اس پر اس متناقض کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا بلکہ شہادت سے رجوع کر لینے کے بعد گواہوں پر تاویں لازم آجائے گا اور صادر شدہ حکم بدستور قائم رہے گا۔ (۲)

## تفریعات

۱..... اگر فیصلے سے قبل گواہ اپنی شہادت سے مخالف ہو گیا تو اس کی شہادت باطل ہو جائے گی، اور اگر عدالت کے فیصلے کے بعد گواہ مخالف ہو گیا تو عدالتی فیصلہ برقرار رہے گا، البتہ جس فریق کو اس کی شہادت سے نقصان ہوا یہ گواہ اس کا یہ نقصان پورا کرنے کا ذمہ دار ہو گا اس صورت میں عدالت کو قصور وار نہیں ٹھہرایا جائے گا، اس لیے کہ عدالت تو موجود شہادتوں اور ظاہری حالات کی بناء پر فیصلہ کرتی ہے۔

۲..... دو گواہوں نے عدالت کے سامنے گواہی دی کہ عمر نے جان بوجھ کر اور سمجھتے بوجھتے ہوئے زید کو قتل کیا ہے، ان کی شہادت کی بناء پر عدالت نے عمر کے خلاف قصاص کا حکم دے دیا، اس حکم پر عمل درآمد بھی ہو گیا، بعد میں گواہوں نے اپنی شہادت سے انحراف کر لیا تو گواہوں پر لازم ہو گا کہ دیت ادا کریں۔

## قاعدہ نمبر (۸۰)

**قَدْ يَشُبُّثُ الْفَرْعُونَ مَعَ عَدَمِ ثُبُوتِ الْأَصْلِ۔<sup>(۱)</sup>**

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل ثابت نہ ہو اور فرع ثابت ہو جائے۔

## شرح

اگرچہ قاعدہ ہے کہ فرع اس وقت ثابت ہو گی جبکہ اصل ثابت ہو کیونکہ تابع اپنے متبع کے ساتھ ہی ثابت ہوتا ہے، مگر بعض صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اصل ثابت نہیں ہو سکتا مگر چند وجوہ کی بناء پر فرع ثابت ہو جاتی ہے۔

## تفریعات

۱..... سعید نے اقرار کیا کہ خالد نے زید کی رقم دینی ہے اور میں اس کا ضامن بنتا ہوں

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الشمانون، ص ۲۱

مگر خالد نے رقم کی ذمہ داری سے انکار کر دیا، اور زید عدالت کو یہ باور کرنے میں ناکام رہا کہ خالد نے اس کی رقم دینی ہے، تو زید سعید سے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کرنے کا مجاز ہو گا کیونکہ وہ اقرار کر چکا تھا اور اس کا اقرار اس پر ذمہ داری عائد کرنے کے لیے کافی ہے، اس صورت میں اصل یعنی قرضہ تو ثابت نہ ہو سکا مگر فرع یعنی کفالت ثابت ہو گئی۔

۲..... اگر کسی مرد نے اپنی زوجہ پر خلع کا دعویٰ کیا اور عورت نے خلع سے انکار کیا تو عورت شوہر سے باسہ ہو جائے گی لیکن خلع کا مال دینا لازم نہ ہو گا، حالانکہ خلع کا مال اصل ہے اور خلع اس کی فرع ہے۔

## قاعدہ نمبر (۸۱)

**الْمَعْلُوقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ ثُبُوتِ الشَّرْطِ۔ (۱)**

اگر کوئی بات کسی شرط پر متعلق ہو تو شرط کے ثبوت پر وہ بات ثابت ہو جائے گی۔

## شرح

شرط اپنے مصدری معنی کے اعتبار سے ”شرط علیہ شرطاً“ سے ماخوذ ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے ”اشترطت علیہ“ یعنی میں نے اس پر شی کو لازم کر دیا، یہ لازم کرنا، بیع وغیرہ عقود میں ہوا کرتا ہے، حدیث میں منقول ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور پھر اس میں شرط مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے، شرط کی جمع شروط ہے اور شرط کی جمع اشراط آتی ہے (یعنی حسب قواعد جو لفظ شیں کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ ہے اس کی جمع شروط کی صورت میں آتی ہے اور جو لفظ شیں اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کی جمع اشراط کی صورت میں آیا کرتی ہے) جس کے معنی علامت و نشانی کے ہیں، چنانچہ حدیث میں ”اشرات الساعۃ“ کا جملہ مروی ہے جس کے معنی علامت قیامت کے ہیں۔

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۵ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الحادية والثمانون، ص ۲۱۵

اور (فقہاء کی اصطلاح میں) عقود میں کلام کو کسی صفت یا حال یا استثناء یا بلفظ ”علیٰ ان یا بشرط کذا“ کے الفاظ سے مقید کر دینا شرط کہلاتا ہے:

الشرط بالمعنى المصدرى مشتق من شرطت عليه كذا شرطاً  
واشتريت عليه بمعنى الزام الشيء والتزامه في البيع ونحوه من  
العقود وفي الحديث نهى عن بيع وشرط جمعه شروط، وأما  
اشراط، فجمع شرط (بفتح الراء) وهي العلامة، ومنه أشراط  
الساعة علاماتها - ويطلق على ما يقع في العقود من القيود التي  
تذكرة في الكلام من صفة أو حال أو شرط أو استثناء أو لفظ نحو:  
على أن يكون كذا أو بشرط كذا۔ (۱)

### تعليق بالشرط کی وضاحت

تعليق دو جملوں کے درمیان موجود اس ربط کو کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کا مضمون اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے کا حاصل نہ ہو جائے، مثال کے طور پر کسی نے کہا ”اگر تجھ سے زید نے مال خریدا تو میں اس کی قیمت کا ضامن ہوں گا“، دوسری جملہ کہ میں اس کی قیمت کا ضامن ہوں گا اس میں دوسرے جملے کا مضمون جب ثابت ہوگا جب پہلے جملے کا مضمون ثابت ہو جائے، ایسی صورت میں پہلا جملہ شرط اور دوسری جملہ جزا کہلاتا ہے، تعليق بالشرط کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔

ا..... بات کرتے وقت شرط معدوم ہوا اور آئندہ کسی زمانے میں اس کا وجود ممکن ہو۔

۲..... جس تعليق کو واقع کیا جا رہا ہے شرعاً جائز ہو۔

اگر بات کرتے وقت شرط معدوم نہ ہو بلکہ موجود ہو تو اس کو تعليق نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ تعليق کی شکل میں تحریر (شرط کا پورا ہو جانا) ہوگا اور اس پر تحریر کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی نے کہا کہ ”اگر یہ گھر میری ملکیت میں ہے تو معدوروں کے لیے وقف ہے“ اور

حقیقت میں وہ گھر اس کی ہی ملکیت میں ہو تو یہ تعلق نہیں ہو گی یعنی شرط کے پائے جانے کا انتظار نہ ہو گا بلکہ فوری طور پر وقف قائم ہو جائے گا اور وہ مکان معدودوں کے لیے وقف ہو گا۔

### تعليق کی صورت میں معاملات کی نوعیتیں

تعليق کی صورت میں معاملات کی تین نوعیتیں ہو سکتی ہیں۔

۱..... وہ معاملات جن سے تعليق جائز نہیں ہو سکتی مثلاً بیع، اجارہ، اعارہ، ہبہ، صدقہ، اقرار، ابراء، مزارعہ، وقف، رہن، وکیل کی معدودی وغیرہ۔

ابراء کی صورت اگر یہ ہو کہ اس کو موت کے ساتھ متعلق کر دیا جائے تو صحیح ہوتی ہے، مثلاً زید نے عمر و کا قرضہ دینا تھا اور عمر و نے کہا کہ ”اگر میں مر گیا تو تو قرضے سے بری ہو گا“ یہ ابراء صحیح ہو گا اور اس کو وصیت شمار کیا جائے گا، اگر مقرض نے قرض دینے والے سے کہا ”جب فلاں مہینہ آجائے گا تو میں تمہارا مقرض ہوں گا۔“

اگرچہ بظاہر یہ تعليق ہے لیکن یہ لغو ہے کیونکہ مقرض تو بات کرتے وقت بھی مقرض ہے اس کا مقرض ہونا فلاں مہینے کے آنے پر منحصر نہیں ہے، البتہ اس مدت کو ادائیگی کی مدت سمجھا جائے گا کہ مقرض فلاں مہینے تک مہلت مانگ رہا ہے۔

۲..... وہ معاملات جن کو ایسی شرائط پر متعلق کیا جائے جو شرائط معاملے کے ساتھ کچھ مناسبت رکھتی ہوں یعنی ایسی شرائط جو معاملے کے مقتضیات کی تائید کرتی ہوں، مثلاً تجارت کی اجازت، نج کی معزولی، نج کا ولی ہونا، کفالت، کفالت سے بری کرنا اور وصیت وغیرہ۔

۳..... وہ معاملات جن کو مطلق شرط پر متعلق کیا جاسکتا ہے، مثلاً طلاق، نذر، وکالت اور وصیت کرنا یا کسی کو صی مقرر کرنا وغیرہ۔

### تعليق کی عام مثالیں

۱..... کسی نے کہا (اپنے وکیل سے) ”جونہی میں تمہیں معزول کر دوں تو تو میرا وکیل ہو گا“ اس صورت میں جب وکیل معزول ہو گا نئی وکالت قائم ہو جائے گی، اور وہ پھر سے

وکیل بن جائے گا۔

۲..... کسی نے دوسرے سے کہا ”جب زید مصر سے واپس آجائے گا تو میں اس رقم کا  
ضامن ہوں گا جو فلاں کے ذمہ ہے“ تو زید کے آتے ہی کفالت منعقد ہو جائے گی۔

۳..... ایک شخص نے دوسرے سے کہا ”میں اپنے تہائی مال کی تیرے نام و صیت کرتا  
ہوں شرط یہ ہے کہ فلاں آدمی اس پر راضی ہو جائے“ تو فلاں کے راضی ہونے پر صیت قائم  
ہو جائے گی۔

## تفریعات

۱..... اگر میں بحالت سواری مکان میں داخل ہو تو میرا غلام آزاد ہو گا:

وإن دخلت الدار راكباً فعبدى حر۔

۲..... تمہارا جو دین زید پر ہے اس کا میں اس وقت تک کفیل ہوں جب تک وہ شہر میں  
مقیم ہے:

وأنا كفيل بمالك على زيد ان سكن هذه البلدۃ۔

۳..... میں نے ایک کمرے کے علاوہ یہ مکان تم کو کراہیہ پر دیا:

وأجرتك داري إلا هذا البيت۔

۴..... میں یہ رقم بطورِ مضاربت تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم کوفہ میں تجارت  
کرو گے:

وضار بتک بهذه الألف على أن تعامل بها في الكوفة۔

۵..... میں نے یہ شئی اس شرط پر تمہارے ہاتھ فروخت کی کہ تم اس کے سلسلے میں کفیل  
دے دو:

بعثك هذا على أن تعطيني به كفيلاً۔

۶..... آقا اپنے غلام سے کہے کہ فلاں شخص پر جو میرے ایک ہزار روپیہ قرض ہیں اگر  
تو ان کو وصول کرے تو تجھ کو تجارت کی اجازت ہے:

کقول المولیٰ لعبدہ: ان قبضت لی من فلان الاف التی لی علیہ  
فقد اذنت لک بالتجارۃ۔

۷..... بادشاہ وقت کسی شخص سے کہے کہ جس شخص نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کے  
اسباب اسی قاتل کی ملکیت ہوں گے یا کہا کہ اگر میں فلاں شہر میں پہنچوں تو میں نے تم کو  
وہاں کا حاکم یا امیر مقرر کیا:

وقول السلطان من قتل قتیلاً فله سلبہ، وان وصلت بلدة کذا فقد  
ولیتك قضاءها او امارتها۔

۸..... ایک شخص نے کہا کہ جب میری تحریر تمہارے پاس پہنچے تو تم وکالت سے  
معزول ہو:

ان وصل اليك كتابی فقد عزلتک۔

۹..... ایک شخص کسی دائن سے کہے کہ جب تمہارا مدیون اپنے سفر سے واپس آیا تو  
میں اس کی طرف سے تمہارے حق کا کفیل ہوں یا مکفول ہوں لہ کفیل سے کہے کہ اگر فلاں شخص  
میرے مال کا کچھ حصہ مجھے ادا کرے تو تم کفالت سے بری الذمہ ہو:

وکقول الانسان للدائن إذا جاء مدیونك من سفره فأنا كفيل بما

لک علیہ او قال المکفول له للكفیل: ان ادی فلاں بعض ما علیہ

من الدين أبرأتك من الكفالة۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۸۲)

يَلْزَمُ مُرَاعَةُ الشَّرْطِ بِقَدْرِ الْمُكَانِ۔ (۲)

شرط کی رعایت بقدر امکان ضروری ہوگی۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۲، ۲۲۳

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶، شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثانية والثمانون، ص ۳۱۹

## شرط کی وضاحت

ایسی شرط جو شرعاً جائز ہو، جہاں تک ممکن ہواں کی رعایت کی جائے گی اور اس پر عمل کیا جائے گا، بنیادی طور پر شرط اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو اور وہ اس چیز کی ماہیت سے باہر کی کوئی شی ہو اور اس کی غرض کسی پر کوئی ذمہ داری عائد کرنا ہو، ایسی شرط کی کئی صورتیں ہو سکتیں ہیں۔

## شرط صحیح

اس کی چار قسمیں ہیں:

۱..... ایسی شرط کہ خود معاملہ کے مضمون اس کا تقاضہ کرتا ہے اور اس کو جدا گانہ طور پر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، مثلاً بیع کے معاملہ میں مال مشتری کے حوالے کرنا اور مشتری کا بائع کو قیمت ادا کرنا یا بیوی کے اخراجات کا ذمہ دار ہونا۔

۲..... وہ شرط جو معاملہ کے مقتضیات میں سے تو نہیں ہوتی مگر معاملہ کے ساتھ مناسب اور اس کے موجبات کی تاکید کرنے والی ہوتی ہے، جیسے رہن رکھنے کی شرط یا قیمت کا ضامن دینے کی شرط۔

۳..... نہ تو نفسِ معاملہ شرط کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ہی جدا گانہ طور پر درج ہوتی ہے مگر عرف اس کو لازم قرار دیتا ہے، اور یہ شرط اپنے اپنے زمانوں اور اپنے علاقوں میں مختلف ہوتی ہیں، مثلاً عام طور پر معروف ہے کہ گھری جب خریدی گئی تو اگر ایک سال کے اندر خراب ہو گئی تو دکاندار بلا معاوضہ صحیح کر دے گا یا اس کی جگہ نئی گھری دے گا جس کو ہمارے یہاں عرف عام میں گارنٹی کہتے ہیں۔

۴..... وہ شرائط جو شرعی احکام کی تفصیلات میں موجود ہیں، مثلاً بیع کے لیے شرطیں یا وقف کنندہ کی شرطیں۔

## شرط فاسد

نہ تو نفسِ معاملہ اس کا تقاضہ کرتا ہے نہ معاملہ کے لیے مناسب ہے اور نہ اس کے

موجبات کو مذکور کرنے کے لیے ہوتی ہے، اور نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی عرف اس کا مقتضی ہوتا ہے، اور اس میں کسی ایک فریق کا ناجائز نفع ہوتا ہے یادوں فریقوں کے علاوہ کسی اور کا نفع وابستہ ہوتا ہے، مثلاً بالع کی یہ شرط کہ وہ بکے ہوئے مال سے ایک سال تک نفع اٹھاتا رہے گا۔

## شرط باطل

یہ وہ شرط ہے جس میں نہ تو مندرجہ بالا وجہ میں سے کوئی وجہ پائی جائے اور نہ ہی اس شرط سے کسی کو نفع ہوتا ہو، مثلاً بالع کی یہ شرط کہ بکے ہوئے مال پر ایک سال تک کوئی تصرف نہیں کرے گا یعنی نہ تو خود فائدہ اٹھائے گا اور نہ ہی کسی اور کو فائدہ اٹھانے دے گا۔

اگر شرط صحیح ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر شرط فاسد ہو تو نہ شرط باقی رہتی ہے اور نہ ہی معاملہ (عقد) باقی رہتا ہے، اور اگر شرط باطل ہو (جس کو غوبھی کہا جاتا ہے) تو شرط باطل ہو جاتی ہے اور معاملہ صحیح ہو جاتا ہے یعنی اس شرط کو معدوم قرار دیا جاتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

## تشريع

ایک ودیعت رکھنے والا شخص دوسرے شخص سے (جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے) یہ کہے کہ اس مال یا اس شیئی کو ہر وقت اپنے ہاتھ میں رکھنا، رات یا دن میں کسی وقت اپنے سے جدا نہ ہونے دینا، اب مودع نے اس ودیعت کو اپنے مکان میں (محفوظ کر کے) رکھ دیا کیونکہ ودیعت رکھنے والے نے جو شرط اس پر لگائی تھی عادةً اس شرط کا پورا کرنا ممکن نہ تھا لیکن اگر یہ کہا تھا کہ اس ودیعت کو شہر کوفہ میں ہی رہنے دینا، بصرہ میں نہ لے جانا اور یہ شخص ودیعت کو بصرہ لے کر چلا گیا اور ضالع ہو گئی تو اس صورت میں یہ ودیعت کا ضامن ہو گا البتہ اگر اس شخص (مودع) کو کوئی ایسی ضرورت لاحق ہو گئی تھی جس کے لیے کوفہ جانا لازمی ہو گیا تھا اور وہاں جائے بغیر کوئی چارہ کارنہ تھا تو اس صورت میں اس پر ضمان عائد نہ ہو گا۔ کیونکہ

و دیعت رکھنے والے کی شرط پر عمل کرنا اس پر اس وقت تک لازم ہے جب تک اس کا پورا کرنا اس کی قدرت و طاقت میں ہو، اس سے معلوم ہوا کہ شرط کی رعایت کرنا اس قید سے مقید ہے کہ بشرط قدرت رعایت ممکن ہو لیکن اگر شرط کا رعایت کرنا انسان کی استطاعت سے خارج ہو تو اب اس پر کوئی ضمان عائد نہ ہوگا۔

شرط میں اصل یہ ہے کہ حتی الامکان ان کی عاریت کی جائے اور جب قید مفید ہوگی تو اس کا اعتبار کرنا بھی ممکن ہوگا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”المسلموں عند شروطهم“ مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں۔

ایک شخص نے دوسرے کو اس شرط پر مال دیا کہ وہ کوفہ میں اس سے کام کرے تو دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کوفہ سے باہر لے جا کر اس مال سے کام کرے کیونکہ ارزانی اور گرانی کے اعتبار سے مقامات مختلف ہوا کرتے ہیں، اس طرح سفر اور قیام کی حالت میں بھی اختلاف ہوا کرتا ہے اور اس شخص نے کوفہ کے اندر کسی دوسرے مقام پر کاروبار کیا تو یہ عقد مضارب تصحیح رہے گا، چنانچہ اول صورت میں اگر مال ضائع ہو گیا تو دوسرے شخص پر تاو ان لازم ہوگا اور دوسری صورت میں کوئی تاو ان لازم نہ ہوگا، کیونکہ شہر ایک ہی ہے اور اس کے تمام مقامات ایک درجہ رکھتے ہیں لہذا (بازار کی) شرط غیر مفید متصور ہوگی اس لیے قابل الحاظ بھی نہ ہوگی:

قال المودع لل媦وع أمسكها بيده ولا تضعها ليلا ولا نهارا فوضعها

في بيته فهلكت لم يضمنها لأن ما شرطه عليه ليس في وسعه

باعتبار العادة ولو قال له لا تخرج بها من الكوفة فخر ج بها الى

البصرة كان ضامنا فإن انتقل من الكوفة الى البصرة أو الى غيرها

لشيء لم يكن له منه بد فهلك فلا ضمان عليه، لأن المودع إنما

يلتزم شرط المودع بحسب امكانه، فعلم من هذا أن لزوم مراعاة

الشرط مقيد بقدر الامكان ولا مواجهة فيما فوق الجهد

والامكان۔

الأصل في الشروط اعتبارها ما أمكن وإذا كان القيد مفيداً كان ممكناً الاعتبار، فيعتبر قوله عليه الصلة والسلام المسلمين عند شروطهم۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے اپنی کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ وہ مشتری کی ملکیت ہو جائے گی یا یہ شرط کہ بالع میع کو اس وقت تک اپنے پاس رکھے گا جس وقت تک (پوری) قیمت وصول نہ کرے گا، تو ایسی شرطیں بیع میں کسی نقصان کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ بیع کے عقد کا اقتداء بھی یہی ہے کہ بیع مشتری کی ملکیت ہو جائے، اور جب بیع مطلق ہو تو ہر دو جانب سے معاوضوں کی (ایک دوسرے کو) پر دگی بھی ہو:

لو باع بشرط أن يكون المبیع ملك المشتري أو بشرط أن يحبس المبیع الى أن يقبض الثمن فهذا الشرط لا يضر في البيع لكونه بياناً للمقتضى العقد لأن العقد يقتضى دخول المبیع في ملك المشتري وعند الاطلاق يتصرف الى التسلیم من الجانبین۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر اس شرط پر بیع کی گئی کہ مشتری بالع کے پاس (بیع کے عوض) کوئی معین شیء رہن رکھدے یا یہ کہ فلاں شخص کو فیل بنادے تو یہ بیع صحیح ہوگی اور شرط بھی معتبر ہوگی حتیٰ کہ اگر مشتری اس شرط کو پورا نہ کرے گا تو بالع کو بیع کے فتح کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا، لیکن رہن کی صورت میں مر ہون کا متعین کر دینا ضروری ہے اور کفیل کی شرط کی صورت میں کفیل کی ذات کا متعین ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مثال میں کہا گیا ہے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر عقد بیع فاسد

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۵، ۲۳۶

(۲) شرح المجلة: ص ۲۳۷

ہو جائے گا کیونکہ عدم تعین باہمی نزاع کا سبب ہوگا:

لو باء بشرط أن يرهن المشتري عند البياع شيئاً معلوماً أو أن يكفل له بالشمن هذا الرجل، صح البيع ويكون هذا الشرط معتبراً حتى أنه إذا لم يف المشتري بالشرط فللبياع فسخ العقد، ولا بد من تعين الرهن والكفيل كما أشير إليه في المثال والا فسد العقد بجهالتهمما لافضائه إلى المنازعه۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ اگر تم ایک سال تک میری خدمت کرتے رہو گے تو میں تم کو ایک سور و پیہ قرض دے دوں گا یا ہبہ کر دوں گا یا ایک عورت سے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ مہر کچھ مقرر نہ ہو گا تو اس صورت میں نکاح اپنی جگہ صحیح ہو گا اور شرط باطل ہو جائے گی (نکاح کے بعد) عورت کو مہر مثل دینا لازمی ہو گا:  
اقرضاًتك أو وہبتك هذه المائة بشرط أن تخدمني سنة أو  
تزوجتك على أن لا يكون لك مهر صح النكاح وبطل الشرط  
ووجب مهر المثل۔<sup>(۲)</sup>

۴..... اسی طرح اگر ایک شخص نے کہا کہ میں تم کو اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم دوسرے سے نکاح کرو، یا کہا کہ میں اس شرط پر تجھ سے خلع کرتا ہوں کہ ایک ماہ تک مجھے اختیار ہو گا (ان صورتوں میں) شرط باطل ہو گی اور مال لازم ہو گا یا ایک شخص نے (غلام سے) کہا خیار شرط کے ساتھ میں نے تم کو آزاد کیا، یا (راہن نے مرہن سے کہا) کہ میرا یہ غلام تمہارے پاس اس شرط پر رہن ہو گا کہ ایک سال تک میری خدمت کرتا رہے یا میں ایک سال تک اس سے خدمت لیتا رہوں گا، یا کہا کہ میں تم کو اس شرط پر وصی مقرر کرتا ہوں کہ تم میری لڑکی کے ساتھ نکاح کرو، یا میں اس شرط پر تم کو فلاں مقام کا حج مقرر کرتا ہوں کہ پھر مجھے تمہارے معزول کرنے کا اختیار نہ ہو گا یا نہ کروں گا یا کہا کہ میں تمہارے حق کا دائن

کے لیے اس شرط پر کفیل ہوں کہ پھر تم مجھے اتنی رقم قرض دے دو، یا کہا کہ تمہارے قرض کے سلسلے میں میں فلاں شخص کا حوالہ دیتا ہوں بشرطیکہ تم وصول کر سکو اگر وصول نہ کر سکے تو پھر مجھ سے مطالبه نہ کرو گے (یا کہا) کہ اس شرط پر میں نے تم کو اپنا وکیل مقرر کیا کہ میرے ذمہ پر جو تمہارا دین ہے اس سے میں بری الذمہ ہو جاؤں گا، ان تمام صورتوں میں مذکورہ تمام عقد تو صحیح ہوں گے لیکن شرائط باطل ہوں گے (ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا):

وَكُذا طَقْتِكَ عَلَى أَن تَتَزَوْجِي غَيْرِي وَخَالعْتِكَ عَلَى أَن لِي الْخِيَار  
مَدَةً يَرَاهَا بَطْلُ الشَّرْطِ وَوَجْبُ الْمَالِ وَأَعْتَقْتِكَ عَلَى أَنِي بِالْخِيَارِ،  
وَرَهْنَتِكَ عَبْدِي بِشَرْطٍ أَن أَسْتَخْدِمَهُ أَوْ عَلَى أَن الرَّهْنَ أَن ضَاءَ  
ضَاءَ بِلَاشِيٍّ، وَجَعَلْتِكَ وَصِيَا عَلَى أَن تَتَزَوْجِي بِنْتِي وَوَلِيتِكَ قَضَاءَ  
بِلَدَةً كَذَا عَلَى أَن لَا أَعْزِلَكَ وَكَفَلتَ غَرِيمَكَ عَلَى أَن تَقْرَضَنِي  
كَذَا وَأَحْلَتِكَ عَلَى فَلَانِ بِشَرْطٍ أَن لَا تَرْجِعَ عَلَى عِنْدِ التَّوْيِي وَ  
وَكَلَتِكَ عَلَى أَن تَبْرَأَنِي مَمَالِكَ عَلَى صَحَّ ذَلِكَ كُلَّهُ وَبَطْلُ  
الشَّرْطِ۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۸۳)

الْمَوَاعِيدُ يَا كُتُبَ صُورَ التَّعَالِيقِ تَكُونُ لَازِمَةً۔ (۲)  
مَعْلُقٌ وَعَدُوْنَ كَيْمَلٌ لَازِمٌ ہوتی ہے۔

## شرح

مواعید موعد کی جمع ہے، یہ کبھی مصدری معنی میں اور کبھی ظرف زمان اور مکان کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مذکورہ قاعدہ میں یہ معنی مصدری میں مستعمل ہے یعنی کسی شخص کا

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / البحر الرائق: كتاب الطلاق، باب تقويض الطلاق، ج ۲  
ص ۳۲۹

دوسرے کو اپنی ذات کے متعلق یہ اطلاع دینا کہ آئندہ زمانے میں وہ یہ فعل کرے گا اس لیے کہ یہ عمل یا عمل اس کو مرغوب ہے اس کو موعد یا وعدہ کہا جائے گا۔

### تقریبات

۱..... اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ یہ چیز فلاں کو فروخت کر دوا گروہ رقم نہ دے تو میں دے دوں گا بھروسہ شخص جس کو فروخت کے لیے کہا گیا رقم نہیں دیتا تو اس صورت میں وعدہ کرنے والے پر رقم کی ادائیگی لازم ہے۔

۲..... جب کوئی شخص کسی ملزم کی حاضری کی ضمانت دے تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اس ملزم کو مطلوبہ موقع پر عدالت میں حاضر کرتا رہے، عدم پابندی کی صورت میں ضامن کی پکڑ ہوگی، وعدہ معلق کی بناء پر نہ کورہ تشریع سے خود بخود یہ بات واضح ہوگئی کہ وعدہ مجرد کی وفایا نہیں، مثلاً اگر کسی آدمی نے اپنے غیر کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے فلاں کو اس کا قرض ادا کر دے مامور نے اس کا وعدہ کر لیا لیکن بعد میں اس کے ادا کرنے سے رک گیا تو نہ کورہ قاعدہ کے مطابق مامور کو اداء قرض پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ یہ وعدہ مجرد ہے معلق نہیں ہے۔

### قاعدہ نمبر (۸۳)

*الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ۔ (۱)*

جو شخص نقصان کا ذمہ دار ہوتا وہ نفع کا بھی حق دار ہوتا ہے۔

ماخذ

یہ قاعدہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ ہیں جو آپ نے ارشاد فرمائے:

*الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ۔ (۲)*

(۱) الأشباء والنظائر: القاعدة العاشرة، ص ۱۳۸ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶

(۲) سنن أبي داود: كتاب البيوع، باب فيمن اشتري عبداً فاستعمله الخ، ج ۳ ص ۲۸۳، رقم

الحدیث: ۳۵۰۸

## حدیث کا پس منظر

ایک شخص نے غلام خریدا یہ غلام ایک عرصہ تک اس شخص کے پاس رہا، اس کے بعد اس غلام میں عیب ظاہر ہوا، مشتری نے یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غلام بالع کو واپس کر دیا، بالع نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ اس غلام نے یا رسول اللہ! مشتری کے پاس رہتے ہوئے کمایا بھی تو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الخراب بالضمان۔ آمدنی ذمہ دار کا حق ہوتا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ جو امعن الکلم میں سے ہے کیونکہ بہت سے احکام کا جامع ہے، اور اسی بنا پر بطور ضرب المثل استعمال ہونے لگا ہے۔

جو امعن الکلم کلام کے ایسے مجموعہ کو کہا جاتا ہے جس کا ہر فرد اپنے اندر متعدد احکام لے ہوئے ہوتا ہے، علامہ فخر الاسلام بزدی رحمہ اللہ (متوفی ۲۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کو بالمعنى روایت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بیان کے اعلیٰ مراتب پر مشتمل ہوا کرتا تھا، لہذا آپ کے کلمہ جامعہ کے مقام پر کسی دوسرے کلمہ کا جو اس سے طویل یا قصیر ہوا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا۔

جو چیز کسی دوسری چیز سے پیدا ہو تو ایسی چیز کو دوسری چیز کا خرچ کہتے ہیں، چنانچہ درخت کا پھل درخت کا خرچ ہوگا، جانور کا دودھ اور اس کی نسل جانور کا خرچ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تشریح

حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شئی کسی شخص کی ذمہ داری میں داخل ہو چکی ہو اور پھر اس چیز سے کسی قسم کی پیداوار ہو (زیادتی وجود میں آئے) تو یہ پیداوار (زیادتی) اسی شخص کی ملکیت ہوگی جس کی ضمان میں یہ شئی آچکی تھی، کیونکہ اگر یہ شئی ہلاک ہوتی تو اسی

ذمہ دار شخص کی ملکیت ہلاک ہوتی، اس ہلاک کا اثر کسی دوسرے پر نہ پڑتا اس لیے اس شئی کے تمام منافع و پیداوار بھی اسی ذمہ دار شخص کی ہوگی، خواہ یہ شخص اس شئی کی ذات سے مشفع ہو یا یہ کہ اس کی آمد نی اور پیداوار سے۔

معلوم ہوا کہ کسی شئی سے منفعت حاصل کرنا جس طرح مالک ہونے کی بناء پر ہوتا ہے اسی طرح جب شئی ضمان میں داخل ہو جاتی ہے تو بھی انسان شئی کی منفعت حاصل کرنے کا حق دار ہو جاتا ہے، اور منفعت کے حاصل کرنے کا مدار انسان کے اس طرح ذمہ دار ہو جانے پر ہے کہ اگر شئی ضائع ہو یا اس میں نقصان پیدا ہو تو اس شخص کی ملکیت کا ضائع ہونا یا اس کا نقصان تصور کیا جائے نہ کہ کسی دوسرے کا، اور اگر اس شئی کی وجہ سے تاو ان دینا پڑے تو بھی یہ تاو ان اسی شخص کی ذات پر پڑے۔

## تفریعات

ا..... اگر (حیوان پر قبضہ کرنے اور اس کو استعمال کرنے کے بعد) اس حیوان میں کوئی عیب پایا گیا اور پھر خیار عیب کی بناء پر اس کو واپس کیا گیا اور استعمال سے قبل کسی عیب پر اطلاع نہ تھی اور اس دوران میں مشتری اس حیوان سے مشفع ہوتا رہا، خواہ بصورت کرائے پر دینے کے یا بصورت کسی دیگر آمدنی کے تو مشتری پر یہ لازم نہیں کیا جائے گا کہ وہ مبیع کو مع اس آمدنی کے باعث کو واپس کرے، کیونکہ مبیع اس کی ضمان میں آچکی تھی اگر اس واپسی سے قبل ہلاک ہو جاتی تو اسی کی مملوکہ چیز ہلاک ہونا متصور ہوتی (باعث سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا) اس مسئلے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مشتری کو اس عیب کا پہلے سے علم نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مشتری کو پہلے سے اس عیب کا علم تھا اور پھر اس نے اس شئی کو خریدا تو اب مشتری کا خیار عیب (عیب کی بناء پر واپسی) کا حق باطل ہو جائے گا:

لورد المشتری حیوانا بخیار العیب، بعد قبضه واستعماله غیر عالم  
بالعیب و کان قد استعمله مدة بنفسه او آجرة من غيره وقبض

اجرته لا تلزمہ اجرتہ للبائع لکونہ فی ضمانه لأنہ لو کان قد تلف

فی يده قبل الرد لکان تلفہ علیه من مالہ وانما قلنا غیر عالم

بالعیب لأنہ لو استعملہ بعد الاطلاع علی العیب یسقط خیار الرد۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر ایک شخص نے کسی خاص مقام تک جانے کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر سوار ہو کر اس مقام تک گیا اس سے تجاوز نہ کیا اور جانور ہلاک ہو گیا اور متاجر کی طرف سے اور کسی قسم کی زیادتی بھی جانور پر نہ ہوئی جس سے جانور کی ہلاکت واقع ہوتی تو اس صورت میں متاجر مخصوص جانور کا کرایہ ادا کرے گا (جانور کا تاو ان اس کے ذمہ نہ ہوگا) کیونکہ اس حالت میں یہ جانور اس کی ضمان (ذمہ داری) میں نہ تھا، لیکن اگر اس مقام سے (جس کے متعلق طے کیا ہوا تھا) یہ شخص تجاوز کر گیا اور پھر جانور ضائع ہو گیا تو اب متاجر پر جانور کی قیمت کا تاو ان لازم ہوگا اجرت لازم نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام مخصوص سے تجاوز ہونے کی بناء پر متاجر غاصب قرار پایا گیا، اب جانور اس کی ضمان میں داخل ہو گیا اور جب یہ اس کا ذمہ دار ہو گیا تو اب جو منفعت اس سے حاصل کر چکا وہ اس کا اپنا حق ہوگا کیونکہ منفعت کی بنیاد پر ضمان ہے:

كذلك لو استأجر دابة للركوب إلى محل معين فركبها ولم

يتجاوزه فهلك بلا تعد ولا تقصير لزمه الأجرة، ولو ماتت في أثناء

الطريق لزمه أجرة ما قطع من المسافة لأنها في هذه الصورة

ليست في ضمانه، لكن لو جاوز المحل المعين فهلكت يلزم

الضمان ولا أجر، لأنه بالتجاوز صار غاصباً فحيث دخلت في ضمانه

تكون المنفعة له، لأن المنفعة بمقابلة الضمان۔<sup>(۲)</sup>

۳.....ایک رہنے نے اپنے رہن پر رکھے ہوئے غلام کو رہن ہونے کی حالت میں آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ ہو جائے گی، اگر رہن مالدار شخص تھا تو اب غلام پر یہ واجب نہ

ہوگا کہ وہ اپنی کمائی سے مرہن کا دین ادا کرے، اس لیے کہ اس صورت میں مرہن کے لیے راہن سے اپنا دین وصول کر لینا ممکن ہے، جبکہ ادا یتیگی کا وقت آجائے اور اگر بھی مدت ادا یتیگی باقی ہو تو راہن سے غلام کی قیمت وصول کر کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اگر راہن غریب انسان ہے تو اب غلام (آزادی کے بعد) مرہن کے دین کی ادا یتیگی کے مقدار کے انداز تک اپنے کسب کے ذریعہ دین کی ادا یتیگی کا ذمہ دار ہوگا، بشرطیکہ غلام کی اپنی قیمت اور دین (مساوی ہوں) یادیں قیمت سے کم ہو، کیونکہ اس صورت میں مرہن کے لیے اپنے دین کا راہن سے وصول کر لینا ممکن نہ ہوگا، لہذا جس نے آزادی کی منفعت حاصل کی ہے اس سے یہ دین ادا کرایا جائے گا اور وہ یہ آزاد شدہ غلام ہے کیونکہ "الخارج بالضمان" اور غلام کی اپنی قیمت اور دین کی مقدار سے جو کم ہواں کا ادا کرنا اس بناء پر مقرر کیا گیا ہے کہ اگر دین کی مقدار قیمت سے کم ہے تب تو مرہن کو اس کا اصل حق پہنچ ہی جائے گا اور اگر غلام کی قیمت کم ہے تو غلام کو صرف اتنی مقدار ادا کرنے میں فائدہ بھی اسی قدر حاصل ہوا ہے (لہذا اتنے ہی کا وہ ذمہ دار بھی ہوگا):

لو أعتقد الرحمن عبد الرهن نفذ عتقه فأن كان الراهن غنيا فلا  
سعادية على العبد إلما كان أخذ حقه من الراهن وهو الأداء ان كان  
الدين حالاً وقيمة الرهن ان كان موجلاً، وإن فقيراً سعى العبد  
للمرتهن في الأقل من قيمته ومن الدين، لتعذر اخذ الحق من  
الراهن، فيؤخذ ممن حصلت له فائدة العتق وهو العبد لأن  
الخارج بالضمان، وإنما سعى في الأقل منهما لأن الدين ان كان  
أقل فالحاجة تندفع به، وإن كانت القيمة أقل، فإنما حصل له هذا  
القدر۔ (۱)

## قاعدہ نمبر (۸۵)

الْأَجْرُ وَ الضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعُان्۔ (۱)

اجرت اور ضمان ایک ہی جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔

### شرح

یعنی اجرت اور تاوان کا سبب جب ایک ہی ہوگا تو ایسی حالت میں یہ دونوں ایک محل میں جمع نہ ہو سکیں گے کیونکہ ضامن ہونے کا اقتداء یہ ہے کہ انسان کوشی کا مالک تصور کر لیا جائے اور مالک ہونے کی حالت میں شئی کی اجرت ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اجرت کی ادائیگی کا اقتداء یہ ہے کہ انسان شئی کا مالک متصور نہ ہو، لہذا ضمان اور ادائے اجرت (اپنے اپنے اقتداء میں) ایک دوسرے کے منافی (ومتضاد امر) ہیں، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جس مقام پر انسان ضامن نہ ہوگا اس مقام پر اجرت کی ادائیگی واجب ہوگی، اور جس مقام پر انسان پر تاوان ڈالا جائے گا اس مقام پر اجرت واجب نہ ہوگی۔

### تفريعات

ا..... ایک شخص نے کسی کا اونٹ غصب کر لیا اور اس کو اپنے استعمال میں لا تارہا حتیٰ کہ اونٹ لاغر ہو گیا اور (اس وجہ سے) اس کی قیمت میں کمی واقع ہو گئی، اب غاصب کو اونٹ کے مالک کے حق میں اس نقصان کا تاوان ادا کرنا ہوگا اور اس کی اجرت غاصب پر واجب نہ ہوگی کیونکہ تاوان اور اجرت دونوں ایک محل پر جمع نہیں ہوا کرتے:

لو غصب رجل بغير آخر واستعمله حتى هزل وظر أعلى قيمته  
نقصان، فضمن لصاحب نقصان قيمته لا أجر عليه لأن الأجر  
والضمان لا يجتمعان۔ (۲)

(۱) المبسوط: كتاب الاجارات، باب اجارة المتع، ج ۱ ص ۱۶۸ . مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۳

۲..... ایک شخص نے سواری کے لیے کوئی جانور کرائے پر لیا اس شخص کو اس جانور پر بوجھ لادنے کا حق نہ ہوگا، اگر اس شخص نے ایسا کیا اور جانور ضائع ہو گیا تو قیمت کا تاو ان ادا کرنا ہوگا اور جانور کا کرایہ واجب نہ ہوگا کیونکہ ”الاجر والضمان لا يجتمعان“ استأجر دابة للركوب ليس له أن يحملها، فإذا حملها وتلفت به يضمن قيمتها ولا أجر عليه لأنهما لا يجتمعان۔ (۱)

۳..... اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کا مال اس کی اجازت کے بغیر استعمال کیا تو اس شخص کا یہ عمل غاصبانہ متصور ہوگا، اور اس شئی کے (حاصل کردہ) منافع کا معاوضہ (کرایہ) ادا کرنا اس کے ذمہ واجب نہ ہوگا اس لیے یہ شئی اگر ضائع ہو جاتی تو یہ شخص اس کا ضامن ہوتا ہے اس پر اجرت واجب نہ ہوگی بلکہ اس کی قیمت میں تاو ان ادا کرنا ہوگا:

لو استعمل أحد مالا بدون اذن صاحبه فهو من قبيل الغاصب لا يلزمـه أداء منافعه أعني أجر المثل لأنـه لو هلك لهـلك في ضمانـه فلا تلزمـه أجرـة۔ (۲)

۴..... ایک شخص نے گندم کی کاشت کے لیے زمین کرائے پر حاصل کی لیکن اس زمین پر (گندم کی جگہ) کسی ایسی شئی کی کاشت کی جو زمین کے لیے ضرر کا سبب تھی تو اس شخص کو زمین کی ضرر رسانی کا تاو ان ادا کرنا ہوگا اور اس کے بعد اس پر اجرت واجب نہ ہوگی اس لیے کہ ”الاجر والضمان لا يجتمعان“

ولـو استأجر أرضاً علىـ أنـ يزرعـها حنـطة فـزـرـعـها شيئاً آخرـ يضرـ بالـأـرـضـ كـالـرـطـبةـ فـإـذـاـ ضـمـنـ نـقـصـانـ الـأـرـضـ فـلـاـ أـجـرـةـ عـلـيـهـ لـأـنـ الأـجـرـ والـضـمـانـ لاـ يـجـمـعـانـ۔ (۳)

(۱) شرح المجلة: ص ۲۲۲

(۲) شرح المجلة: ص ۲۲۳

(۳) شرح المجلة: ص ۲۲۳

## قاعدہ نمبر (۸۶)

الغرم بالغنم۔ (۱)

نقصان منافع کے ساتھ ہے۔

یعنی جو شخص نفع کا حق دار ہوتا ہے وہی نقصان کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے۔

## تفریعات

۱..... اگر ایک ایسے فقیر کے جو کسب سے معدود رہے تین بھائی ہوں، ایک حقیقی دوسرا پدری تیراما دری، تو یہ شخص اپنے بھائیوں پر اپنے نفقة کا حساب ذیل طریقہ پر مستحق ہو گا۔ ۵/۶ حصے حقیقی بھائی کے ذمہ اور چھٹا حصہ مادری بھائی کے ذمہ ہو گا کیونکہ فقیر بھائی کے فوت ہونے پر مذکورہ بھائیوں کی میراث کا حصہ یہی ہوتا:

لو كان لفقيير عاجز عن الكسب ثلاثة أخوة متفرقين، واحد لأب وأم، وآخر لأب، وآخر لأم يشترك في نفقته الأخ لأب وأم والأخ لأم أسداساً: خمسة أسداس على الأخ لأبوين، وسدس على بالأخت لأم على قدر الميراث، لأنه لو كان غنياً فارثه لهما على هذا الوجه فكذا نفقته۔ (۲)

۲..... اگر کسی شخص کے رشتہ داروں میں ایک پچا، ایک پھوپھی اور ایک خالہ، مادر ہوں تو پورا نفقہ پچا کے ذمہ ہو گا کیونکہ (اس شخص کے فوت ہونے کی صورت میں) کل ترکہ پچا کو ملے گا، اگرچہ پھوپھی، خالہ، رحمی رشتہ میں پچا کے مساوی ہیں الہذا (ان افراد میں) ضرر اس کو اس حد تک لاحق ہو گا جس حد تک ان کو نفع پہنچتا ہو گایا ہم اس طرح کہیں گے کہ انتفاع ذمہ داری کے بقدر ہوتا ہے:

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والثمانون، ص ۲۲۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۳۶

ولو كان له عم وعمة وخالة أغنياء فعلى العم خاصة وإن كان العم مساواً في قرابة ذي الرحم المحرم، إلا أنه يفضلهما في كونه وارثاً له دونهما لأن المضرة في مقابلة المنفعة وبالعكس أو نقول لأن الخراج بالضمان۔<sup>(۱)</sup>

۳..... آقا پر اپنے غلام کا نفقہ اس صورت میں واجب ہوگا جبکہ غلام کی آمدی و منافع آقا کے لیے ہوں اگر ایسا نہ ہو تو غلام کا نفقہ آقا پر واجب نہ ہوگا، چنانچہ ایک خالص غلام یا مدبر (جس غلام کی آزادی کو موت کے بعد زمانے پر متعلق کیا گیا ہو) یا ام الولد لوندی (جس لوندی کے آقا سے اولاد پیدا ہوئی ہو) کا نفقہ آقا پر واجب ہوگا کیونکہ ان کا مکسوبہ (منافع) آقا کی ملکیت ہوتے ہیں، لیکن مکاتب غلام (جس کے لیے کسی معین معاوضہ کی ادائیگی پر آزادی کی شرط لگائی ہو) کا نفقہ آقا پر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ اس کا مکسوبہ آقا کی ملکیت نہیں ہوتا، مکاتب اپنے مکسوبہ کا اپنے آقا کے مقابلے میں بذات خود مستحق ہوتا ہے، لہذا اس کا مکسوبہ (مال) ایک آزاد فرد کی مثل صرف کرے گا کیونکہ بار منفعت کے مطابق ڈالا جاتا ہے:

ان المولى تجب عليه نفقة رقيقة بشرط أن تكون اكسابه ومنافعه  
لمولاها، ولا فلا تجب عليه نفقتها، فتوجب على الانسان نفقة عبدة  
القن والمدبر وأم الولد لأن اكسابهم ملك المولى، ولا تجب عليه  
نفقة مكاتبها لأنه غير مملوك المكاتب، الا ترى أنه أحق بكسبه  
من مولاها فكان في مكاسبه كالحر فنفقتها في كسبه كالحر، لأن  
الغرم بالغنم ولا غنم فلا غرم۔<sup>(۲)</sup>

۴..... جس غلام کو عاریٰ لیا گیا ہواں کے اخراجات اسی شخص پر ہوں گے جس نے عاریت پر لیا ہوگا کیونکہ غلام کی منفعت (عاریت کی حالت میں) اسی کو پہنچی گی، اسی طرح

جب کسی شخص نے اپنے مملوک غلام کی خدمت کی کسی دوسرے شخص کے حق میں وصیت کی ہوگی تو غلام کا نفقہ موصیٰ لہ کے ذمہ ہو گا اس لیے کہ غلام کی منفعت وہی حاصل کرے گا:

ونفقة العبد العارية على المستعير لأن منفعته له، كذلك العبد  
الموصي برقبته لانسان وبخدمته لآخر ، نفقته على صاحب  
الخدمة بمقابلة انتفاعه بها۔<sup>(۱)</sup>

۵.....اگر دو شخص (صنعتکار) باہم اس شرط پر شرکت منفعت کریں کہ یہ اپنے ذاتی اثر سے آرڈر حاصل کر کے مشترک طور پر کام کریں گے، اور جو آمدنی اس کاروبار سے ہوگی اس سے دو حصے ایک شریک کے اور ایک حصہ دوسرے شریک کا ہو گا، تو اس کی وزیادتی کے ساتھ یہ شرکت صحیح ہوگی (جس کو شرع میں شرکت عنان کہا جاتا ہے) اور ہر شریک پر اس کے انتفاع کے مطابق ہی نقصان کا بارہ ہو گا:

ولو اتفق اثنان على شركة الاعمال عنانًا على أن يتقبلما ما يطرح  
عليهما من الناس على أن يكون لأحدهما ثلثا الربح وللآخر  
الثلث، صح بشرط التفاضل على هذا المقدار في الضمان لأن  
الغرم بالغنم۔<sup>(۲)</sup>

## قاعدہ نمبر (۸۷)

النِّعْمَةُ بِقَدْرِ النِّقْمَةِ وَالنِّقْمَةُ بِقَدْرِ النِّعْمَةِ۔<sup>(۳)</sup>

نعمت مشقت کے برابر مشقت نعمت کے برابر ہے۔

## شرح

یعنی حصول نعمت بقدر مشقت اور مشقت کا بار بقدر نعمت ہو گا، اس قاعدہ کا پہلا جملہ

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۶      (۲) شرح المجلة: ص ۲۳۶

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۶ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والثمانون، ص ۲۳۱

یعنی "النعمۃ بقدر النقمۃ" سابقہ قاعدہ نمبر ۸۲ "الغرم بالغنم" کے مترادف ہے، اور دوسرا جملہ "النقمۃ بقدر النعمۃ" سابقہ قاعدہ نمبر ۸۳ "الخراج بالضمان" کے مترادف ہے۔

انسان جس کسی شئ سے جس قدر فائدہ اٹھائے گا اسی کے بقدر اس پر اس کے سلسلے میں مشقت و لکفت کا بارڈا لاجائے گا۔

## تفریعات

۱.....اگر کوئی چوپائیہ و شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور دونوں میں سے ایک شریک اس چوپائے کی پرورش سے انکار کر دے اور دوسرا شریک اس معاملے کو حاکم کی عدالت میں پیش کرے تو حاکم کا فرض ہو گا کہ وہ دوسرے شریک کو یہ حکم دے کہ یا تو وہ اپنا حصہ فروخت کر دے یا یہ کہ مشترک کا اس چوپائے پر صرف کرے، حسب قاعدہ حصول نعمت بقدر مشقت و مشقت بقدر حصول نعمت:

إذا كان حيوان مشترك بين اثنين وأبى أحدهما عن تربيته  
وراجع الآخر الحاكم بأمر الحاكم الآبى بقوله "اما أن تبيع حصتك  
واما أن تربى الحيوان مشتركاً" لأن النعمۃ بقدر النقمۃ  
وبالعكس۔<sup>(۱)</sup>

۲.....جس راہ پر پڑے بچے کے ہمراہ (اس کی پرورش کے لیے) کوئی مال نہ پایا گیا ہو تو ایسے بچہ کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہو گی اور اگر (بالغ ہونے کے بعد) یہ بچہ کسی کو خطا قتل کر دے گا تو مقتول کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی اور اس مشقت کے مقابلہ میں بچے کی وراثت کا مال بیت المال کے لیے ہو گا، حسب قاعدہ حصول نعمت بقدر مشقت و مشقت بقدر نعمت:

كذلك اللقيط الذى لم يوجد معه مال نفقة فى بيت المال وإذا

قتل انساناً خطاء، فدية المقتول من بيت المال وبمقابلة هذه

النعمه ارثه وديعته لبيت المال، لأن النعمه بقدر النقمه۔ (۱)

۳..... کسی نے جائیداد خریدی اور باقاعدہ رجڑ کرایا تو رجڑی کے تمام اخراجات مشتری کو ادا کرنے ہوں گے کیونکہ یہ رجڑی مشتری ہی کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔

۴..... اگر (حیوان پر قبضہ کرنے اور اس کو استعمال کرنے کے بعد) اس حیوان میں کوئی عیب پایا گیا اور پھر خیار عیب کی بناء پر اس کو واپس کیا گیا اور استعمال سے قبل کسی عیب پر اطلاع نہ تھی، اور اس دوران میں مشتری اس حیوان سے مشفع ہوتا رہا خواہ بصورت کرانے پر دینے کے یا بصورت کسی دیگر آمدنی کے تو مشتری پر یہ لازم نہیں کیا جائے گا کہ وہ مبلغ کو مع اس آمدنی کے باعث کو واپس کرے کیونکہ مبلغ اس کی ضمان میں آچکی ہے اگر اس واپسی سے قبل ہلاک ہو جاتی تو اس کی مملوکہ چیز کا ہلاک ہونا متصور ہوتا (باائع سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا) اس مسئلے میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ مشتری کو اس عیب کا پہلے سے علم نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مشتری کو پہلے سے اس عیب کا علم تھا اور پھر اس نے اس شئی کو خریدا تو اب مشتری کا خیار عیب (عیب کی بناء پر واپسی) کا حق باطل ہو جائے گا۔

۵..... اگر ایک شخص نے کسی خاص مقام تک جانے کے لیے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر سوار ہو کر اس مقام تک گیا اس سے تجاوز نہ کیا اور جانور ہلاک ہو گیا، اور متاجر کی طرف سے اور کسی قسم کی زیادتی بھی جانور پر نہ ہوئی جس سے جانور کی ہلاکت واقع ہوتی تو اس صورت میں متاجر چھپ جانور کا کرایہ ادا کرے گا (جانور کا تاو ان اس کے ذمہ نہ ہوگا) کیونکہ اس حالت میں یہ جانور اس کی ضمان (ذمہ داری) میں نہ تھا، لیکن اگر اس مقام سے (جس کے متعلق طے کیا ہوا تھا) یہ شخص تجاوز کر گیا اور پھر جانور ضائع ہو گیا تو اب متاجر پر جانور کی قیمت کا تاو ان لازم نہ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام مخصوص سے

متخاوز ہونے کی بنا پر مستاجر غاصب قرار پایا گیا، اب جانور اس کی ضمانت میں داخل ہو گیا اور جب یہ اس کا ذمہ دار ہو گیا تو اب جو منفعت اس سے حاصل کر چکا وہ اس کا اپنا حق ہو گا کیونکہ منفعت کی بنیاد ضمانت پر ہے۔

۲..... ایک رہنے نے اپنے رہن کیے ہوئے غلام کو رہن ہونے کی حالت میں آزاد کر دیا تو یہ آزادی نافذ ہو جائے گی، اگر رہن مالدار شخص تھا تو اب غلام پر یہ واجب نہ ہو گا کہ وہ اپنی کمائی سے مرتبہن کا دین ادا کرے اس لیے کہ اس صورت میں مرتبہن کے لیے رہن سے اپنا دین وصول کر لینا ممکن ہے جبکہ ادا یگی کا وقت آجائے، اور اگر ابھی مدت ادا یگی باقی ہو تو رہن سے غلام کی قیمت وصول کر کے اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے، اور اگر رہن غریب انسان ہے تو اب غلام (آزادی کے بعد) مرتبہن کے دین کی ادا یگی کے مقدار کے اندازے تک اپنے کسب کے ذریعہ دین کی ادا یگی کا ذمہ دار ہو گا، بشرطیکہ غلام کی اپنی قیمت اور دین مساوی ہوں یاد دین قیمت سے کم ہو کیونکہ اس صورت میں مرتبہن کے لیے اپنے دین کا رہن سے وصول کر لینا ممکن نہ ہو گا، لہذا جس نے آزادی کی منفعت حاصل کی ہے اس سے یہ دین ادا کرایا جائے گا اور وہ یہ آزاد شدہ غلام ہے کیونکہ ”الخروج بالضمان“ اور غلام کی اپنی قیمت اور دین کی مقدار سے جو کم ہوا اس کا ادا کرنا اس بنا پر مقرر کیا گیا ہے کہ اگر دین کی مقدار قیمت سے کم ہے تو مرتبہن کو اس کا اصل حق پہنچ ہی جائے گا، اور اگر غلام کی قیمت کم ہے تو غلام کو صرف اتنی مقدار ادا کرنے میں فائدہ بھی اسی قدر حاصل ہوا ہے (لہذا اتنے ہی کا وہ ذمہ دار بھی ہو گا)۔

## قواعدہ نمبر (۸۸)

يُضَافُ الْفِعْلُ إِلَى الْفَاعِلِ لَا الْأَمْرِ مَا لَمْ يَكُنْ مُجَبَّرًا۔ (۱)

فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہو گی حکم دینے والے کی طرف نہیں جب تک جبر

ثابت نہ ہو جائے۔

## تشریح

یعنی فعل کی نسبت اس شخص کی طرف ہوگی جس سے فعل صادر ہوا ہوگا لیکن جو فعل کا باعث ہوا ہوگا جب تک اس کی طرف سے جبر کیا جانا ثابت نہ ہوگا فعل کی نسبت اس کی طرف نہ ہوگی۔

شریعت نے حکم دیا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے، چنانچہ جب ایک عاقل بالغ شخص کو کوئی دوسرا شخص کسی (مسلمان کے) مال ضائع کر دینے کا حکم دے یا کسی کے قتل یا قتل کا ذریعہ ہونے کا حکم دے تو اس کا یہ حکم باطل (ناقابل اطاعت) ہوگا کیونکہ شرعاً ایسے حکم کی مخالفت فرض ہے اور باطل امر کا عدم ہوا کرتا ہے، اسی بنیاد پر فعل اور اس کا اثر فاعل کی طرف منسوب ہوگا حکم دینے والے کی طرف منسوب نہ ہوگا بشرطیکہ فاعل اس فعل پر اس طرح مجبور نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس فعل کے بجالانے کے علاوہ اپنے لیے کوئی چارہ کارنہ پاتا ہو جس کو اکراہ مل جی کہا جاتا ہے، اگر اسی صورت ہوگی تو فعل اور اس کا اثر حکم دینے والے کی طرف منسوب ہوگا۔

## تفریجات

..... اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی کامال ضائع کرنے کا حکم دیا اور مامور نے مال ضائع کر دیا، اور اس کے بعد یہ معدیرت پیش کی کہ فلاں شخص نے اس کو یہ حکم دیا تھا تو مال کا توان اس فاعل پر واجب ہوگا اور ادا یگی کے بعد اس فاعل کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ (ضمان میں ادا کیا ہوا مال) حکم دینے والے سے وصول کر لے، اس لیے کہ اس کا فعل اور اس کا اثر دونوں فاعل کی طرف منسوب ہوں گے، حکم دینے والے کی طرف منسوب نہ ہوں گے:

لو امر أحد انسانا باتفاق مال الغير فأتلفه ثم اعتذر بأن فلانا

أمره يلزمـه الضمان ولا رجوع له على آمره لأن الفعل وحكمـه

يضاف إليه لا إلى آمره۔<sup>(۱)</sup>

۲.....اگر کسی نے دوسرے کو راستے میں کنوں کھونے کا حکم دیا اور مامور نے تعقیل کر دی پھر اس کنوں میں کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو جو حکم اس پر مرتب ہو گا وہ کنوں کھونے والے کے حق میں ہو گا، حکم دینے والے کے حق میں نہ ہو گا:

وَكَذَا لِوَأْمَرَهُ بِحَفْرِ بَثْرٍ فِي الطَّرِيقِ فَفَعَلَ فَوْقَعَ فِيهَا إِنْسَانٌ أَوْ دَابَةٌ

فالحكم المترتب يلزم الحافر۔<sup>(۱)</sup>

۳.....زید نے خالد کو حکم دیا کہ عمر کو قتل کر دو، اور خالد نے مخصوص زید کے کہنے سے عمر کو قتل کر دیا تو اس جرم کی ذمہ داری خالد پر ہو گی، وہ یہ کہہ کر ذمہ داری سے نہیں بچ سکے گا کہ مجھے زید نے کہا تھا، ہاں اگر صورت حال ایسی ہو کہ زید پستول لے کر خالد کے سر پر آن کھڑا ہوا اور کہا کہ عمر کو قتل کر دو ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا، اور خالد نے واقعی محسوس کیا کہ اگر اس نے عمر کو قتل نہ کیا تو زید اس کو جان سے مار دے گا اور خالد نے عمر کو قتل کر دیا تو خالد عدالت کے سامنے اپنی مجبوری یعنی اکراہ ثابت کر کے قتل کی ذمہ داری سے بری ہو سکے گا اور جبر کرنے والا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔

## قواعدہ نمبر (۸۹)

إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبَاشِرُ وَالْمُتَسَبِّبُ يُضَافُ الْحُكْمُ إِلَى الْمُبَاشِرِ۔<sup>(۲)</sup>

جب کام کرنے والا اور سبب بننے والا دونوں موجود ہوں تو حکم کی نسبت کرنے والے کی طرف کی جائے گی۔

## حکم کی شرعی تعریف

خطاب شرعی کے بعد مکلف کے فعل کو جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اسے حکم کہتے ہیں خواہ وہ کیفیت فرض، واجب، ندب، حرمت یا کراہت کی ہو یا رخصت وغیرہ کی ہو اگر ان میں سے کوئی کیفیت نہ ہو تو کم از کم اباحت کی کیفیت ہو گی اسی کو حکم شرعی کہا جاتا ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۳۸

(۲) الأشباء والناظران: القاعدة التاسعة عشرة، ص ۱۶۰ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۷۲

## سبب کی لغوی تعریف

ما یکون طریقاً الی الشیء بواسطہ۔

سبب وہ ہے جو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ ہو کسی واسطے کے ساتھ، مثلاً راستہ اس پر چل کر انسان منزل مقصود تک پہنچتا ہے تو منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے راستہ سبب ہے مشی کے واسطے سے۔

دوسری مثال: ڈول کے ساتھ ری باندھ کر پانی نکالا جاتا ہے اور ڈول ری کے واسطے سے پانی تک پہنچاتا ہے، تو ڈول پانی تک پہنچنے کا سبب ہے ری کے واسطے سے۔

## سبب کی شرعی تعریف

کل ما کان طریقاً الی الحكم بواسطہ یسمی سبیالہ شرعاً  
ہر وہ چیز جو حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہو کسی واسطے کے ساتھ تو اس چیز کو حکم کے لیے سبب کہا جاتا ہے اور درمیان میں واسطے کو علت کہا جاتا ہے۔

## علت کی لغوی تعریف

”ما یتغیر بہ حال الشیء“ ہر وہ چیز جس سے کسی کی حالت تبدیل ہو جائے اس کو لغۃ علت کہا جاتا ہے، جیسے مرض سے جسم کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے تو مرض کو لغۃ میں علت کہا جائے گا۔

## علت کی شرعی تعریف

”ما یکون واسطہ بین السبب والحكم“ جو چیز سبب اور حکم کے درمیان واسطہ ہو تو اس کی کو علت کہا جاتا ہے یا اس کی تعریف اس طرح بھی کر سکتے ہیں ”الوصف المعرف للحكم“ جو وصف حکم کی پہچان لانے والا ہے اس کو علت کہتے ہیں۔

## شرط کی لغوی تعریف

”الزام الشیء او التزامه“ کسی چیز کو لازم کرنا یا اس کا التزام کرنا۔

## شرط کی اصطلاحی تعریف

ما یتوقف علیہ وجود الحکم و یستلزم من عدمه عدم الحکم۔  
وہ چیز جس پر حکم کا وجود موقوف ہوا اور اس کے نہ ہونے سے حکم نہ پایا جاتا ہو، جسے نماز  
کے لیے وضو شرط ہے، وضو پر نماز کا وجود موقوف ہے اور وضو کے نہ ہونے سے نماز نہیں ہوگی۔  
الغرض یہ کہ جو چیز حکم تک پہنچانے کا ذریعہ ہو کسی واسطہ کے ساتھ وہ سبب ہے، اور جو  
واسطہ ہو وہ علت ہے اور جو چیز حکم تک پہنچانے کا نہ ذریعہ ہو اور نہ واسطہ ہو بلکہ حکم اس کے  
وجود پر موقوف ہو تو اس کو شرط کہتے ہیں۔

### سبب کی تین مثالیں

پہلی مثال: صطبیل میں گھوڑا تھا ایک شخص نے جا کر صطبیل کا دروازہ کھول دیا اور گھوڑا  
بھاگ کر گم ہو گیا تو گھوڑے کا ضائع ہونا حکم ہے، دروازہ کھولنا اس حکم کا سبب ہے اور  
گھوڑے کا بھاگ کر جانا علت ہے۔

دوسری مثال: پنجربے میں پرندہ تھا کسی نے پنجربے کا دروازہ کھولا اور پرندہ اڑ کر  
ضائع ہو گیا، تو پرندے کا ضائع ہونا حکم ہے، پنجربے کا دروازہ کھولنا اس حکم کا سبب، اور  
پرندے کا اڑ کر جانا علت ہے۔

تیسرا مثال: غلام آبق (بھائی والاغلام) زنجیر میں جکڑا ہوا تھا کسی نے اس کی  
زنجیر کھول دی تو وہ غلام بھاگ کر ضائع ہو گیا، تو غلام کا ضائع ہونا حکم ہے، زنجیر کھولنا اس کا  
سبب اور غلام کا بھاگنا اس کی علت ہے۔

### تفريعات

۱..... کسی آدمی نے چھری اٹھا کر چھوٹے بچے کو دے دی اور بچے نے کھلتے کھلتے اس  
چھری سے اپنے آپ کو قتل کر دیا تو چھری دینے والا اس کا ضامن نہیں ہو گا یعنی اس سے  
بچے کی دیت نہیں لی جائے گی، اس لیے کہ یہاں سبب اور علت دونوں جمع ہو گئے اس طرح

کہ چھری دینا قتل کا سبب ہے اور بچے کا خود اپنے آپ کو قتل کرنا علت ہے، اور یہ علت فاعل مختار کا فعل ہے اس لیے قتل کی نسبت علت کی طرف کی جائے گی، بچے نے خود ہی اپنے آپ کو قتل کیا ہے لہذا چھری دینے والا ضامن نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ چھری بچے کے ہاتھ سے خود بخوندگر جائے اور بچے کو زخمی کر دے تو اب زخمی کرنے کی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی اس لیے کہ سبب اور حکم کے درمیان فاعل مختار کا فعل واقع نہیں ہے چھری کا گرنا بچے کا اختیاری فعل نہیں ہے تو اس کی طرف حکم کی نسبت کرنا بھی متعدز رہے، جب علت کی طرف حکم کی نسبت کرنا متعدز رہے تو اب حکم کی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی، لہذا چھری دینے والے آدمی سے زخمی ہونے کا تاو ان لیا جائے گا۔

۲..... کسی آدمی نے بچے کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور بچے نے اس کی لگام ہاتھ میں لے کر اس گھوڑے کو چلا دیا اور گھوڑا دائیں بائیں کو دنا شروع ہو گیا اور بچہ گر کر مر گیا تو سوار کرنے والا آدمی دیت کا ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کہ گھوڑے پر سوار کرنا مرنے کا سبب ہے اور خود بچے کا گھوڑے کو چلانا مرنے کی علت ہے جو فاعل مختار کا فعل ہے، اس لیے مرنے کی نسبت اسی علت کی طرف کی جائے گی بچے کو سوار کرنے والے آدمی کی طرف اس کے مرنے کی نسبت نہیں کی جائے گی اس لیے اس سے بچے کی دیت بھی نہیں لی جائے گی، لیکن اگر بچے نے گھوڑے کو نہیں چلایا اس نے خود ہی اچھلنا کو دنا شروع کر دیا تو اب سوار کرنے والے کی طرف مرنے کی نسبت کی جائے گی اور اس سے بچے کی دیت لی جائے گی کیونکہ اب علت کی طرف حکم کی نسبت متعدز رہ گئی۔

۳..... ایک آدمی نے چور کی کسی کے مال کی طرف رہنمائی کی اور چور نے اس مال کو جا کر چوالیا تو رہنمائی کرنے والا ضامن نہیں ہوگا اس لیے کہ چور کا چوری کرنا مال کے ضائع ہونے کی علت ہے اور رہنمائی کرنا اس کا سبب ہے، سبب اور علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے اس لیے رہنمائی کرنے والے سے مال مسدودہ کا تاو ان نہیں لیا جائے گا۔

۳..... ایک آدمی نے قاتل کو مقتول کی جان کی طرف رہنمائی کی اور قاتل نے اس کو قتل کر دیا تو رہنمائی کرنے والا ضامن نہیں ہوگا، اس لیے کہ رہنمائی کرنا قاتل کا سبب ہے اور قاتل کا خود قاتل کرنا علت ہے اور سبب اور علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے اس لیے رہنمائی کرنے والا قاتل کا ضامن نہیں ہوگا۔

۵..... ایک آدمی نے قافلے کی طرف ڈاکوؤں کی رہنمائی کی اور ڈاکوؤں نے اس قافلے پر ہزرنی کی اور قافلے کو لوٹ لیا تو رہنمائی کرنے والے سے اس ڈاکے کا تاو ان نہیں لیا جائے گا اس لیے کہ رہنمائی کرنا اس ڈاکے کا سبب ہے، ڈاکہ مارنا اس کی علت ہے اور سبب و علت دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف کی جاتی ہے سبب کی طرف نہیں کی جاتی۔

### قواعد نمبر (۹۰)

الْجَوَازُ الشَّرِيعِيُّ يُنَافِي الصَّمَانَ۔ (۱)

جو از شرعی ضمان کے منافی ہے۔

### شرح

یعنی جس فعل کی شریعت کی جانب سے اجازت ہو اگر اس فعل کے ارتکاب سے کسی کو ضرر پہنچ جائے یا نقصان پہنچے تو ایسے فعل کے ارتکاب پر تاو ان نہ ڈالا جائے گا یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ ایک فعل شرعاً جائز ہو اور پھر اس کے فاعل پر ضمان بھی عائد کر دیا جائے، ان دونوں امر میں منافات ہے، چنانچہ اگر کسی شخص نے اپنی ملکیت میں کنوں کھودا اور اس میں کوئی جانور گر کر مر گیا تو کنوں کھونے والے پر کوئی تاو ان واجب نہ ہوگا۔

جو امر انسان کے لیے شرعاً جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے انسان پر ضمان عائد ہوا کرتا ہے چنانچہ اگر کسی شخص نے عام راستے پر یا غیر مملوکہ زمین میں کنوں کھودا اور اس سے

(۱) الدر المختار: کتاب الوکالت، ج ۵ ص ۵۲۳؛ مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷

کسی جان کی یا شئی کی ہلاکت واقع ہوگئی تو کھونے والا اس کا ضامن ہوگا۔

شرکت عنان یا مصارب ت کے دو شریک شرعاً میں تصرفات کا حق رکھتے ہیں۔

۱..... شرکت کا مال بضاعت کے طریقہ پر کسی کے سپرد کر دیں۔

۲..... کسی شخص کو اجرت پر ملازم رکھ کر تجارت کرائیں۔

۳..... شرکت کے مال پر کسی کا دین ہو تو اس کے عوض شرکت کا مال رہن رکھ دیں۔

۴..... جو کچھ فروخت کیا ہواں کے عوض میں کسی سے رہن لے لیں۔

۵..... دین شرکت کا کسی پر حوالہ دے دیں وغیرہ۔

لہذا ان تصرفات کے کرنے پر اگر کوئی نقصان پیدا ہوگا تو متصرف پر ضمان عائد نہ ہوگا  
کیونکہ ان تصرفات کی ان شرکاء کو شریعت کی جانب سے اجازت ہے، اور شرعی اجازت کے  
سامنے ضمان جمع نہیں ہوا کرتا:

ان لأحد الشريكيين عنانًا أو مفاؤضة أن يبضع ويستأجر أجيراً

لشيء من التجارة وأن يرهن متعاعداً من الشركة بدین وجب

يعقدة، ويرتهن بما باعه، ويحتال بدین للشركة على آخر، وأن

يسقابل أحدهما فيما باعه الآخر، إلى غير ذلك مما يجوز له فلو فعل

شيئاً من هذا فحصل ضرر لا يضمن لأن الجواز الشرعي ينافي

(۱) الضمان۔

## تفریعات

۱..... جو غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہواں کو کوئی شخص پکڑ لے اور پھر یہ پکڑنے والا  
غلام کے آقا سے وہ مصارف طلب کرے جو غلام کے سلسلہ میں ہوئے ہوں اور آقا ان  
کے دینے سے انکار کر دے تو اس پکڑنے والے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مصارف کی وصولی

تک غلام کو اپنے قبضہ میں رکھے، اور اس قبضہ کی مدت میں اگر غلام ہلاک ہو گیا تو پکڑنے والے پر تاو ان نہیں آئے گا کیونکہ اس شخص کو (تاوصیٰ مصارف) غلام کو اپنے پاس روک لینے کا شرعاً حق حاصل تھا، لہذا شرعی جواز کے موجود ہوتے ہوئے تاو ان ساقط ہو گا:

ان العبد الآبق من مولاه إذا أمسكه أحدٌ ليرد عليه فطلب منه  
الجعل حتى يسلمه العبد فامتنع فأبقاء عندة حتى يأخذ جعله

فهلك، لا ضمان عليه لأن الجواز الشرعي ينافي الضمان۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنے نابالغ بچوں پر کسی کو وصی مقرر کیا اور کسی دوسرے شخص کے حق میں تہائی مال کی وصیت کی اس کے بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا، اور اس نے کچھ ورثاء بالغ اور کچھ نابالغ چھوڑے، ان ورثاء میں سے بعض حاضر تھے اور بعض غائب تھے اور ترکہ حاضر ورثاء کے قبضے میں تھا، اس صورت میں یہ جائز ہو گا کہ وصی حاکم (عدالت) کے سامنے یہ دعویٰ پیش کرے کہ غائب ورثاء کی جانب سے کسی کو وکیل مقرر کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے اور ایک تہائی مال وصیت کا اس کے حوالہ کیا جائے، اب اگر ایسا کیا گیا اور دو تہائی مال ورثاء کے لیے باقی رکھا گیا اور اس کے بعد کوئی نقصان لاحق ہو تو وصی اس کا ضمن نہ ہو گا، کیونکہ وصی نے ایسا فعل کیا ہے جس کی شریعت نے اس کو اجازت دی تھی اور شرع کی اجازت ضمان کو ساقط کر دیتی ہے۔ اسی پر آپ مودع، مضارب، عاریت پر لینے والے، کراہیہ پر لینے والے، مرہن، متولی وقف، وکیل کے تصرفات کو جن کو شرع نے اجازت دی ہو قیاس کر لیں:

ولو عين أحدٌ وصيًّا على أولاد الصغار وأوصى لآخر بثلث ماله، ثم  
مات عن ورثة صغار وكبار بعضهم حاضر والبعض غائب والتركة  
تحت يد الحاضرين، جاز للوصي أن يطلب من القاضي فصب  
ووکیل عن الغائب واحدًا كان أو أكثر ويفقسم التركة مع الموصى

له ويعطيه الثالث فلو فعل وأمسك الثلاثين للورثة ثم نشأ من ذلك ضرر عليهم لا يضمن لأنه فعل ما يجوز له شرعاً والجواز الشرعي ينافي الضمان. وعلى هذا الوكيل والمضارب والمودع والمستعير والمستأجر والمرتهن والمتولى على الوقف في كل ما يجوز لهم فعله لا ضمان عليهم۔<sup>(۱)</sup>

۳..... ایک شخص نے اپنے مکان کی تعمیر کے لیے بنیادیں کھو دیں اور پھر کوئی شخص وہاں گر گیا اور اس کا بازو ٹوٹ گیا تو مکان کی تعمیر کرنے والا ذمہ دار نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا بلکہ اپنے مکان کی تعمیر کے لیے بنیادیں کھو دیں جو شرعاً اس کے لیے جائز تھا اور جواز شرعی ضمان کے منافی ہے۔

۴..... کسی نے کوئی جانور کرائے پر لیا کہ اس پر سامان لادے گا اور جتنا سامان عام طور پر ایسے جانور اٹھاتے ہیں اتنا یا اس سے کم بوجھ لادا، مگر وہ جانور بوجھ نہ اٹھاسکا اور گر کر مر گیا تو کرایہ دار ضامن نہیں ہوگا۔

## قواعد نمبر (۹۱)

الْمُبَاشِرُ ضَامِنٌ وَإِنْ لَمْ يَتَعَمَّدْ۔<sup>(۲)</sup>

مرتكب ذمہ دار ہو گا خواہ قصدانہ کرے۔

## شرح

اشیاء کے ضائع و ہلاک ہونے کی نسبت اسماء معنی و حکماً ہر طریقے سے مباشر ہی کی طرف کی جاتی ہے، اسماء اس لیے کہ حکم اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے، معنی اس لیے کہ حکم

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۲

(۲) الأشباه والنظائر: كتاب الغصب، ص ۲۷۷ / مجمع الضمانات: باب في اتلاف مال الغير، الفصل الأول، ج ۱ ص ۱۳۶

میں یہی مبادرت موثر ہوتی ہے، حکما اس لیے کہ مبادرت کے وجود کے ساتھ ہی حکم بھی وجود میں آ جاتا ہے، لہذا اگر فعل خطاء بھی واقع ہو گیا تو فاعل پر اس کا ضمان واجب ہو جائے گا، مثلاً ایک شخص نے شکار کو گولی مارنے کا قصد کیا اور گولی کسی شخص کی مملوکہ بکری کو جا لگی یا یہ کر فعل میں خطاء واقع نہ ہوئی بلکہ فاعل کے گمان نے خطاء کی، مثلاً بکری کو پتھر سمجھ کر گولی چلائی یا یہ کہ فعل اور گمان دونوں میں سے کسی میں غلطی نہ ہوئی جیسے ایک سو یا ہوا شخص کسی دوسرے کے مال پر کروٹ لینے میں گرپڑا اور مال ضائع ہو گیا، ان تمام صورتوں میں مبادرت پر ضمان واجب ہو گا، قاعدے کی عبارت میں یہ قید رکھی گئی ہے کہ عمدانہ کیا ہوا سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ قصد امباہرت کی صورت میں ضمان کا وجوب بطریقہ اولی ہو گا، اور اس کے ساتھ ہی گنہگار بھی ہو گا لیکن اگر قصد نہ کیا تھا تو شخص ضمان واجب ہو گا عند اللہ ما خوذ نہ ہو گا۔

## تفریعات

۱..... ایک شخص نے اپنے مملوکہ میدان میں کسی مقام پر نشانہ بازی کی مشق کی اور گولی اپنی حد سے تجاوز کر کے کسی شخص کی کسی چیز کو ضائع کر گئی تو نشانہ بازاں کا ذمہ دار ہو گا:

رمی سهمما الى هدف في ملکه فتجاؤزه واتلف شيئاً لغيره ضمنـ۔ (۱)

۲..... ایک شخص لڑائی میں دوسرے شخص سے چھٹ گیا اور اس فعل سے دوسرے کی کوئی چیز گرپڑی اور ضائع ہو گئی، فقہاء کرام فرماتے ہیں چمنے والا ضامن ہو گا، اس مقام پر کچھ وضاحت کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اگر گرنے والی چیز مالک کے اتنے قریب گری کہ وہ اس کے صحیح حالت میں اٹھانے پر قادر تھا تو چھٹ جانے والا ضامن نہ ہو گا، اور اگر ایسی حالت نہ تھی تو اب ضامن ہو گا:

تعلق برجل و خاصمه فسقط من المعلق به شيء فضاء، قالوا

يُضْمَنُ الْمُتَعْلِقُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْجَوابُ عَلَى التَّفْصِيلِ: أَنْ

سقوط بقرب من صاحبه وهو يراه وأمكنه اخذه لا يكون ضامناً

والا كان ضامناً۔ (۱)

۳..... ایک شخص نے اپنے مکان میں کسی چیز کو کوٹا اس کی دھمک سے ہمسایہ کی کوئی چیز گر کر ضائع ہو گئی تو کوٹنے والا ضامن ہو گا:

رجل دق في داره شيئاً فسقط من ذلك في دار جارة شيء وتلف،

كان ضمان ذلك على الذي دق في داره۔ (۲)

۴..... ایک شخص نے دوسرے کو اپنے مکان کی چھت پر چڑھنے کی اجازت دی یا بیٹھنے کی اجازت دی اور اس شخص کے چڑھ کر بیٹھنے سے مکان کی چھت گر پڑی، جس کی بناء پر اول شخص کا خادم ہلاک ہو گیا تو بیٹھنے والا ضامن ہو گا:

رجل أذن لغيره بالجلوس على سطح داره، فانخسف به فوقع على

مملوك الأذن ضمن الجالس۔ (۳)

۵..... قتل خطاء کا مسئلہ بھی اسی قاعدے کا جزئیہ ہے، مثلاً ایک شخص نے کسی دوسرے کو شکار تصور کر کے تیر مارا، یا نشانہ پر تیر مارا اور تیر کسی انسان کو جا لگا یا نشانہ سے پار ہو کر کسی کو جا لگا اور یہ شخص ہلاک ہو گیا، اس صورت میں دیت اور کفارہ لازم ہو گا، قصاص نہ ہو گا اور نہ اس درجہ گنہگار ہو گا جس درجہ قتل عمد میں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس مباشر نے احتیاط کا دامن چھوڑ دیا ہو گا اس کو چاہیے تھا کہ اس موقعہ پر کسی کو (نقسان نہ پہنچنے) کا یقین حاصل کر لیتا، چونکہ یہ شخص فعل کا مرتكب ہے، سبب محض نہیں ہے اس لیے مقتول کی وراشت سے محروم ہو گا:

وعلى هذه القاعدة يتفرع القتل عن مباشرة خطأ لأن يرمي

شخصاً ظنه صيداً أو رمي غرضاً فأصابه ثم رجع عنه، أو تجاوز عنه

إلى ماوراءه فأصاب رجلاً فقتله لا قود فيه بل الديمة على العاقلة

وعلیه الکفارۃ ولحقو اثم دون اثم العمد لترکہ العزیمة، وہی  
المبالغة فی التثبت، ولکونه وقع مباشرۃ لا تسبباً یوجب حرمان  
الارث۔<sup>(۱)</sup>

## قاعدہ نمبر (۹۲)

**الْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ إِلَّا بِالتَّعْمِدِ۔<sup>(۲)</sup>**  
متسبب صرف عمدًا کرنے پر ہی ذمہ دار ہوگا۔

### شرح

جو کسی حکم تک پہنچنے کا ذریعہ ہوا س کو متسبب کہتے ہیں یعنی فعل کی تاثیر کے بغیر کسی شئی کے تلف کا سبب ہو جائے اور تلف ہونے میں اثر اس شخص یا اس شئی کا ہو جو سبب اور تلف کے درمیان واسطہ ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علت اس امر کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ فعل کی اس کی جانب نسبت کی جائے، لہذا ایسی صورت میں فعل کی نسبت سبب کی طرف کر دی جاتی ہے، اس محل پر یہ امر قابل غور ہوگا کہ متسبب کا فعل کیسا ہے اگر اس کا فعل، فعل ناقص ہے جیسے عام راستہ پر کنوں کھو دنایا کسی غیر کی ملکیت میں کنوں کھو دنا، اگر ایسا ہے تو شئی کے ضائع ہونے پر یہ ضمان ہوگا اگرچہ یہ فعل قصد آنہ کیا ہو، کیونکہ بذاته فعل کا ارادہ تو تھا ہی اور اگر کسی مباح فعل کے ذریعہ ہلاکت واقع ہوئی، اب اگر یہ علت موثر کی ایجاد کا قصد اس سبب ہوا ہے اگرچہ حکم کے منسوب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تب بھی یہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی تصور کیا جائے گا کہ متسبب نے عمدًا ایسا کیا، چنانچہ دفعہ (۹۲۳) میں یہ شرط ملحوظ ہے کہ جس سبب میں تعدی (ظلم) کا معنی موجود ہوگا وہ ضمان کا موجب ہوگا جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا یعنی ضرر رسانی کے سبب کا موجب ضمان ہونا، اس کے لیے یہ شرط ہے

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶

(۲) البحر الرائق: کتاب الرضاع، المحرمات بسبب الرضاع، ج ۳ ص ۲۲۹ / مجمع الضمانات: باب فی مسائل الجنایات، الفصل الأول، ج ۱ ص ۱۲۵

کہ اس کا ضرر پہنچانے والا فعل ظلماء وجود میں آیا ہوا، مثلاً ایک شخص نے حاکم مجاز کی اجازت کے بغیر عام راستے میں کنوں کھودا اور اس کنوں میں کسی شخص کا جانور گر کر ہلاک ہو گیا تو کنوں کھودنے والا اس کا ضامن ہو گا، لیکن اگر اپنی مملوکہ زمین میں کنوں کھودا اور ایسا واقع پیش آیا تو اب ضامن نہ ہو گا (کیونکہ اپنی ملکیت میں شرعاً اس کو تصرف کا حق حاصل تھا) معلوم ہوا کہ جو فعل تعدی پر بنی ہو گا وہ ضمان کا سبب ہو گا لیکن جو فعل کسی ایسے حق کی بناء پر ہو گا جو شرع نے انسان کو عطا کیا ہو گا اور اجازت دی ہو گی وہ ضمان کا موجب نہ ہو گا، چنانچہ اگرچہ کوئی شخص اپنا مکان منہدم کرے اور اس کے منہدم کرنے سے ہمسایہ کے مکان کو نقصان پہنچ جائے تو اول شخص اس کا ضامن نہ ہو گا، اس کی وجہ واضح ہے کیونکہ (اس شخص کے اپنا مکان منہدم کرنے میں) کسی قسم کی زیادتی موجود نہیں۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر کسی شخص کا جانور کسی دوسرے شخص کی وجہ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ پڑے اور اس کی ذات سے کسی کو نقصان پہنچ جائے تو دوسرے شخص پر اس کا ضمان عائد نہ ہو گا، البتہ اگر دوسرے شخص نے بالقصد وارادہ جانور کو بھڑکایا تو ایسی صورت میں اس بھڑکانے والے پر ضمان عائد ہو گا:

لَوْ جَقْلَتْ دَابَةٌ أَحَدٌ مِّنَ الْآخَرِ وَفَرَّتْ فَضَاعَتْ، لَا يَلْزَمُ الضَّمَانَ،  
وَإِنَّمَا إِذَا كَانَ أَجْفَلَهَا قَصْدًا يَضْمُنُ۔<sup>(۲)</sup>

۲..... اگر کسی شکاری کی بندوق کی آواز سے کسی کا جانور خوف زدہ ہو کر بھاگا اور اس سے کسی کو نقصان پہنچا تو شکاری اس نقصان کا ضامن نہ ہو گا، لیکن اگر شکاری کا مقصد ہی بندوق کے فائر سے جانور کو خوف زدہ کرنا تھا تو اب اس نقصان کا ضامن ہو گا:

وَكَذَا إِذَا جَفَلَتْ الدَّابَةُ مِنْ صَوْتِ الْبَنْدِقِيَّةِ الَّتِي رَمَاهَا الصَّيَادُ

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۶، ۲۵۷ (۲) شرح المجلة: ص ۲۵۷

قصد الالصید، فوّقعت وتلفت أو انكسر أحد أعضائها لا يلزم  
الضمان، وأما إذا كان الصياد قدر می البدنية بقصد اجفالها،

(۱) يضمن -

۳..... ایک شخص نے اپنی زمین کے کوڑے کے ڈھیر میں (صفائی کے پیش نظر)  
آگ لگادی اور یہ آگ پھیل کر اس کے ہمسایہ کی زمین میں نقصان کا سبب ہو گئی تو آگ  
لگانے والا اس کا ضامن نہ ہو گا، لیکن اگر آگ لگانے والے کو اس امر کا اندازہ تھا کہ یہ  
آگ اس کے ہمسایہ کے نقصان کا سبب ہو گی اور پھر اس نے ایسا کیا تو ضامن ہو گا (وجہ  
 واضح ہے) کہ جب اس کو آگ لگانے سے ہمسایہ کے نقصان کا اندازہ تھا اور پھر اس نے یہ  
عمل کیا تو یہ تصور کیا جائے گا کہ اس کا ارادہ نقصان پہنچانے کا ہی تھا:

رجل اراد ان يحرق حصائد أرضه، فأوقد النار في حصائد  
فذهبت النار الى أرض جارة واحرق زرعه لا يضمن الا ان يعلم  
أنه لو احرق حصائد تتعدي النار الى زرع جارة لأنه إذا علم ذلك  
كان قاصداً احراق زرع الغير - (۲)

۴..... ایک شخص نے اپنی زمین کو پانی سے سیراب کیا یہ پانی اس کے ہمسایہ کی زمین  
میں پہنچ گیا (اور اس سے ہمسایہ کا نقصان ہو گیا تو اس صورت میں غور کیا جائے گا) اگر پانی  
کی مقدار اتنی زائد تھی کہ پانی دینے والے کی زمین سے دوسرے کی زمین تک پانی کا پہنچ  
جانا لازمی امر تھا اس حالت میں پانی دینے والا نقصان کا ضامن ہو گا کیونکہ ایسی حالت پانی  
دینے والے کے قصد کی علامت ہے، لیکن اگر پانی کی مقدار اتنی تھی کہ وہ پانی دینے والے کی  
زمین تک محدود رہتی تو اس صورت میں اس پر غور کرنا ہو گا کہ پانی دینے والے کے ہمسایہ  
نے اس کو خبردار کر دیا تھا کہ تم زمین کی حد بندی کر کے اس کو مضبوط کر دو، اگر یہ تنبیہ کردی گئی  
اور پانی دینے والے نے اس طرف کو توجہ نہ دی تھی تو یہ ضامن ہو گا، اور پانی دینے والے کا

یہ عمل بالقصد وارادہ متصور ہوگا، اور یہ عمل ایسا متصور ہوگا جیسا کہ کسی شخص کی دیوار ایک جانب جھک پڑی ہو اور اس جانب کا ہمسایہ دیوار کے مالک کو متنبہ کرنے کے دیوار کی اصلاح کرالی جائے اور اس تنبیہ پر گواہ قائم کرے لیکن اگر ہمسایہ نے پانی دینے والے کو متنبہ نہ کیا تھا تو ایسی صورت میں پانی دینے والا ضامن نہ ہوگا، اور اگر پانی دینے والے کی زمین بلندی پر تھی اور ہمسایہ کی زمین پستی میں تو ایسی صورت میں یقینی طور پر پانی ہمسایہ کی زمین میں ضروری طور پر پہنچے گا اور پانی دینے والا ضامن ہوگا، اس کو اس امر کا مکلف کیا جائے گا (کہ مضبوط حد بندی کر کے) سیرابی کا عمل اختیار کرے:

سقى أرضه فتعدى الماء الى أرض جارة، فلو أجرى الماء فى أرضه  
اجراء لا يستقر فى أرضه وإنما يستقر فى أرض جارة ضمن أى لأن  
هذه الحالة دليل التعمد، ولو يستقر فى أرضه ثم يتعدى الى أرض  
جارة، فلو تقدم اليه جارة بالسكن والإحکام ولم يفعل ضمن  
ويكون هذا كأشهاد على حائط مال ولو لم يتقدم لم يضمن ولو  
أرضه صعوداً وأرض جارة هبوطاً يعلم أنه لو سقى أرضه نفذ الى  
جارة ضمن، ويؤمر بوضع المسناة۔<sup>(۱)</sup>

## قواعد نمبر (۹۳)

جِنَاحِيَّةُ الْعَجَمَاءِ جُبَارٌ۔<sup>(۲)</sup>

جانوروں سے جونقصان پہنچے اس کا کوئی بدل نہیں۔

ماخذ

یہ قاعدة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ماخوذ ہے:

(۱) شرح المجلة: ص ۲۵۷

(۲) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الثالثة والتسعون، ص ۲۶۷

قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جرح العجماء جبار والبئر جبار،  
والمعدن جبار، وفي الركاز الخامس۔<sup>(۱)</sup>

### تشریح

اگر جانور اپنی ذات سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا دے گا تو جانور کے مالک پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی، اس کی نظیر دفعہ (۹۳۹) کا مسئلہ ہے، وہ یہ کہ دو شخصوں نے کسی ایسے مقام پر اپنے جانور باندھے جہاں ان کو باندھنے کا حق تھا ان جانوروں میں سے ایک نے دوسرے کو سینگ مار دیا (یا کاٹ لیا) تو اس جانور کے مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا یا یہ کہ دو شریکوں نے ایک مقام پر جانوروں کو باندھ دیا اور ایک شریک کے جانوروں نے دوسرے شریک کے جانوروں کو نقصان پہنچا دیا تو ضمان عائد نہ ہوگا، اسی طرح دفعہ (۹۳۱) کا فقرہ اول اور فقرہ سوم اسی دفعہ کی نظیریں ہیں جانور کے نقصان پہنچانے کی صورت میں ہم نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ نقصان جانور کے اپنے ذاتی فعل کا نتیجہ ہوا س کی وجہ یہ ہے کہ اگر جانوروں کے مالکان نے اپنے عمل میں کوئی کوتا ہی کی ہوگی یا تعددی (زیادتی) سے کام لیا ہوگا یا وہ اس کا سبب قرار پائے ہوں گے تو ایسے حالات میں ان پر ضمان عائد ہوگا، لہذا اگر کسی شخص کے جانور نے ایسا فعل شروع کیا جس سے کسی کامال ضائع ہو جائے اور مالک بیٹھا دیکھتا ہے جانور کو روکنے کی کوشش نہ کی تو یہ شخص ضامن ہوگا، دفعہ (۹۲۹) کے نظائر ملاحظہ ہوں۔

ایک شخص نے اپنے گدھے کو دوسرے شخص کی گندم کھاتے دیکھا اور اس کو اس فعل سے بازنہ رکھا، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ شخص ضامن ہوگا کیونکہ اس شخص نے گدھے کو نہ روک کر اپنے فریضہ کے ادا کرنے میں کوتا ہی اختیار کی۔

اسی طرح جانور کا سوار یا آگے، پیچھے سے چلانے والا یہ تمام افراد جانور کے کسی شئی کو نقصان پہنچانے یا ضائع کر دینے کے ذمہ دار ہوں گے کیونکہ جانور کا چلننا، چلانے والے

(۱) السنن الکبری للنسائی: کتاب الزکاة، زکاة المعدن، ج ۳ ص ۳۵، رقم الحديث: ۲۲۸۸  
مسند احمد: مسند أبي هريرة، ج ۱ ص ۵۲۷، رقم الحديث ۸۶۴۱

کے تابع ہوتا ہے اس لیے چلانے والے کی طرف منسوب ہوگا، اور فعل کے مباشر کے درجہ میں تصور کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ فعل کا مباشر متعدد ہوا کرتا ہے، ملاحظہ ہو دفعہ (۹۳۳) و دفعہ (۹۳۱) کا پہلا اور تیسرا فقرہ۔

اور ضمانت بالتبسبب کی مثال: مثلاً کوئی شخص عام راستے میں حاکم کی بغیر اجازت اپنا جانور باندھ دے یا کسی غیر کی ملکیت میں کنوں کھودے ایسی صورت میں جو ضرر کسی کو لاحق ہوگا یہ شخص اس ضرر کا ضامن ہوگا۔

کسی جانور کا نقصان پہنچانا تین طریقے پر ہوا کرتا ہے، اول یہ کہ یہ جانور جس مالک کی ملکیت ہوا س کے نقصان کا باعث ہوا ہو، دوم یہ کہ کسی دوسرے کے نقصان کا باعث ہوا ہو، سوم یہ کہ عامتہ مسلمین کے حق میں ضرر کا سبب ہوا ہو۔

اگر جانور نے خود مالک کی ملکیت کو مالک کی غیر موجودگی میں نقصان پہنچا دیا تو ضمانت کا کوئی تصور نہ ہوگا، خواہ جانور کے نقصان پہنچانے کا کوئی بھی طریقہ ہو یعنی جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو یا اگلے پاؤں سے نقصان پہنچایا ہو یا دانتوں سے کاٹ کر یاد مار کر، جانور کا مالک اس کے ساتھ آگے پیچھے سے چلا رہا ہو یا کوئی صورت بھی ہو۔

لیکن اگر مالک اپنے جانور پر سوار تھا اور اس حالت میں جانور نے اپنے پچھلے یا اگلے حصہ سے کسی کو نقصان پہنچا دیا تو ایسی صورت میں مالک اس نقصان کا ضامن ہوگا، اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آگیا جو دیت کا موجب تھا تو اب مالک کے قبیلہ پر دیت کی ادائیگی واجب ہوگی، لیکن اگر صورت یہی رہی اور جانور نے دانتوں سے کاٹ ڈالا یا اچھل کر ٹکر مار دی یا اگلے پاؤں سے اچھل کر چڑھ گیا، تو اب یہ سوار ضامن نہ ہوگا کیونکہ سوار کے لیے جانور کی ان حرکتوں پر قابو پالینا مشکل ہوتا ہے ان سے پہنچا ممکن نہیں ہوتا۔

اور اگر جانور کی ضرر رسانی کسی غیر کی ملکیت میں واقع ہوئی تو اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جانور اپنے مالک سے چھوٹ کر دوسرے کی ملکیت میں پہنچ گیا ایسی صورت میں جانور کے مالک یا صاحب پر ضمانت عائد نہ ہوگا کیونکہ یہ فعل جانور کا اپنا ذاتی فعل ہو گا جس کا کوئی

بدل نہیں ہوا کرتا، لیکن اگر جانور کے مصاحب نے خود جانور کو داخل کیا تو ایسی صورت میں جانور مذکورہ طریقوں میں سے جس طریقے سے بھی نقصان پہنچائے گا یہ شخص اس کا ضامن ہو گا، اور اگر مالک کی اجازت سے (اس کی ملک) میں داخل کیا گیا ہے تو اس کا حکم ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اور اگر عامۃ المسلمين کے حق میں (راستے وغیرہ) میں ضرر رسانی واقع ہوئی تو اگر جانور کا مصاحب اس کو لیے ہوئے کھڑا تھا اور جانور نے اگلے یا پچھلے قدم یا دم یا چپل کر کسی کو نقصان پہنچا دیا تو یہ مصاحب ضامن ہو گا، اور اگر یہ جانور کے ساتھ نہ تھا بلکہ جانور کو سیدھا ہنکا کر چھوڑ دیا اور جانور سیدھا چلتا رہا تب بھی ضامن ہو گا۔

فتاویٰ ہندیہ کی اس عبارت سے چند ضابطے نکلتے ہیں، اول یہ کہ جب انسان جانور پر سوار ہوا اور جانور کسی چیز کو اپنے اگلے یا پچھلے حصہ سے کسی چیز کو پامال کر دے، خواہ وہ خود سوار کی ملکیت ہی میں کیوں نہ واقع ہوا ہو اس کا ضامن ہو گا، اس لیے کہ اس صورت میں ضائع کرنا سوار کی مباشرت متصور ہو گی کہ اس نے جانور کو قابو میں رکھ کر اس کی حفاظت کیوں نہ کی۔ مگر یہ کہ جانور بھڑک گیا ہوا اور سوار کے قابو سے باہر ہو گیا ہو۔

دوم یہ کہ سوار ہونے کے علاوہ صورتوں میں اگر اپنی ملکیت میں رہتے ہوئے نقصان پہنچایا ہے تو کسی صورت میں ضامن نہ ہو گا۔

سوم یہ کہ اگر غیر کی ملکیت میں داخل ہو کر ضرر پہنچایا اس وقت غور کرنا ہو گا، اگر جانور بذات خود غیر کی ملکیت میں داخل ہو گیا ہو گا تو ضامن نہ ہو گا، کیونکہ اس وقت جانور کا فعل اپنا ذاتی فعل ہو گا جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا، جانور کے مصاحب کی جانب سے نہ مباشرت کا تصور ہو گا نہ تسبب کا اور نہ فرض کی کوتا ہی کا، لیکن اگر جانور کا داخلہ اس مصاحب کے فعل کا نتیجہ ہے تو ہر حالت میں مصاحب پر ضامن عائد ہو گا، اور اسی طرح جبکہ عامۃ المسلمين کے راستے میں کھڑا کر دیا گیا ہو کیونکہ ان تمام صورتوں میں مصاحب کی زیادتی متصور ہو گی اس کو اس طرح راستے میں کھڑا کرنے کا حق نہ تھا۔

يجب أن يعلم بأن جنائية الدابة لا تخلو من ثلاثة أوجه: اما أن تكون في ملك صاحب الدابة أو في ملك غيره أو في طريق المسلمين - فان كانت في ملك صاحب الدابة ولم يكن صاحبها معها، فإنه لا يضمن صاحبها، واقفة كانت الدابة أو سائرة، وطئت بيدها أو برجلها، أو نفتحت بيدها أو برجلها، أو ضربت بذنبها، أو كدمت.

وان كان صاحبها معها، ان كان قائداً لها أو سائقاً لها، فكذا لا يضمن صاحبها في الوجوه كلها، وإن كان صاحب الدابة راكباً عليها والدابة تسير ان وطئت بيدها أو برجلها يضمن وعلى عاقلته الديمة وإن كدمت أو نفتحت برجلها أو بيدها، أو ضربت بذنبها، فلا ضمان، أى لعدم امكان التحرز عنه.

وان كانت في ملك غير صاحبها فإن دخلت في ملك الغير من غير ادخال صاحبها بأن كانت منفلترة، فلا ضمان على صاحبها أى لأن هذا محض فعلها، وهو جبار، وإن دخلت بادخال صاحبها فصاحب الدابة ضامن في الوجوه كلها سواء كانت واقفة أو سائرة سواء كان صاحبها معها ليسوقها أو يقودها أو كان راكباً عليها أو لم يكن معها، وإن كان باذن مالكه فهو كما لو كان في ملكه.

وان كانت في طريق المسلمين، فإن كانت الدابة واقفة في طريق المسلمين صاحبها أو قفها، يضمن ما تلف بفعل الدابة في الوجوه كلها وإن كانت سائرة ولم يكن صاحبها، فإن سارت بارسال صاحبها، فصاحبها ضامن ما دامت تسير في وجهها ولم تسرى مينا وشمالاً - (١)

## قاعدہ نمبر (۹۲)

اَلَا مُرْ بِالْتَّصَرُفِ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بَاطِلٌ۔<sup>(۱)</sup>  
ملک غیر میں تصرف کا حق باطل ہوگا۔

### تشريع

انسان کا کسی شئی یا منافع کے مالک ہونے سے جو حق پیدا ہوتا ہے اس حق کو ملکیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جیسا کہ دفعہ (۱۲۵) میں کہا گیا ہے کہ شرع نے فقط مالک کے لیے (اس کی مملوکہ شئی) میں تصرف کرنے کا حق تسلیم کیا ہے، لیکن مالک ہونے کے متعدد اسباب ہیں جن کے نجملہ تمام مالی معاوضات اور مہر کا تقرر و خلع و میراث، صدقات، وصیت، وقف، غنیمت، اقتدار، بحرز میں کی آبادی، بڑی چیز کو اس کی شروط کے ساتھ اٹھا لینا، مقتول کی دیت جس کا مقتول موت سے چند لمحات قبل مالک ہو جاتا ہے اور روح کے پرواز کرنے کے فوراً بعد یہ ملکیت ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تو انسان اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، البتہ غیر کی ملک میں اس کی جاگزت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ملک غیر میں کسی کو تصرف کا حکم دینا یا وکیل بنانا یا اس پر ولایت دینا بھی جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے ملک غیر میں کسی کو تصرف کرنے کا حکم دیا اور کوئی نقصان ہو گیا تو ضمان مامور پر آئے گا آمر پر نہیں آئے گا، اس لیے کہ مامور کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ ملک غیر میں مالک کی اجازت کے بغیر محض آمر کے کہنے پر تصرف کرتا اس لیے کہ آمر کا اس کو ملک غیر میں تصرف کرنے کا حکم دینا، ہی باطل تھا۔

### تفریعات

۱..... ایک مفترض اپنے قرض خواہ کو قرضے کے دراهم ادا کرنے کے لیے حاضر ہوا

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۷۲۔ شرح القواعد الفقهية: القاعدة الرابعة والتسعون، ص ۲۵۹

قرض خواہ نے کہا کہ ان کو دریا میں پھینک دو، اگر مقرض نے ایسا کیا تو مقرض کے دراهم ہلاک ہوں گے کیونکہ قرض خواہ جب تک قبضہ نہیں کرے گا اس قت تک ان دراهم پر اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی، لہذا اس کا حکم کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

۲..... اگر زید نے عمر و سے کہا تم خالد کی بکری لے جا کر فروخت کر دو اور عمر و نے فروخت کر دی تو عمر و مجرم ہوگا، وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ اس کو زید نے حکم دیا اس لیے کہ زید کا عمر و کو بکری فروخت کرنے کا حکم دینا ہی باطل تھا، کیونکہ یہ ملک غیر میں تصرف کرنے کا حکم تھا۔

۳..... اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ زید کو ایک ہزار روپے دے دو اور مامور نے روپے دے دیئے، تو مامور کو روپیہ واپس لینے کا حق زید سے ہوگا حکم دینے والے سے نہ ہوگا اسی کی وجہ وہی ہے جو بیان کی گئی کہ آمر کا حکم صحیح نہ تھا۔

## قاعدہ نمبر (۹۵)

لَا يُجُوزُ لَا حَدِّ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِلَا إِذْنِهِ۔ (۱)  
کسی کو بغیر اجازتِ مالک غیر میں تصرف کا حق حاصل نہیں۔

### شرح

اس قسم کے تصرف کا ناجائز ہونا تمام تصرفات کے ناجائز ہونے کو شامل ہے، چنانچہ سواری لینا، کپڑا پہن لینا (دیوار پر) کڑیاں رکھ لینا، مکان میں داخل ہونا، کسی کی زمین سے راستے گزارنا، یا غیر کی چیز کو عاریت دے دینا، یا ودیعت رکھ دینا، اجارے پر دے دینا، صلح کر لینا، ہبہ کر دینا، فروخت کر دینا، رہن رکھ دینا، گرد دینا، تعمیر کر لینا اور دیگر تمام ایسے امور جو عوض کے ساتھ تملیک کا فائدہ دیتے ہوں یا بغیر عوض ان سے کسی کو ملکیت حاصل ہو جاتی

(۱) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة الخامسة والتسعون، ص ۳۶۱

ہو، ایسے تمام عقود میں اگر مالک نے ان کے نفاذ کی اجازت دے دی تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ باطل ہو جائیں گے۔

## تقریبات

۱..... ایک شخص نے ہانڈی میں گوشت چولہے پر رکھ دیا اور لکڑیاں بھی چولہے میں لگا دیں (اور بس) دوسرے شخص نے (اس کے اس عمل کو دیکھ کر) چولہے کی لکڑیاں آگ سے روشن کر دیں (تاکہ ہانڈی پک جائے) احساناً ضامن نہ ہوگا:

وضع القدر على الكانون وتحتها الحطب فجاء آخر و أوقن النار  
فطبيخ، لا يضمن استحسانا۔<sup>(۱)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنی چکی کے گول میں گندم بھر دیئے اور چکی چلانے والا جانور بھی بھی چکی میں جوڑ دیا، پھر کسی دوسرے شخص نے یہ تصرف کیا کہ جانور کو چلا کر آٹا تیار کر دیا تو یہ چلانے والا ضامن نہ ہوگا، لیکن اگر صورت اس کے برخلاف واقع ہو تو اب ضامن ہوگا:

ولو أن المالك جعل الحنطة في الذورق وربط الحمار وجاء آخر  
فساقه لا يضمن۔<sup>(۲)</sup>

۳..... اگر کسی شخص کا مٹکا اٹھایا اور وہ گر کر ٹوٹ گیا اٹھانے والا ضامن ہوگا، لیکن اگر مالک کے اٹھاتے وقت اس کی مدد کر رہا تھا کیونکہ مٹکا ایک جانب جھکا ہوا تھا اور اب مدد دینے میں گر پڑا اور ٹوٹ گیا تو اس صورت میں ضامن نہ ہوگا:

رفع حرة فانكسرت ضمن، ولو رفعها صاحبها وأمالها الى نفسه فجاء  
آخر وأعانه فانكسرت، لا۔<sup>(۳)</sup>

۴..... ایک شخص نے دوسرے شخص کا بوجہ اس کے جانور پر بار کر دیا اور جانور (بوجہ سے) ہلاک ہو گیا، بار کرنے والا ضامن ہوگا لیکن اگر خود مالک بار کر رہا تھا اور اس کے بار

کرنے میں امداد کی پھر جانور ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا:

حمل علی دابة غیرہ فهلك ضمن ولو حملها المالك شيئاً فسقط  
فحملها آخر فهلكت لا۔ (۱)

۵..... اگر کوئی شخص دوسرے کے قربانی کے جانور کو ایام قربانی کے علاوہ دوسرے ایام  
میں ذبح کر دے گا تو جانور کا ضامن نہ ہوگا، لیکن قربانی کے ایام میں ایسا کرنے سے ضامن نہ ہوگا:  
ذبح اضحیۃ غیرہ فی غیر أیامها لا یجوز ویضمن ولو فی أیامها  
یجوز ولا یضمن۔ (۲)

۶..... ایک شخص اپنا مکان منہدم کرنے کے لیے مزدور لایا (اتنے میں) ایک دوسرے  
شخص نے مکان کو منہدم کرنا شروع کر دیا یہ منہدم کرنے والا ضامن نہ ہوگا:  
احضر فغلہ لہدم دار فجاء آخر وہدمها، لا یضمن استحسان۔ (۳)  
۷..... ایک شخص نے قصاب کے ایسے جانور کو جس کے ہاتھ پاؤں قصاب باندھ چکا  
تھا، ذبح کر دیا یہ شخص ضامن نہ ہوگا البتہ اگر جانور آزاد تھا تو ضامن نہ ہوگا:  
ذبح شاة القصاب، إن بعد ما شد القصاب رجلها لا یضمن والا  
ضمن۔ (۴)

## قواعد نمبر (۹۶)

لَا یَجُوزُ لَا حَدٍ أَنْ یَأْخُذَ مَالَ أَحَدٍ بِلَا سَبَبٍ شَرِيعٍ۔ (۵)  
کسی قانونی سبب کے بغیر کسی شخص کا مال لینے کا اختیار نہیں۔

## شرط

یعنی کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کا مال قصد اوارادۃ یا خطاء یا سہواً بغیر

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۳

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۳

(۳) شرح المجلة: ص ۲۶۳

(۴) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۷ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السادسة والتسعون، ص ۲۶۵

کسی شرعی وجہ کے لئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کے حقوق قابل احترام ہیں، خطاء یا بھول یا مزاح سے ان حقوق کا احترام ساقط نہیں ہوا کرنا چنانچہ غصب، سرقہ، جوا، سود، رشوت، جھوٹا دعویٰ، جھوٹی شہادت، جھوٹی قسم، یا ظالمانہ صلح جیسے طریقوں سے کسی کا مال حاصل کرنا (یا ضائع کرنا) کسی کے لیے حلال نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمہ کے فریقین سے ارشاد فرمایا: تم لوگ میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو، بہر حال میں بشر ہوں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک فریق دوسرے کے مقابلے میں اپنی جنت پیش کرنے اور سحر بیانی کی بناء پر اعلیٰ درجہ رکھتا ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، لہذا تم میں جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ میں نے اس کے بھائی کے حق کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے تو اس دوسرے کو چاہیے کہ (میرے فیصلہ کی بناء پر) وہ حق نہ لے کیونکہ اس حق کا لینا اس کے لیے جہنم کا ایک حصہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

## تفریعات

۱..... اگر مدعی اور مدعا علیہ نے اس امر پر صلح کر لی کہ فلاں شی مدعی لے لے، اور مدعی جانتا تھا کہ اس صلح سے قبل وہ شی اس کی نہ تھی تو یہ صلح باطل ہوگی یعنی مدعی پر لازم ہوگا کہ یہ شی مدععاً علیہ کو واپس کر دے:

لو تصالح المدعى والمدعى عليه على شيء أخذة المدعى ثم قال المدعى بعده: ما كان لي قبله حق، بطل الصلح أى ووجب على المدعى رد ما أخذة من المدعى عليه۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک شخص یہ خیال کر کے کہ وہ فلاں شخص کا مفترض ہے اپنے اس خیال کے مطابق کچھ رقم دے دی، اور دینے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا خیال صحیح نہ تھا تو جو کچھ دیا ہوگا

(۱) صحيح بخاری: کتاب المظالم والغصب، باب اثم من خاصم فی باطل، ج ۲ ص ۱۲۱، رقم

الحدیث: ۲۳۵۸

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۵

و اپس لے سکے گا، اور اگر دیا ہوا ضائع ہو چکا ہو گا تو اس کے بدل کا مطالبہ کر سکے گا:

و قد صرحواً بِأَنَّ مَنْ ظَنَ أَنَّ عَلَيْهِ دِينًا فَبَانَ خِلَافَهُ، رَجَعَ بِمَا أُدِيَ

وَلَوْ كَانَ قَدْ أَسْتَهْلَكَهُ رَجَعَ بِبَدْلِهِ۔<sup>(۱)</sup>

۳..... اگر مشتری نے مبیع میں کسی قدیم عیب کی اطلاع پائی جو کہ باعث کے پاس سے پیدا شدہ تھا اور ساتھ ہی ایک جدید عیب مشتری کے اپنے پاس پیدا ہو چکا تھا (جو مبیع کی واپسی کا مانع تھا) اس لیے مشتری نے باعث کے عیب کے مطابق مبیع کے نقصان کے مقابلے میں باعث سے رقم حاصل کر لی، اس کے بعد جو عیب مشتری کے پاس پیدا ہوا تھا وہ مبیع سے دور ہو گیا اور مبیع اپنی اُس حالت پر لوٹ آئی جو باعث کے پاس تھی، اور اس قابل ہو گئی کہ باعث کو واپس کیا جاسکے اور مشتری نے واپس کرنا چاہا تو اب مشتری کو مبیع اور وہ رقم جو اس نے بقدر نقصان باعث سے لی تھی دونوں باعث کو واپس کرنا ہوں گے کیونکہ جب مبیع پوری قیمت کی وصولی کے ساتھ باعث کو واپس کر دی گئی تو اب مشتری کو اس معاوضہ سے جو اس نے عیب کی بناء پر بقدر نقصان و صنول کیا تھا اتفاق کا حق نہیں پہنچتا اس لیے اس کو اپنے پاس نہیں روک سکتا:

كَذَلِكَ لَوْ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِيُ عَلَى عَيْبٍ قَدِيمٍ فِي الْمَبِيعِ كَانَ عِنْدَ

البَائِعِ بَعْدَ حَدَوثِ عَيْبٍ آخَرَ عِنْدَهُ مَانِعٌ مِنَ الرَّدِّ، وَأَخْذَ مِنَ الْبَائِعِ

نَقْصَانَ الْعَيْبِ، ثُمَّ زَالَ الْعَيْبُ الْحَادِثُ فَأَرَادَ رَدَّهُ عَلَى بَائِعِهِ يَرْدُ

الْمَبِيعَ مَعَ النَّقْصَانِ، لَأَنَّهُ إِذَا رَدَّهُ وَاعْيَدَ لِهِ الشَّمْنَ يَكُونُ مَا أَخْذَهُ

مِنْ نَقْصَانَ الْعَيْبِ، بِلَا سَبَبٍ شَرِعيٍّ لَانْفَسَخَ الْبَيْعَ فَلَا يَحْلُّ لَهُ۔<sup>(۲)</sup>

## قواعدہ نمبر (۹۷)

تَبَدُّلُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَائِمٌ مَقَامَ تَبَدُّلِ الذَّاتِ۔<sup>(۳)</sup>

ملکیت کے سبب کی تبدیلی شئی کے ذات کی تبدیلی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۵ (۲) شرح المجلة: ص ۲۶۵

(۳) مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸ / شرح القواعد الفقهية: القاعدة السابعة والتسعون، ص ۲۶۷

## ماخذ

یہ قاعدة نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے مأخوذه ہے:

عن انس بن مالک صلی اللہ علیہ وسلم قال: أتى النبی بلحوم فقیل  
تُصْدِقَ علی ببریرة، قال: هُوَ لَهَا صدقة ولنا هدية۔<sup>(۱)</sup>

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گوشت حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہ کے لیے صدقہ ہے لیکن ان کی جانب سے ہمارے لیے ہدیہ ہو گا یعنی جب تم نے گوشت کے مالک سے لیا اس وقت یہ تمہارے لیے صدقہ تھا اب تمہاری ملکیت میں آنے کے بعد تمہاری جانب سے ہمارے لیے ہدیہ ہو گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملکیت کے تبادلے سے شئی کی ذات میں تبدل پیدا ہو جاتا ہے۔

## تفریعات

۱..... ایک فقیر نے جب زکوٰۃ کی رقم لے اور اس کے بعد اپنی جانب سے یہ رقم کسی ہاشمی یا مالدار کو بطور ہبہ پیش کر دے تو ہاشمی اور مالدار کے لیے اس کا لینا جائز ہو گا، کیونکہ ملک کی تبدیلی سے شئی کی ذات میں تبدلی پیدا ہو جاتی ہے:

منها أن الفقير إذا أخذ زكاة ثم وهبها لغنى أو هاشمي أو باع منها  
حل ذلك المال لهما، لتبدل العين بتبدل الملك۔<sup>(۲)</sup>

۲..... ایک شخص نے اپنی زندگی میں (بحالت صحت) اپنے کسی رشتہ دار کو صدقہ دیا، اس کے بعد جس کو صدقہ دیا گیا فوت ہو گیا اب یہ صدقہ کی ہوئی چیز بذریعہ و راثت صدقہ کرنے والے کے حصہ میں واپس آئی تو صدقہ کرنے والا اس کا مالک ہو گا، اور اس کے صدقہ کا ثواب اپنی جگہ قائم رہے گا:

و منها لو تصدق رجل على قريبه فمات المتصدق عليه وعادت  
الصدقية إليه بالوراثة، ملكها وما ضاع ثوابه۔<sup>(۳)</sup>

(۱) صحیح بخاری: کتاب الہبة وفضلها، باب قبول الہبة، ج ۲ ص ۱۵۵، رقم الحدیث: ۲۵۸۷

(۲) شرح المجلة: ص ۲۶۶ (۳) شرح المجلة: ص ۲۶۶

۳..... اگر موہوب لہ نے موہوب کو اپنی ملک سے (کسی تصرف کے ذریعہ) خارج کر دیا اور دوسرے کی ملکیت میں پہنچ گئی، مثلاً ہبہ کر دیا یا فروخت کر دیا تو اب وہب کو ہبہ سے رجوع کا حق حاصل نہ ہو گا کیونکہ تبدل ملک سے شئی میں تبدلی آ گئی:

ان الموهوب له لو اخرج الموهوب عن ملکه الى آخر ببيع أو هبة،

لا يبقى للواهب صلاحية الرجوع بالهبة لأن الموهوب بالانتقال

من مالك الى آخر صار كانه شى آخر حكمًا وإذا كان تبدل صفة

الموهوب يمنع الرجوع۔<sup>(۱)</sup>

۴..... اگر ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا فلاں شئی اس کو اس کے باپ سے وراثت میں ملی ہے، اور شاہدوں نے اپنی شہادت میں بیان کیا کہ وہ اس کی ماں کی طرف سے اس کو وراثت میں پہنچی ہے، تو شاہدوں کی شہادت مقبول نہ ہو گی کیونکہ شہادت میں ایسی چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو مدعی کے دعوے کے برخلاف ہے، اس لیے کہ سبب ملک کی تبدلی شئی کی ذات کی تبدلی کے قائم مقام ہوتی ہے:

كذلك لو ادعى ملكا ارثا عن أبيه وشهد شهوده بأنه ورثه من أمه

لا تقبل شهادتهم لعدم موافقتها للدعوى لأن تبدل سبب الملك

قائم مقام تبدل الذات۔<sup>(۲)</sup>

۵..... جب مشتری کسی شئی کے خریدنے کے بعد بالع کے حق میں اس شئی کی (ٹے شدہ) قیمت میں اضافہ کر دے اور بالع اس اضافہ کو قبول کر لے تو بشرط قیام شئی مبیعہ میں یہ زیادتی مشتری کے ذمہ واجب ہو جائے گی، البتہ اگر مبیعہ ضائع ہو گیا خواہ حقیقتہ ضائع ہو، یا حکماً تواب یہ زیادتی مشتری پر لازم نہ ہو گی، حکماً ضائع ہونے کا یہ معنی ہے کہ مشتری نے مبیعہ کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو اور پھر یہ مبیعہ دوسری بیع کے ذریعہ مشتری کے پاس آ گیا ہو، اور اب مشتری اول بالع کے حق میں (اول بیع کی قیمت کے لحاظ سے

اضافہ کرے) تو یہ اضافہ مشتری کے ذمہ واجب نہ ہو گا کیونکہ ملک کی تبدیلی سے مبیعہ میں بھی تبدیلی واقع ہو گئی جیسا کہ یہ اصول ہے کہ سبب ملک کی تبدیلی شئی کی ذات کی تبدیلی کا باعث ہوتی ہے:

ان المشترى إذا زاد فى الثمن بعد العقد، وقبل البائع تلك  
الزيادة فى المجلس لزمه، لكن بشرط قيام المبیع وقت الزيادة  
فلو بعد هلاكه ولو حكمًا لا يصح والهلاك الحکمی تبدل الملك،  
نحو أن يخرجه المشترى عن ملکه، ثم يعود اليه بشراء ونحوه فلا  
تلزم الزيادة حينئذ لأن تبدل سبب الملك قائم مقام تبدل  
الذات۔<sup>(۱)</sup>

۶..... ایک شخص نے کسی سے گندم خریدنے کا اظہار کرتے ہوئے (ان کی قیمت میں) اپنے ذمہ ایک ہزار روپیہ کے واجب ہونے کا اقرار کیا، اس کے بعد کشش کی خریداری کے سلسلہ میں ایک ہزار کی رقم کا اقرار کیا تو اس شخص پر دونوں رقمیں واجب ہوں گی کیونکہ اسباب کی تبدیلی مسببات کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ مذکورہ مسئلہ میں ایک صورت میں مال کے وجوب کا سبب گندم ہے اور دوسری صورت میں کشش ہے:  
ولو أقرَّ رجلُ بِألفٍ ثمنَ حنطةً ثُمَّ بِألفٍ ثمنَ زَبِيبٍ لزمهُ الملاآن  
الْفَانِ، لأنَّ اختلافَ الأسبابِ يدلُّ على اختلافِ المسببات۔<sup>(۲)</sup>

## قواعد نمبر (۹۸)

مَنِ اسْتَعْجَلَ الشَّيْءَ قَبْلَ أَوَانِهِ عُوقَبَ بِحُرْمَانِهِ۔<sup>(۳)</sup>

جو شخص کسی شئی کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے گا اس کو اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۷      (۲) شرح المجلة: ص ۲۶۷

(۳) الأشباه والنظائر: القاعدة الخامسة عشرة، ص ۱۵۶      مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸

## تشريع

یعنی جو شخص کسی شئی سے اس کے وقت سے پہلے فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو یہ سزادی جائے گی کہ اس کو فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا جائے، لہذا جو شخص جلد میراث حاصل کرنے کی غرض سے اپنے مورث کو عمدأً یا بطور شبہ عمد یا خطاء قتل کر دے گا تو وہ مورث کی میراث سے محروم کر دیا جائے گا یعنی قاتل کو مورث کی میراث نہ ملے گی، البتہ اگر قاتل قتل کا سبب ہوا ہوگا تو محروم نہ ہوگا کیونکہ قتل کا سبب ہونے والا حقیقی قاتل نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کی مملوکہ زمین میں کنوں کھو دے اور اس کنوں میں اس کھونے والے کا مورث گر کر ہلاک ہو جائے تو یہ کنوں کھونے والا محروم نہ ہوگا بلکہ اس پر دیت واجب ہوگی، اس کے قاعدے محرومی کو کسی قید سے مقید نہیں کیا بلکہ مطلق چھوڑا گیا ہے حالانکہ اس کے لیے ایک قید معتبر ہے وہ یہ کہ یہ قتل کرنا بصورت قصاص یا کسی دیگر شرعی حق کی بناء پر واقع نہ ہوا ہو، چنانچہ اگر ایک عادل وارث اپنے مورث کو بااغی ہونے کے سبب قتل کر دے گا تو یہ اس کی میراث سے محروم نہ ہوگا کیونکہ یہ قتل بحکم شرعی تھا۔

مثال: اگر شوہر نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین طلاق اس کی رضامندی کے بغیر صرف اس لیے طلاق دی کہ اس کو وراثت سے محروم کر دے تو وہ وارث بنے گی:  
لو طلقها ثلاثا بلا رضاها قاصدا حرمانها من الارث في مرض موته  
فانها ترثه۔<sup>(۱)</sup>

مثال: ایک شخص جلد وراثت حاصل کرنے کے لیے اپنے والدیا کسی اور مورث کو قتل کر دے تو اسے اپنے اس مورث کی جائیداد کی وراثت سے محروم کر دیا جائے گا:  
حرمان القاتل مورثه عن الإرث۔<sup>(۲)</sup>

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (متوفی ۹۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ چند مسائل اس قاعدے سے مستثنی ہیں۔

(۱) الأشباء والناظائر: ص ۱۵۶ (۲) الأشباء والناظائر: ص ۱۵۶

۱..... یہ کہ ام ولد لونڈی اگر اپنے آقا کو قتل کر دے گی تب بھی آزاد ہو جائے گی آزادی سے محروم نہ ہو گی:

الأولى: قتلت أم الولد سيدها عتق و لم تحرم۔

۲..... مدبر غلام اگر اپنے آقا کو قتل کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا اور کسب کے ذریعہ اپنی پوری قیمت (ورثاء) کو ادا کرنا ہو گی، کیونکہ غلام کو مدبر بنا موت کے بعد اس کے تصرفات کا نفاذ ہوتا ہے جو وصیت کے حکم میں متصور ہوتا ہے، اور یہ امر واضح ہے کہ قاتل کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوتی:

الثانية: قتل المدبر سيدة عتق، ولكن يسعى في جميع قيمته لأن

التدبير وصية بالعتق بعد الموت ولا وصية لقاتل۔

۳..... اگر اُن اپنے مدیون کو قتل کر دے تو اس کا میعادی دین فوری ادا یگی کے قابل ہو جائے گا:

الثالثة: قتل صاحب الدين المديون حل دينه۔

۴..... ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس ارادے سے بیوی بنائے رکھا کہ اس کے مرنے کے بعد یہ شوہر اس کا وارث ہو حالانکہ زوجہ کے ساتھ اس کا برتاؤ شوہر جیسا نہ تھا:

الرابعة: امسك زوجته مسيئا عشرتها لأجل ارثها ورثها۔

۵..... شوہرنے اپنی زوجہ کو طرح طرح کی تکالیف دیں تاکہ زوجہ خلع پر مجبور ہو جائے چنانچہ زوجہ نے خلع چاہا خلع نافذ ہو گا:

الخامسة: امسكها كذلك لأجل الخلع نفذ۔

۶..... ایک عورت نے نماز کے وقت حیض جاری ہو جانے کے لیے دوا استعمال کی جس سے حیض جاری ہو گیا اس پر اس نماز کی قضا لازم نہ ہو گی:

السادسة: شربت دواء فخاضت لم تقض الصلوة۔

۷..... زکوٰۃ سے جان بچانے کے لیے ایک شخص نے سال تمام ہونے سے قبل اپنا

مال فروخت کر دیا یہ عمل صحیح ہو گا زکوٰۃ واجب نہ ہوگی:

السابعة: باع مال الزکوٰۃ قبل الحول فراراً عنها صحيٰ و لم تجب -

.....رمضان مبارک کی شب میں ایک شخص نے اس ارادے سے دو اپی کہ وہ مرضی ہو جائے تاکہ صحیح کو روزہ نہ رکھنا پڑے، اور صحیح ہونے پر ایسا ہی ہوا اس شخص کے لیے افطار جائز ہوگی:

الثامنة: شرب شيئاً لیمرض قبل الفجر فأصبح مريضاً جاز له  
الفطر۔ (۱)

## قواعد نمبر (۹۹)

منْ سَعَى فِي نَقْضِ مَاتَمَّ مِنْ جِهَتِهِ فَسُعِيهُ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ۔ (۲)  
جو شخص اس کی سعی کرے گا کہ کسی ایسی بات میں تناقض پیدا کرے جو کہ خود اس کی طرف سے مکمل ہو چکی ہو تو اس کی یہ سعی اس پر رد کردی جائے گی۔

## تشريح

کیونکہ اس کے اس پہلے عمل میں جو اس کی جانب سے مکمل ہو چکا تھا اور دوسرا عمل میں جس سے یہ نقض کی کوشش کر رہا ہے منافات و تعارض ہو گا، اور ایسا عمل دو تناقض کلاموں کے درمیان مدافعت پیدا کرنا متصور ہوتا ہے اور دعویٰ کی ساعت کو نامقبول بنادیتا ہے لہذا اس شخص کی ایسی کوشش مردود متصور ہوگی۔

## تعريفات

۱.....ایک شخص نے اپنا غلام فروخت کیا مشتری غلام کی قیمت کی ادائیگی کے بعد غلام

(۱) شرح المجلة: ص ۲۶۸ / الأشباء والنظائر: ص ۱۵۶

(۲) الأشباء والنظائر: كتاب القضاء والشهادات والدعوى، ص ۲۲۶ / مجلة الأحكام العدلية: ص ۲۸

کو اپنے ہمراہ لے گیا اور غلام (اپنے متعلق ہر قسم کے) کے اظہار پر قادر تھا لیکن اس کے باوجود (اس خرید فروخت کے عرصہ میں) خاموش رہا اس کی یہ خاموشی اس امر کی دلیل ہوگی کہ وہ غلام ہی تھا، اب اگر اس کے بعد یہ غلام اپنی حریت کا دعویٰ کرے گا تو یہ دعویٰ اس کا قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ اس کا یہ دعویٰ اس کے اول فعل کے منافی ہوگا، مگر یہ کہ اپنے دعوے پر (قانونی) ججت پیش کر دے:

فلو باء عبداً وقبضه المشترى وذهب به الى منزله والعبد ساكت

وهو ممن يعبر عن نفسه فهو اقرار منه بالرق فلا يصدق في دعوى

الحرية بعدة لسعيه في نقض الا ان يبرهن فيقبل۔<sup>(۱)</sup>

۲..... کسی شخص کے قبضہ میں ایک معین شی ہوا اور وہ یہ ظاہر کرے کہ یہ شی اس کی اپنی نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرا شخص اس شی کا دعویدار موجود ہے جو اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے، تو اول شخص کا (اظہاری) قول اس امر کا اقرار ہوگا کہ وہ شی مدعی کی مملوک ہے حتیٰ کہ اپنے (سابق قول کے بعد) اگر اس شی کے متعلق یہ کہے گا کہ میری اپنی مملوک ہے تو یہ قول اب ناقابل قبول ہوگا:

عین بيد رجل يقول "هو ليس لي" وهناك من يدعويه يكون

اقرارًا بالملك للداعي حتى لو ادعاه لنفسه لا يقبل۔<sup>(۲)</sup>

۳..... ایک شخص نے کسی شی کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ یہ شی اس کو صدقہ میں دی گئی تھی جس کو ایک سال کا عرصہ ہو چکا، اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ دو ماہ ہوئے ہیں کہ اس نے صدقہ کرنے والے سے اس شی کو خریدا ہے اور اس دعویٰ پر شہادت بھی پیش کر دی اس شخص کا یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہوگا مگر یہ کہ یہ شخص اپنے دونوں قول میں تضییق کر دے، مثلاً یہ بیان کرے کہ اولاً صدقہ کرنے والے نے اس کو یہ چیز صدقہ میں دی گئی اور اس شخص نے اس پر

(۱) رد المحتار: کتاب البيوع، باب الاستحقاق، مطلب فی مسائل التناقض، ج ۵ ص ۲۰۰

(۲) شرح المجلة: ص ۲۷۰

قبضہ بھی کر لیا تھا اس کے بعد یہ چیز اول صدقہ کرنے والے کے پاس کسی ذریعہ سے دوبارہ پہنچ گئی تھی، مثلاً عاریٰ اس نے لی تھی یا اس دوسرے نے اول کے پاس ودیعت کر دی تھی اور واپس طلب کرنے پر دینے سے انکار کر دیا تھا لہذا (مجبوراً) قیمت دے کر میں نے اس کو دوبارہ خرید لیا، یعنی (اپنے دونوں قول کے درمیان) تطبیق بیان کرتے ہوئے یہ تفصیل کی کہ اولاً یہ صدقہ ہی کی گئی تھی اور خریداری اپنی (صدقہ سے مملوکہ) شئی کو چھوڑانے کی غرض سے (بعد میں) کی گئی:

لو ادعى الصدقة منذ سنة، ثم ادعى الشراء منه منذ شهر ين واقام  
البينة لا تقبل الا إذا وفق فقال: تصدق علىّ وقبضته ثم وصل  
اليه بسبب من الأسباب اي كاعارة وايداع، فجحدنى الصدقة  
فاشتريتها، وبين أن الصدقة هي السبب والشراء كان تخلصاً  
لملكه۔ (۱)

۲..... ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شخص کے ذمہ اس کا کوئی حق نہیں ہے، اس کے کچھ عرصہ بعد اس دوسرے کے قبضہ میں غلام کے متعلق کہا کہ یہ غلام دوسرے نے اس سے غصب کر لیا تھا تو یہ دوسرے قول اس کا قابل قبول نہ ہو گا، مگر یہ کہ یہ مقرار پنے اقرار کے بعد کسی زمانے میں غلام کے غصب کیے جانے پر کوئی جحت قائم کر دے کیونکہ اس کے اقرار کے ذریعہ فلاں شخص کا (اس کے حق سے) بری الذمہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے، اب اس ثبوت کی لفی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں (ای طرح کی) قطعی جحت قائم کر دے اور اس قسم کی جحت شہادت قائم کر دینا ہے:

اقر انه لا حق له قبل فلان، ثم ادعى قساً بيده أنه غصبته منه لا  
تصدق الا أن برهن على غصبته بعد اقراره اذ البراءة ثبتت  
بيقين اي هو الاقرار فلا يبطل حكمها الا بيقين وهو البينة۔ (۲)

(۱) الفتاوی الہندیۃ: کتاب الدعوی، الباب الثامن، ج ۳ ص ۷۱

(۲) شرح المجلة: ص ۲۷۱

۵..... ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ فلاں شئی فلاں شخص کی مملوکہ ہے اور چوں کہ میں اس کا وکیل ہوں اس لیے یہ چیز میرے قبضہ میں ہے، اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو اس کا یہ دعویٰ ناقابل سماحت ہو گا کیونکہ اس کے دونوں (اول و ثانی) قول ایک دوسرے کے متقاضی ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز فلاں کی مملوکہ بھی ہو اور خود اس کی اپنی مملوکہ بھی ہو، مگر یہ کہ یہ شخص اپنے دونوں قول میں فوری طور پر تطبیق کر دے اور یہ کہے کہ واقعی یہ شئی اولاً اس فلاں شخص ہی کی تھی لیکن اس کے بعد (والے زمانے میں) میں نے اس سے اس شئی کو خرید لیا تھا اور اس قول کو شہادت سے ثابت بھی کر دے:

ادعى لغيره بوكاله ثم ادعاه لنفسه، لا تسمع لأن ما هو ملكه لا

يضيفه إلى غيره عند الخصومة فتتمكن المنافاة إلا أن يوفق بأن

(۱) يقول كان له ثم شريته منه، وبرهن على ذلك۔

## قواعد نمبر (۱۰۰)

الحرج مرفوع۔ (۲)

حرج کو اٹھایا گیا ہے۔

## حرج کا لغوی معنی

”أصل الحرج الضيق“ حرج کی اصل تنگی ہے، حرج کا لغوی معنی تنگی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مفہوم نقل کیا گیا ہے:

الحرج مالا مخرج له.

یعنی حرج سے مراد ایسی صورت حال ہے جس سے نکلا ممکن نہ ہو۔

(۱) شرح المجلة: ص ۲۴۲

(۲) الموافقات للشاطبی: کتاب المقاصد، القسم الأول، النوع الثالث، ج ۲ ص ۲۲۲؛ الفتاوی الكبرى: کتاب الطلاق، مسألة فسخ الحاکم نکاحها عقب الولادة، ج ۳ ص ۲۲۲

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام میں حرج اور تنگی کو روانہ نہیں رکھا گیا اس لیے کہ دین سب کے لیے ہے اور سب نے اس پر عمل کرنا ہے، جب اس میں حرج اور تنگی ہوگی تو سب اس پر عمل نہیں کر سکتے اس لیے دین میں حرج اور تنگی بالکل ہی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّ لِكُنْ يُرِيدُ لِيُظَاهِرَ كُمْ وَ لِيُبَيِّنَ نِعْمَةَ  
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ①

الله تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ چاہتے ہے کہ تمہیں پاک کریں اور تم پر اپنی نعمت پوری کریں تاکہ تم شکرا دا کرو:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ  
اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

قرآن کریم میں معدود افراد کے لیے تنگی کے نہ ہونے کا ذکر موجود ہے، اور سورہ فتح اور سورہ نور میں بھی اس کی تفصیل سے بات آئی ہے، ان سب کا قدر مشترک مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی بھی صورت میں حرج اور تنگی میں نہیں ڈالتے بلکہ آسانی مہیا کرتے ہیں تاکہ بندوں کی زندگی خوش اسلوبی سے گزرے، اسی مضمون کے حوالے سے کہ دین میں حرج نہیں ہے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِنَّمَا ذَالِكَ سُعْدَةُ الْإِسْلَامِ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنَ التَّوْبَةِ وَالْكَفَارَاتِ۔ ②

یہ (دین میں حرج نہ ہونا) اسلام کی وہ وسعت ہے جو اللہ تعالیٰ نے توبہ اور کفارہ کی شکل میں عطا کی ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۰ھ) نے دین میں تنگی نہ ہونے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اس سے بندے کے جسم، عقل، مال یا کسی حالت میں کوئی ضرر یا فساد واقع ہونے کا اندازہ تھا اسی بناء پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جہاں کہیں بھی حکم کی بجا آوری میں تنگی پائی جائے وہاں تخفیف و رخصت مہیا کر کے حرج کو دور کیا جائے۔

## رفع حرج

حرج کا اطلاق بھی ہر ایک قسم کی شنگی پر نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد صرف وہی حرج معتبر ہے جو غیر معمولی ہو اور بندوں کے لیے حقیقی مشقت کا باعث بنے، علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح یوں کی ہے:

أصل الحرج الضيق فما كان من معتادات المشقات في الأعمال

المعتاد مثلها فليس بحرج لغة ولا شرعاً۔<sup>(۱)</sup>

حرج کی اصل شنگی ہے اس لیے جو مشقتیں عادة معمول کے کام میں پیش آتی ہیں وہ حرج میں داخل نہ ہوں گی، نہ لغوی اعتبار سے اور نہ شرعی اعتبار سے، صرف اس حرج کا اعتبار ہو گا جو روزانہ کے کام اور معمول میں داخل نہ ہو، مثلاً سفر انسان کے معمول اور روزانہ کے کام میں داخل نہیں ہے لہذا سفر میں حرج سے بچنے کے لیے موزوں پرمسح کی اجازت توسعی مدت کے ساتھ دی گئی ہے، اور باجماعت نماز پڑھنے کے سلسلے میں سہولت دی گئی ہے کہ بوقت ضرورت سفر میں جماعت کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے، دین اسلام کے اصولوں کی نظر میں اصل زندگی کا توازن ہے اسی لیے شریعت نے ضابطہ وضع کیا ہے کہ ”الحرج مرفوع“ کہ حرج کو اٹھایا گیا ہے، لیکن اس کے عکس اگر ہر ایک جگہ سے حرج کو اٹھایا جائے اور ہر ایک قسم کے حرج کا اعتبار کیا جائے تو اس سے بعض لوگ خواہشات کی پیروی کرنے لگیں گے، اس لیے اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جن صورتوں میں انسان کو عادة بعض معمولی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کو حرج نہ سمجھا جائے، مثلاً سردیوں کے موسم میں تھنڈے پانی سے وضو اور ایسے ہی گرمیوں میں روزے کی وجہ سے بھوک پیاس یہ بھی تکالیف اور مشقت ہے مگر یہ معمولی نوعیت کی تکالیف ہے اس کو حرج شمار نہیں کریں گے اور اس کی وجہ سے رخصت یا سہولت نہ ملے گی، کیونکہ یہ معمول کی عام تکالیف ہے جس کو انسان

برداشت کر سکتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں مریض آدمی کے لیے سردیوں میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنا کافی مشکل ہے اس سے حرج کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے، جس کا انسان عموماً عادی نہیں ہوتا ایسی صورت میں تمم کی اجازت وضو کے بدل میں دی گئی ہے، اسی طرح بیمار آدمی کو گرمیوں کے دنوں میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے اور بعد میں اس کی قضاۓ تو کرے گا مگر اس کو کفارہ نہیں ادا کرنا پڑے گا اس حرج کا اعتبار کیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ وہ حرج معتبر ہے جس میں تکلیف یا مشقت زیادہ ہوتی ہو اور جس کو عموماً برداشت کرنا مشکل ہوتا ہو، اسی وجہ سے شرعاً وہ حرج معتبر ہے جس میں تکلیف زیادہ ہو، عام معمول کی تکلیف کو برداشت کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے شرعاً عبادات یا معاملات میں تخفیف یا رخصت کے پہلو سے فائدہ اٹھانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے بلکہ صرف اسی مشقت، تکلیف و حرج کا اعتبار کیا گیا ہے جس کا برداشت کرنا انتہائی مشکل ہو اور مزید ہلاکت کا اندریشہ بھی ہوایے حرج کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔